

# اسلامیت (لذت)

کوڈ: 9401/5436/416      بی اے / بی ایڈ / اے ڈی / بی ایس      یونٹ 1 - 9

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

# اسلامیات (لازمی)

(نظر ثانی شدہ)

يونٹ 1 تا 9

بی اے / بی ایڈ / اے ڈی / بی ایس

کوڈ: 9401/5436/416



علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

سال اشاعت ..... 2023ء

تعداد اشاعت ..... 131400

گنگران طباعت ..... ڈاکٹر سرہد اقبال

طبع ..... پوسٹ فاؤنڈیشن پرنگ پریس اسلام آباد

ناشر ..... علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

# فہرست

	عنوان
iv	کورس ٹیم
v	پیش لفظ
vii	تمہید
1	یونٹ نمبر 1 کتاب و سنت-I
21	یونٹ نمبر 2 کتاب و سنت-II
57	یونٹ نمبر 3 دین اسلام-I
91	یونٹ نمبر 4 دین اسلام-II
115	یونٹ نمبر 5 دین اسلام-III
151	یونٹ نمبر 6 اسوہ حسنہ
191	یونٹ نمبر 7 اسلامی اخلاقی اقدار
235	یونٹ نمبر 8 تہذیب انسانی کی تعمیر میں اسلام کا حصہ
271	یونٹ نمبر 9 ہمارا مستقبل

# کورس طیم

چیزِ مین:	پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی ڈین کالجی عربی و علوم اسلامیہ	☆
تحریر:	پروفیسر غلام احمد حریری پروفیسر حافظ احمد یار	☆
	خالدہ اختر	☆
	ڈاکٹر حافظ محمد طفیل	☆
	ڈاکٹر خالد مسعود	☆
	محمد حنیف چوہدری	☆
	ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی	☆
	قاضی منیب	☆
ترتیب نو:	پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی	☆
نظر ثانی:	پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی محترمہ منزہ خانم	☆
	پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی	☆
	چیزِ مین، شعبہ قرآن و تفسیر	☆
رابطہ کار:	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد قاری محمد رفیق صادق	☆
	شعبہ حدیث و سیرت	
	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد	

## پیش لفظ

پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ یہ خطہ زمین ایک حقیقی اسلامی مملکت کا زوپ دھار لے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین جاری و ساری ہوں۔ اس مقصد میں کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم اپنی نوجوان نسل کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کر اکران میں حقیقی اسلامی سپرٹ پیدا نہ کریں۔

اگرچہ ہم اب تک اس ملک کے تعلیمی نظام کو پوری طرح اسلامی نظریہ سے ہم آہنگ نہیں کر سکے۔ تاہم یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں اسلامی علوم کو ہر سطح پر لازمی مضمون کی حیثیت حاصل ہے اور وقت کی حکومت نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو پیش رفت کی ہے اور بہت سے مستحسن اقدامات کیے ہیں۔ ان میں اسلامیات کو نصاب تعلیم میں شامل کر کے ہر مرحلے پر اس میں امتحان کی کامیابی کو لازمی قرار دینا بھی شامل ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے حکومت کی ہدایت پر بچلو ڈگری کی سطح پر اسلامیات کے لازمی مضمون کے لیے یہ کتاب تیار کی تھی۔ اگرچہ یہ کتاب اس یونیورسٹی کے نظام کو پیش نظر رکھ کر تیار کی گئی تھی لیکن یہ ملک کے مروجہ اور رسمی طریقہ تعلیم کے ماتحت چلنے والے کالجز اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی شامل رہی اور طلبہ نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔

انسانی کوشش کبھی آخری اور مکمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں ہمیشہ اصلاح اور بہتر سے بہتر کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس کتاب میں بھی کہیں کہیں کتابت و طباعت کی غلطیوں کے علاوہ نفس مضمون میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ میں نے یہ کام کلییہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پروردگاریاً چنانچہ فیکٹری کے اساتذہ نے اس کے بعض یونٹ از سرنو لکھے اور بعض میں ضروری ترمیم کی ہے۔

نظر ثانی اور ضروری ترمیم کے بعد اب یہ کتاب مزید قابل استفادہ ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب

کو جہاں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات مفید پائیں گے وہاں دیگر جامعات کے طلبہ و طالبات بھی اس سے استفادہ کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو قبول فرمائے اور کتاب کو نہ صرف طلبہ بلکہ عام قارئین کے لیے بھی مفید بنائے۔ (آمین)

وائس چانسلر

## تمید

پاکستان ایک اسلامی اور نظریاتی مملکت ہے اور مسلمانانِ پاکستان کا اس بات پر ایمان ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور جامع نظام زندگی ہے۔ ہماری فلاح و کامیابی اور ہمارے ملک کی ترقی و خوشحالی اسی نظام زندگی پر عمل کرنے میں مضر ہے۔

ہم تقریباً دو سو سال غیر مسلموں کے زیر تسلط رہے ہیں جس کی بناء پر ہم ہر شعبہ زندگی میں ان سے متاثر ہوئے۔ ہمارا نظام تعلیم بھی اس قدر متاثر ہوا کہ ہم اب تک اس کو اسلامی سانچے میں نہیں ڈھال سکے۔ غیر اسلامی تہذیب کے مضر اثرات نے ہماری نو خیز نسل کو بھی مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے متاثر کیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنی نوجوان نسل کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کی طرف اس انداز سے توجہ دیں کہ وہ دین کے سچے داعی بن سکیں اور مملکت خداداد پاکستان کے ساتھ ان کا صحیح تعلق قائم ہو سکے۔

پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی مملکت بنانے کے سلسلے میں حکومت وقت جو کوششیں کر رہی ہے ان میں نظام تعلیم کو اسلامی رنگ میں رکنے کی کوششیں بھی شامل ہیں۔ اگرچہ ہم اس اعتبار سے بھی بہت پچھے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے ہائیر ایجوکیشن کمیشن کے منظور کردہ نصاب کے مطابق ڈگری سطح پر اسلامیات لازمی کا کورس پیش کیا ہے۔ یہ کتاب نو یونیوں پر مشتمل ہے اور پہلی بار 1981ء میں زیر طبع سے آرستہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی بڑی تعداد نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ یہ کتاب بعض ضروری تراجم کی مقاضی ہے۔ چنانچہ کتاب کی نئی طباعت سے قبل واس سچنسلر صاحب کی ہدایت پر کتاب پر از سر نظر ثانی کی گئی اور کتابت و طباعت کی غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ کتاب کو نئے انداز سے مرتب کیا گیا۔ ان شاء اللہ اب طلبہ اس کتاب کو پہلے سے بہت بہتر صورت میں پائیں گے۔

ہم سب سے پہلے شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن بٹ صاحب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنی

گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس ضمن میں بھر پور سرپرستی فرمائی۔ ہم ان اساتذہ کرام اور ماہرین تعلیم کا بھی تہبہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں، انہوں نے اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں حصہ لیا۔

اس کتاب پر نظر ثانی اور جدید تدوین کا کام پروفیسر عبدالجمیع خان عباسی نے کیا۔ انہوں نے جہاں اصل مسودہ میں تراجمیں اور اضافے کیے وہاں بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ پروف ریڈنگ کی۔

اللہ تعالیٰ سے ڈعا ہے کہ ہماری اس عاجزانہ کوشش کو شرف قبولیت بخشنے۔ امید ہے کہ ہماری یہ کوشش پاکستانی نوجوانوں کے دلوں کو نور ایمانی سے منور کرے گی اور انہیں قرآن کریم کی پیروی اور اتباع سنت کی طرف رغبت دلائے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

یونٹ نمبر ①

# کتاب و سنت - I

## کتاب (القرآن)

توضیح:

پروفیسر غلام احمد حریری

خالدہ اختر

نظر ثانی:

عبد الحمید خان عباسی

## فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
○	پونٹ کا تعارف	3
○	پونٹ کے مقاصد	4
-1	فضائلِ قرآنِ مجید	5
1.1	خود آزمائی نمبر 1	7
-2	سورۃ الفرقان کا مختصر تعارف	8
2.1	سورۃ الفرقان - آخری رکوع مع مفہوم	9
2.2	مشکل الفاظ کے معانی	11
2.3	خود آزمائی نمبر 2	13
-3	سورۃ الحجرات کا مختصر تعارف	14
3.1	سورۃ الحجرات مع مفہوم	15
3.2	مشکل الفاظ کے معانی	18
3.3	خود آزمائی نمبر 3	20

## یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ سے خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ تمام انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس میں طرح طرح کے مسائل اور احکام کو نہایت مختصر مگر جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

عزیز طلبہ و طالبات!

ویسے تو پورا قرآن مجید مشعل راہ ہے لیکن اسلامیات (416) برائے ڈگری کلاسز کی یونٹ نمبر 1 میں آپ کے مطالعہ کے لیے صرف ”سورۃ الفرقان“ کے آخری رکوع اور ”سورۃ الحجرات“، مکمل کو شامل کر دیا گیا ہے۔ ان سورتوں کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ ان میں روزمرہ کے معاشرتی مسائل توضیح کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں کئی معاشرتی اور اخلاقی مسائل موجود ہیں۔ اگر ہم اخلاقی اعتبار سے اپنی اصلاح نہ کر سکے تو تعلیم و تربیت کا بنیادی مقصد ختم ہو کر رہ جائے گا۔

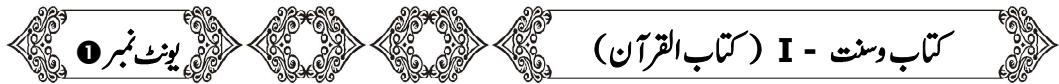
عزیز طلبہ و طالبات!

یہ یونٹ درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

- 1- حدیث رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں فضائل قرآن۔
- 2- سورۃ الفرقان کا مختصر تعارف۔

3- سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۲۱ تا ۷ کا بامحاورہ اردو ترجمہ اور مشکل الفاظ کے معانی۔

4- سورۃ الحجرات کا مختصر تعارف، بامحاورہ اردو ترجمہ اور مشکل الفاظ کے معانی۔



## پونٹ کے مقاصد

عزیز طلبہ و طالبات!

اسلامیات لازمی (416) برائے ڈگری کلاسز کی پونٹ نمبر 1 کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- 1 حدیث کی روشنی میں فضائل قرآن حکیم سے آگاہ ہو سکیں۔
- 2 سورۃ الفرقان کے مختصر تعارف سے آشنا ہو سکیں۔
- 3 سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۳ تا ۷ کا بامحاورہ ترجمہ کر سکیں اور مشکل الفاظ کے معانی جان سکیں۔
- 4 سورۃ الحجرات کے مختصر تعارف سے آگاہ ہو سکیں۔
- 5 سورۃ الحجرات کی آیات کا بامحاورہ اردو ترجمہ کر سکیں اور مشکل الفاظ کے معانی سے آگاہ ہو سکیں۔

## 1- فضائل قرآن مجید

احادیث کی کتابیں حضور اکرم ﷺ کے ایسے ارشاداتِ گرامی سے بھری پڑی ہیں جن میں قرآن مجید کے فضائل مذکور ہیں۔ ان حادیث کے مطلع سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید تمام کلاموں میں افضل ترین کلام ہے۔ دُنیا و ما فیہا کی نعمتوں سے کہیں بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی یعمت عظمی ہے۔ یہ کتاب ہمارے لیے لائحہ عمل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ کتاب دُنیا و آخرت کی فلاح کی ضامن ہے۔ قیامت کے دن یہ کتاب حافظ قرآن کی شفاعت کرے گی۔ ارشادِ نبوی ہے:

”خَيْرٌ كُمْ مَنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَعَلَمَهُ“

(تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن پڑھا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی)۔

اس حدیث سے قرآن پاک کی فضیلت، اس کے پڑھنے والے کی سعادت اور اسے پڑھانے والے کی عظمت واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدري رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن مجید (کے شغف) نے میرا ذکر کرنے اور دُعا مانگنے سے روک دیا ہو، میں اُسے دُعا مانگنے والوں سے بڑھ کر نعمتوں سے نوازوں گا۔ اُس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی فضیلت اپنی مخلوق پر ہے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسمی ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ کا اشارہ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَجْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ (اللہ تعالیٰ کی رسمی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو) کی طرف ہے۔ یہ حکیمانہ نصیحت ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ قرآن مجید وہ چیز ہے کہ تخیلات اسے غلط راستے پر نہیں لے جاسکتے اور زبانیں اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کر سکتیں۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْدِكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الجُّرْجُورٌ: ١٥) (٩: ٦)

(بیشک ہم نے اس ذکر یعنی قرآن حکیم کو نازل کیا ہے اور بیشک ہم ہی اس کے محافظ ہیں)  
علماء اس کتاب سے سیر نہیں ہو سکتے اور اسے جتنا پڑھو یہ پرانا نہیں ہوتا بلکہ تازگی میں اضافہ ہوتا ہے اور  
اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

حضرت عبیدہ ملکیؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے قرآن خوانی کرنے والو! قرآن کو تکمیل میں بناو، بلکہ اس کی تلاوت کرو جس طرح اس  
کی تلاوت کرنے کا حق ہے، اور اسے اعلانیہ اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھو، اور اس میں جو  
مضامین ہیں ان پر فوراً غور کرو، کیونکہ اس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب  
ہو۔ اس کا ثواب حاصل کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ آخرت میں اس کا ثواب لازمی ہے۔“

جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت اپنے گھروں میں نہیں کرتے، ان کے گھروں یا نہیں، خواہ کتنے ہی بہترین انداز  
میں تعمیر کیوں نہ کیے گئے ہوں۔ اسی چیز کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضور اکرم ﷺ  
سے روایت کرتے ہیں کہ ”جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں اس کی مثال اُجر ہوئے گھر کی سی ہے۔“

قرآن حکیم رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جو لوگ اسے مذاق سمجھتے ہیں وہ کبھی سر بلند اور ہدایت یافتہ نہیں  
ہوں گے۔ لوگ اسے فیصلہ کن کلام سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ انہیں دُنیا کی کوئی طاقت گمراہ نہیں کر  
سکے گی، اور وہ ہمیشہ دُنیا و آخرت میں کامیابی اور کامرانی سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخَيْرَةُ  
مِنْ أَمْرِهِمْ طَوْمَنْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صَلَا لَا مُبِينًا﴾ (الاحزاب: ٣٢) (٣٣: ٣٦)

(کسی مومن مرد یا عورت کو اجازت نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کسی

معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس معاملے میں اپنا اختیار کریں اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے، وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

قرآن کریم اسلامی شریعت کا مانند اور اصل الاصول ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی عقائد کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے، نیز زندگی کے تمام شعبوں میں ہمیں اس سے راہنمائی ملتی ہے، اور یہ ہمیں صراط مستقیم بتاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

”بے شک یہ قرآن اس (راہ) کی ہدایت کرتا ہے، جو بہت سیدھی ہے“۔ (بی اسرائیل: ۹)

مختصر یہ کہ قرآن مجید کا پڑھنا باعث ثواب ہے، اس کا سمجھنا باعث ہدایت ہے اور اس پر عمل کرنا باعث نجات ہے۔

### 1.1 خود آزمائی نمبر 1

- 1. قرآن مجید کے فضائل بیان کرتے ہوئے کم از کم دو (۲) احادیث پیش کیجئے۔
- 2. قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، تو پسخ کیجئے اور یہ بھی بتائیے کہ اس میں کس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

3. خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پر کریں:

قرآن مجید کا پڑھنا باعث ثواب ، اس کا سمجھنا باعث ..... اور اس پر عمل کرنا باعث ..... ہے۔

4. فضائل قرآن پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیے۔

## 2- سورہ الفرقان کا مختصر تعارف

سورہ الفرقان کی سورت ہے۔ اس میں ۶ (چھ) رکوع ہیں اور یہ ۷۷ (ستتر) آیات پر مشتمل ہے۔  
(کلی سورتیں انہیں کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ پر هجرت سے پہلے مکی دوسریں نازل ہوئیں)۔

### مضامین

کفارِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت اور قرآن کے وحی الہی ہونے کے خلاف جتنے اعتراضات و شبہات اٹھائے، اس سورت میں ان کو نقل کر کے ان کے جواب دیے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ دعوت حق سے منہ موڑ نے کے برے نتائج صاف صاف بتائے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید کا اصل مرتبہ و مقام بھی واضح فرمایا گیا ہے۔ اسی کے ضمن میں قرآن مجید پر ایمان لانے والوں کو امتحان کے مرحلے سے گزرنے کے بعد دُنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و کامرانی کی بشارت دی گئی ہے۔ جو لوگ اس کو جھٹلانے پر اڑ رہیں گے، اتمام جحت کے بعد انہیں ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

اس سورت کی آخری آیات یعنی ۲۳ تا ۷۷، جو کہ اس کو رس میں شامل کی گئی ہیں، ان میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے اوصاف گنانے ہیں جن کی عقلی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ اس کی نشانیوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آگے بڑھ کر قرآن مجید پر ایمان لانے والے بنے۔ اس طرح ان لوگوں کا ظاہر و باطن بھی بالکل بے نقاب ہو کر رہ گیا جو قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی چند اہم صفات اور نشانیاں ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں زمین پر عاجزی اور انکساری سے چلنا، جاہل لوگوں سے واسطہ پڑے تو بحث و تکرار کے بجائے سلام کہہ کر گذر جانا، راتوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور قیام و تجوید اور دعا میں کرنا، بخل اور فضول خرچی سے بچنا، شرک، قتل اور زنا جیسے بڑے بڑے گناہوں سے دُور رہنا شامل ہیں۔

## 2.1 سورۃ الفرقان (آخری رکوع) مع مفہوم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

**٥١ تَبَرَّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا**

بڑی ہی بارکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرُوج بنائے اور اس میں ایک چاراغ اور ایک منور چاند بنایا،  
**وَ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خَلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ**  
 اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا، ان کے لیے جو یاد دہنی حاصل کریں یا شکر گزار  
**شُكُورًا** <sup>۴۲</sup> **وَ عِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُوَنَا وَ إِذَا خَاطَبَهُمْ**  
 بنا چاہیں۔ اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے انجھتے  
**الْجَهَلُونَ قَالُوا سَلَّمًا** <sup>۴۳</sup> **وَ الَّذِينَ يَبْيَتُونَ لِرَبِّهِمْ سُبْحَدًا وَ قِيَامًا** <sup>۴۴</sup>

ہیں تو وہ انہیں سلام کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور جو راتیں اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں،  
**وَ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا صَرُفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ عَرَامًا** <sup>۴۵</sup>  
 اور جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے رب ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ، پیشک اس کا عذاب چھٹ جانیوالی چیز ہے  
**إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًا وَ مُقَاماً** <sup>۴۶</sup> **وَ الَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسِرِّفُوا وَ لَمْ**

پیشک وہ بہت ہی برا مستقر اور نہایت ہی برا مقام ہے۔ اور جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ غرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور  
**يَقْتُرُوا وَ كَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً** <sup>۴۷</sup> **وَ الَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا أَخْرَ**  
 نیگی، اور اس کے درمیان کی معتدل را اختیار کرتے ہیں۔ اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسراے معبود کو نہیں پکارتے  
**وَ لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَرْزُونَ وَ مَنْ يَفْعَلُ**  
 اور نہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا بغیر کسی حق کے قتل کرتے ہیں اور نہ ہی بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو کوئی ان باتوں کا

**ذَلِكَ يَلْقَ أَثَاماً ۝ يُضَعِّفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَاجِنًا ۝**

مرتکب ہو گا وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہو گا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب میں درجہ بدرجہ اضافہ کیا جائے گا

**إِلَّا مَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَبْدَأُ اللَّهُ سَيِّدَهُمْ حَسَنَتٍ ۝**

اس میں خوار ہو کر رہے گا۔ مگر وہ جو توبہ کر لیں، ایمان لا سیں اور نیک عمل کریں، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلا کیوں میں بدل دے گا،

**وَ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَ مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ ۝**

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشے والا مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور عمل صالح اختیار کرتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف

**مَتَابِيًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا أَمْرُوا بِاللَّغْوِ مُرُوا كِرَامًا ۝ وَالَّذِينَ**

لوٹا ہے۔ اور جو کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے، اور اگر ان کا کسی بیہودہ چیز پر سے گذر ہوتا ہے تو قادر کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ اور جن کا

**إِذَا ذُكِرُوا بِآيَتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْرُوا عَلَيْهَا صُمَّاً وَ عُمَيَّانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ**

حال یہ ہے کہ جب ان کو ان کے رب کی آیات کے ذریعے یادداہی کرائی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور انہے بن کر نہیں گرتے، اور جو ذمہ کرتے رہتے

**رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ آذُ وَاجْنَانًا وَ ذُرِّيَّتَنَا فُرَّةَ أَعْيُنٍ وَأَجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝**

ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی جانب سے ٹھنڈک بخش اور ہمیں پرہیز گاروں کا سربراہ بنا!

**أُولَئِكَ يُجْزَوُنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَ يُلْقَوْنَ فِيهَا تَحْيَيَةً وَ سَلَماً ۝**

یہ لوگ ہیں کہ ان کی ثابت تدبی کے صلے میں بالا خانے ملیں گے اور ان کا خیر مقدم تحیۃ وسلام کے ساتھ کیا جائے گا،

**خَلِدِيْنَ فِيهَا طَ حَسَنَتُ مُسْتَقَرًا وَ مُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبُؤُ إِلَّا كُمْرَبٌ**

ان میں ہمیشہ رہیں گے، خوب ہو گا وہ مستقر اور مقام، کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواف ہے

**لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَلَّ بِنَمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَاماً ۝ صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ**

اگر تمہیں دعوت دینا مد نظر ہوتا، سوتم نے اس کی مکتدیب کر دی تو وہ چیز عنقریب لازم ہو کر رہے گی۔ صدق اللہ العظیم

## 2.2 مشکل الفاظ کے معانی

تَبَرَّكَ	بَارِكَتْ ہے	
السَّمَاءُ	آسمان	ذُورِ رَكْه
بُرُوجًا	برج کی جمع یعنی بڑے بڑے ستارے	ہم سے
سَرْجًا	چراغ	چمنے والا
قَدَرًا	چاند	مُرَاہے
مُنِيرًا	أَجَالًا كرنے والا	ٹھہرنا کی جگہ
الْيَلَ	رات	جب خرچ کرتے ہیں
خَلْفَةً	یکے بعد دیگرے	بے جا خرچ نہیں کرتے
يَدَكَرَ	یاد رکھے، توجہ دے	معتدل گزارہ، نہ کم نہ زیادہ
شُكُورًا	شکر کرنا	نہیں پکارتے
عَبَادُ	عبد کی جمع، بندے	معبد۔ حاکم
يَمْشُونَ	چلتے ہیں	قتل نہیں کرتے
هُونَا	دبے پاؤں۔ آہستہ	حرام ٹھہرا دیا
الْجَهَلُونَ	جالیں، آن پڑھ (جمع)	بدکاری نہیں کرتے
يَبِيُّونَ	رات گذارتے ہیں	پالے گا
سُبْجَدًا	سجدہ کرتے ہوئے	گناہ
قِيَامًا	کھڑے ہو کر	وَگَنَادِيَا جائے گا
يَقُولُونَ	وہ کہتے ہیں	

اندھے، اغمی کی جمع ہے	عُمَيَّانًا		
ہماری بیویاں	آَزْوَاجُنَا	ذیل کیا گیا	مُهَاجِّاً
آنکھوں کی ٹھنڈک	فُرْرَةَ أَعْيُنٍ	ایمان لایا	أَمَنَ
پیشوا۔ لیدر	إِمَامًا	تبدیل کر دے گا	يُبَدِّلُ
وہ لوگ	أُولَئِكَ	ان کی برائیاں	سَيِّئَاتِهِمْ
ان کو بدله دیا جائے گا	يُجَزِّوْنَ	نیکیاں، بھلاکیاں	حَسَنَتٍ
بالاخانہ	الْغُرْفَةَ	لوٹ آتے ہیں	يَتُوبُ
ان کا استقبال کیا جائے گا	يُلْقَوْنَ	گوئنے کی جگہ	مَتَابًا
تحفہ، سلام	تَحْيَيَةً	نہیں گواہی دیتے	لَا يَشْهَدُونَ
ہمیشور ہیں گے	خَلِيدِينَ	جھوٹ، باطل	الْزُورُ
اچھی ہے، خوب ہے	حَسْنَتُ	گذرتے ہیں	مَرْوُا
پروانیں کرتا	مَا يَعْبُوْا	بے کار کام۔ کھیل تفریح	اللَّغْوُ
تمہارا پکارنا	دُعَاؤُكُمْ	بزرگانہ طور پر، باوقار ہو کر	كَرَامًا
تم جھلا کچے	كَذَّبْتُمْ	یاد دلایا جاتا ہے، سمجھایا جاتا ہے	ذَكَرُوا
چست جانا، تصادم، مٹھ بھیڑ	لِزَاماً	نہیں گر پڑے	لَمْ يَخْرُوا

### 2.3 خود آزمائی نمبر 2

- سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۲۵ تا ۲۶ کا بامحاورہ اردو ترجمہ کرنے کے بعد ان آیات کے مشکل الفاظ کے معانی لکھیئے۔

- سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۲۶ تا ۷ میں سے مشکل الفاظ کے معانی لکھیئے۔

- سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۷ تا ۷ کا بامحاورہ اردو ترجمہ تحریر کیجئے اور ان آیات کے مشکل الفاظ کے معانی بھی لکھیے۔

- سورۃ الفرقان کی آخری آیات میں نیک لوگوں کی جو خوبیاں پیان کی گئی ہیں، ان پر تبصرہ کیجئے۔

- مندرجہ ذیل آیات کا اردو ترجمہ کیجئے:

الف۔ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُوَنَا﴾

ب۔ ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾

ج۔ ﴿أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ﴾

- خالی جگہیں پر کیجئے:

الف۔ خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر ..... چلتے ہیں۔

ب۔ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ ..... کرتے ہیں نہ ..... بلکہ درمیان کی ..... اختیار کرتے ہیں۔

ج۔ جو نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے ..... کو پکارتے ہیں اور نہ اس جان کو حصے ..... اللہ نے ..... ظہرایا .....

## 3- سورۃ الحجرات کا مختصر تعارف

سورۃ الحجرات مدنی سورت ہے۔ اس میں ۲ (دو) رکوع ہیں اور یہ ۱۸ (اٹھارہ) آیات پر مشتمل ہے۔  
 (مدنی سورت سے مراد ایسی سورت ہے جو حضور ﷺ پر ہجرت مکہ کے بعد مدنی دُور میں نازل ہوئی)۔

### مضامین

اس سورت میں آدابِ نبوت اور اصلاح معاشرہ پر زور دیا گیا ہے۔ آدابِ نبوت میں مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے کو رسول اللہ ﷺ کی رائے یا آپ ﷺ کے حکم پر مقدم کرنے کی کوشش کرے، یا بات چیت میں اپنی آواز کو آپ ﷺ کی آواز پر بلند کرے، یا آپ ﷺ کو اس طرح پکارے جس طرح اپنے کسی برابر کے آدمی کو پکارتا ہے۔ جو لوگ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حسن ادب اور نشاستہ کلام کا ثبوت دیں گے۔ ان کے گناہ معاف اور نیکیاں قبول ہوں گی۔

اصلاح معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں اس سورت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اہم اطلاعات کے بارے میں چھان بین کریں۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں تصادم ہو جائے تو ان میں صلح کر ادیا کریں، اگر کوئی گروہ زیادتی کرے تو اُس کے خلاف طاقت استعمال کریں، حتیٰ کہ وہ راہ راست پر آ جائے۔ آپس میں غیر مہذب اور نشاستہ قسم کا مذاق نہ کریں۔ ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکاریں، بدگمانی سے بچیں اور ایک دوسرے سے حسن ظن رکھیں۔ مسلمان بھائیوں کے بخی حالات کا کھوچ نہ لگائیں بلکہ پردہ پوشی سے کام لیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایمان و اسلام کا زبانی دعویٰ کافی نہیں، عملی طور پر اللہ کی راہ میں جان اور مال کی بازی لگانا بھی ضروری ہے اس کے ساتھ انہیں اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اسلام کا احسان محمد مصطفیٰ ﷺ اور اللہ تعالیٰ پر نہ جتنا میں۔ حضور اکرم ﷺ تو محسن اعظم ہیں، جن کی بدولت اہل جہاں کو رشد و ہدایت نصیب ہوئی اور محسن حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جس نے ان کو ہدایت قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

## 4.1 سورۃ الحجرات مع مفہوم

**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقْرِنُ مُوَابِينَ يَدَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ  
مُومنو! کسی بات کے جواب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے نہ بول اخفا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نتنا  
عَلَيْهِمْ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيٍّ وَلَا تَجْهَرُوا  
جانتا ہے۔ مومنو! اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچا کرو اور نہ ہی آپ ﷺ کے ساتھ زور سے باتیں کرو، جس طرح آپ میں  
لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرٍ بِعُضْلُمٍ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال خائیں ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُبُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ وَلِلَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ أَصْنَحُوا اللَّهُ قُلُوبَهُمْ  
جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل تقوے کے لیے آزمائیے  
لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَآجِرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ  
ہیں، ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ جو لوگ آپ ﷺ کو محروم کے باہر سے آواز دیتے ہیں  
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَ لَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ

ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود نکل کر ان کے سامنے آتے  
خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ

تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور خدا تو بخششے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی بدکردار کوئی خبر لے کر  
بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُو اقْوَمًا بِمَجْهَالَةٍ فَتُصِيبُو حُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمُ نَدِمِينَ ۝

آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ (مبارک) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو، پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيْكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْيُطِعُكُمْ فِيْ كُثُرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ  
اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے بغیر (موجود) ہیں۔ اگر بہت سی باقیوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن

**حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفَّرَ وَالْفُسُوقَ**

الله نے تمہارے لیے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو پیزار وَالْعَصِيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّشِيدُونَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةٌ ۝ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكْمٌ

کر دیا ، وہی لوگ ہیں ہدایت کی راہ پر ، اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے ، اور اللہ تعالیٰ جانے والا حَكِيمٌ ۝ وَإِنْ كَلَّا فِتْنَةٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلُوا فَأَصْلِحُوهَا بَيْنَهُمَا

(اور) حکمت والا ہے۔ اور اگر مونوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو ،

فَإِنْ يَغْتَثِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوهُ الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَقْعِدَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ

اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ (گروہ) اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے فَإِنْ فَاءَتْ فَأَقْاتَتْ فَأَصْلِحُوهَا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝

پس اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان مساوات کے ساتھ صلح کر ادا اور انصاف سے کام لو، پیشک اللہ تعالیٰ الصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوهَا بَيْنَهُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ مُّتَرَحِّمُونَ ۝

مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے دو بھائیوں میں صلح کر دیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا لَا يَسْخِرُ قومٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا أَخْيَرًا إِمْمَانُهُمْ وَلَا

اے مومنو! کوئی قوم کسی قسم سے مذاق نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۝ وَلَا تَلْمِزُوهُنَّ أَنْفُسَكُمْ

عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی وَلَا تَنَابَرُوا بِالْأَقْبَابِ ۝ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتَبْ

ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان کے بعد فتن (گناہ) کا نام بھی برا ہے ، اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظُّنُنِ ۝ إِنَّ

وہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بھیں گے، اے ایمان والوں بہت گمان کرنے سے پر بیز کرو، پیشک

**بَعْضُ الظِّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجْسِسُوا وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا طَآيِّبُ أَحَدُكُمْ**  
 بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور نہ تم سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا  
**أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ طَإِنَّ اللَّهَ تَوَابُ رَحِيمٌ** ③  
 کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تم اس سے ضرور نفرت کرو گے، اور خدا سے ڈرتے رہو۔ یہیک اللہ بڑا ہی تو قبول کرنے والا مہربان ہے  
**يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِيلَ لِتَعَارِفُوا**  
 اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شاخت کرو،  
**إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتُقْلِمُ طَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَيْرٌ** ④ **قَالَتِ الْأَعْرَابُ**  
 یہیک خدا کے نزدیک، تم میں زیادہ عزت والا ہے، جو زیادہ پرہیز گارہے، یہیک خدا سب کچھ جانے والا، سب سے خبردار ہے۔ بدودوں نے کہا کہ ہم  
**أَمَّنَا طَقْلُ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا آسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي**  
 ایمان لائے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی  
**قُلُوْبِكُمْ طَ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتُكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْءًا طَإِنَّ اللَّهَ**  
 نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا۔ یہیک اللہ  
**غَفُورٌ رَّحِيمٌ** ⑤ **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَأُوا وَجْهَ دُوَا**  
 بخششے والا مہربان ہے۔ یہیک مومن لوگ وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر یہیک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ  
**بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ** ⑥ **قُلْ أَنْتُمْ مُؤْمِنُونَ**  
 میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، یہی لوگ چچے ہیں، کہہ دیجئے ان سے کیا تم اللہ کو اپنی  
**اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ طَإِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ**  
 دینداری جلتاتے ہو، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز سے

عَلَيْهِمْ ۝ يَمْنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۝ قُلْ لَا تَمْنُونَا عَلَى إِسْلَامِكُمْ ۝  
واقف ہے۔ یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے، کہہ دیجئے کہ مجھ پر ایمان لانے کا احسان نہ رکھو، بلکہ  
**بَلِ اللَّهِ يَسْمُنُ عَلَيْكُمْ أَنْ هَذِلَكُمُ الْإِيمَانُ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝**  
اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق بخشی، اگر تم پچے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ  
**إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝**  
آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

### 3.2 مشکل الفاظ کے معانی

لَا تُنَقِّلْ مُؤْمِنًا	تم آگے نہ بروسو	لَا تُنَقِّلْ مُؤْمِنًا	تم لگو، تم ہو جاؤ
بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ	اللہ سے پہلے	بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ	پیشمان، پچھتائے والے
لَا تُرْقِعُوا	تم اوپنی نہ کرو	لَا تُرْقِعُوا	تمہارا کہنا مان لیں
لَا تَجْهَرُوا	ندزور سے بولو	لَا تَجْهَرُوا	تمہارا کہنا مان لیں
إِنْتَهَى	مٹ جائیں، ضائع ہو جائیں	إِنْتَهَى	اُس نے محبوب بنایا
أَعْدَلُكُمْ	تمہارے اعمال	أَعْدَلُكُمْ	اس کو سجادایا، آراستہ کیا
لَا يَشْعُرُونَ	تمہیں خبر نہ ہوگی	لَا يَشْعُرُونَ	اس نے ناگوار بنایا
يَعْضُوْنَ	وہ پنجی رکھتے ہیں	يَعْضُوْنَ	انکار شریعت
أَعْتَحَنَ	اس نے آزمایا۔ پرکھ لیا	أَعْتَحَنَ	گناہ، نافرمانی
تَنْهَىٰ	پرہیز گاری	تَنْهَىٰ	نافرمانی، گناہ
يُنَادِونَ	وہ پکارتے ہیں	يُنَادِونَ	بھلائی پانے والے
مِنْ وَرَاءِ الْحُجُّرِ	کمروں کے پیچے ”باہر سے“	مِنْ وَرَاءِ الْحُجُّرِ	دو گروہ، دو فریق
لَا يَعْقِلُونَ	وہ عقل نہیں رکھتے	لَا يَعْقِلُونَ	انہوں نے قاتل کیا
فَاسِقٌ	نافرمان، بدکردار، گنہگار	فَاسِقٌ	پس تم صلح کرادو

نَبَاءٌ	فَإِنْ بَغَثْتُ	پس اگر وہ زیادتی کرے
فَتَبَيَّنُوا	تَبَيْنُ	وہ سرشاری کرتی ہے
تُصَبِّعُوا	حَلْمَىٰ تَفْقِيْعَ	یہاں تک وہ لوٹ آئے
بِجَهَالَةٍ	فَإِنْ فَآءَتُ	پس اگر وہ لوٹ آئے
أَفْسُطُوا	الْأَنْاسُ	لوگ
الْمُقْسِطِينَ	خَلْقَنَكُمْ	ہم نے تمہیں پیدا کیا
إِحْوَةٌ	مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ	ایک مرد اور ایک عورت سے
بَيْنَ أَخْوَيْهِمْ	جَعْلَنَكُمْ	ہم نے تمہیں بنا لیا
لَا يَسْخَرُ	شَعْوَبَا	تو میں، جماعتیں
قَوْمٌ	قَبَائِلَ	قبیلے
عَسَىٰ	إِنْعَارْفُوا	تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو
نِسَاءٌ	أَكْرَمَكُمْ	تم میں زیادہ باعترت
لَا تَمْزِرُوا	أَتَقْلِمُ	تم میں زیادہ پر ہیزگار، تھی
لَا تَنَابِرُوا بِالْلَّقَابِ	الْأَكْعَارُبُ	دیہاتی، بدروں
بِنْسَ	لَمْ تُؤْمِنُوا	تم ایمان نہیں لائے
لَهُبَيْتُ	لَمَّا يَدْخُلَ	ابھی تک داغل نہیں ہوا
إِجْتَبَيْوُا	إِنْ أُطْبِعُوا	اگر تم اطاعت کرو
ظُلْلٌ	لَا يَلْتَمِمُ	وہ کی نہ کرے گا (تمہارے اعمال میں)
إِنْهُمْ	لَمْ يَرْتَأِبُوا	انہوں نے شک نہ کیا
لَا تَجْسِسُوا	جَهَدُوا	انہوں نے جہاد کیا
لَا يَغْتَبُ	أَتَعْلَمُونَ	کیا تم جاتے ہو
لَحْمَ	يَسْتَوْنَ	وہ احسان رکھتے ہیں
مَيْتَانًا	لَا تَمْتَوْا	تم احسان نہ رکھو
فَكَكِهْشُودُه	بَصِيرٌ	دیکھنے والا
تَوَابٌ	بِسَّا تَعْمَلُونَ	جو کچھ تم کرتے ہو

### 3.3 خود آزمائی نمبر 3

1- سورہ الحجرات کے مضامین پر ایک اجمالی نظر ڈالیے۔

2- مندرجہ ذیل آیات کا اردو میں ترجمہ کیجئے:

الف۔ لَا تَرْقِعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

ب۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ لِخُواةٌ

ج۔ وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

3- مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کا اشارہ کس معاشرتی برائی کی طرف ہے:

أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْنِي لَهُ حَمَادِيهِ مَيْتَانَ فَكِرْهُشُوهُ

4- خالی جگہ مناسب الفاظ سے پر کریں:

(ا) کوئی قوم، کسی قوم سے..... نہ کرے۔

(ب) مسلمان آپس میں..... ہیں۔

(ج) اپنے مومن..... کو..... نہ لگاؤ۔

(د) ایک دوسرے کا..... نہ رکھو۔

5- سورہ الحجرات کی آیت نمبر اتنا ۱۰ کا با محاورہ اردو ترجمہ کیجئے۔

6- سورہ الحجرات کی آیت نمبر اتنا ۱۸ کا با محاورہ اردو ترجمہ اور مشکل الفاظ کے معانی فہرست کی صورت میں تحریر کیجئے۔

پونٹ نمبر ②

# کتاب و سنت II

## سنت (الحدیث)

توضیح: پروفیسر غلام احمد حریری

خالدہ اختر

نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

# فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
-1	پونٹ کا تعارف	23
-2	پونٹ کے مقاصد	23
-3	سنٹ کی اہمیت	24
3.1	انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کیوں ضروری ہے؟	25
3.2	سنٹ، قرآن حکیم کی روشنی میں	26
3.3	سنٹ، سرور کائنات ﷺ کی نگاہ میں	28
3.4	اممہ اربعہ اور حدیث نبوی	29
3.5	خود آزمائی نمبر 1	30
4	بیس منتخب احادیث مع متن، ترجمہ اور شرح	31
4.1	خود آزمائی نمبر 2	56

## 1- یونٹ کا تعارف

قرآن مجید کے بعد دین اسلام میں سنت کو اہمیت حاصل ہے۔ سنت کی اہمیت کے بارے میں آپ کو مستقل عنوان کے ماتحت معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس یونٹ میں احادیث میں سے صرف بیس (۲۰) حدیثوں کا انتخاب کیا گیا ہے اور انتخاب کرتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ایسی حدیثیں نصاب میں شامل کی جائیں جن کا تعلق دین کے بنیادی احکام اور ہمارے روزمرہ مسائل سے ہے اور جن کے بارے میں معلومات رکھنا ہر مسلمان کے لیے ناجائز ہے۔

## 2- یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ سے آپ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ:

- 1      قرآن حکیم کے بعد حدیثِ نبوی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔
- 2      حضور ﷺ کی اطاعت کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔
- 3      حدیث، درحقیقت قرآن کی تفسیر ہے۔

## 3 - سنت کی اہمیت

لغت میں سنت اس راستے کو کہتے ہیں جس پر ”چلا جائے، خواہ وہ راستہ اچھا ہو یا برا۔ لیکن شرعی اصطلاح میں سنت سے مراد حضور اکرم ﷺ کے افعال و اقوال ہیں یا ایسے کام جو سروکائنات ﷺ کے سامنے کیے گئے ہوں اور آپ ﷺ نے انہیں پسند فرمایا ہو۔ سنت کا اطلاق ایسے امور پر بھی ہوتا ہے جو خلافے راشدین ﷺ نے کیے ہوں یا ان کے کرنے کا حکم ہو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

((عَلَيْكُمْ بِسْتِيْ وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ))

”تم پر میرے طریق کا را اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا لازم ہے۔“

حضور اکرم ﷺ کے قول فعل کا نام سنت یا حدیث ہے۔ لہذا حدیث کو وہی اہمیت حاصل ہے جو رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو۔ اسلامی عقائد میں ایمان باللہ کے بعد ایمان بالرسول کا درجہ ہے۔ ایک اعتبار سے رسالت کا مقام اہم ہو جاتا ہے کہ لوگوں کو رسولوں کے ذریعے خدائے لمیزل کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اگر انہیاء علیہم السلام نہ ہوتے تو ہم خدا کو پہچاننے میں غلط فہمی کا شکار ہوتے۔ چنانچہ ارشادِ ربیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی“۔ (النساء: 80)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے افعال کو ہمارے لیے اُسوہ حسنہ اور آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کو ہمارے لیے مشعل راہ قرار دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

”بے شک تمہارے لیے رسول کریم ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے“ (الحزاب: 21)

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان کی سیرت و حیات کی روشنی میں امت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکے اور ان کی ہدایات پر عمل کر کے اپنے دامن کو فلاح و نجات سے مالا مال کر سکے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”هم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ (النساء: 64)

### 3.1 انبیاء کی اطاعت کیوں ضروری ہے؟

اسلامی نقطہ نظر سے حکم صادر کرنے اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ ”حکم صرف خدا تعالیٰ کا ہے۔“ (الانعام: 57)

اس آیت کی رو سے حکم صادر کرنے کا حق ذاتِ خداوندی کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ انبیاء کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اور اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔

اسی ضمن میں قرآن پاک کی مندرجہ ذیل دو (۲) آیات بھی ملاحظہ ہوں:

﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا أَبْلَغُ الْمُبَيِّنُونَ﴾

”پس کیا ہے رسولوں کے ذمہ صرف یہ کہ پہنچا دینا ہے واضح طور پر۔“ (النحل: 35)

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾

”وہ ہمارا بھیجا ہوا رسول اپنی مرضی سے نہیں بولتا۔ وہ تو صرف وحی ہے جو کی جاتی ہے۔“  
(الجم: 3)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل حکم خداوندی پر منی ہوتا تھا۔ اس حدیث کے پیش نظر علماء نے وحی کو دو (2) قسموں میں تقسیم کیا ہے:

(1) وحی متلو : یعنی تلاوت کی جانے والی وحی (قرآن حکیم)

(2) وحی غیر متلو: یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی (حدیث و سنت)

اس سے واضح ہوا کہ قرآن اور سنت دونوں کا اصل سرچشمہ وحی الہی ہے۔ اسی لیے دونوں کی اطاعت ضروری ہے چنانچہ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحِبِّكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

”فرماد تھے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔“ (آل عمران: 31)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی پیروی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ حضور ﷺ کی پیروی کا مطلب یہی ہے کہ آپ کے اقوال و اعمال اور سیرت و کردار کو اپنے لیے نمونہ عمل بنایا جائے اسی کا نام ”سنت“ ہے۔

### 3.2 سنت، قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآن حکیم کی بکثرت آیات میں اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول کی اطاعت اسی لیے کی جاتی ہے کہ وہی ایک معتبر ذریعہ ہے جس سے ہم تک خدا تعالیٰ کے احکام پہنچے ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت بھی رسول ﷺ کی پیروی کے بغیر نہیں کر سکتے۔ رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف خدا تعالیٰ کے غلاف بغاوت ہے۔ اس مضمون کو اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ))

”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔“

آنحضرت ﷺ کے اس دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت کی صرف یہی صورت باقی رہتی ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات، آپ ﷺ کی حیات و سیرت اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو واجب الاطاعت قرار دیا جائے اور ان کو عملی زندگی میں اپنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بیان کردہ احکام کا مجموعہ حدیث نبوی ﷺ کی صورت میں ہمارے پاس موجود و محفوظ ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے عظیم ہونے کی وہ خصوصیت ہے جو آپ ﷺ کو دیگر انبیاء و رسول میں ایک امتیازی مقام عطا کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ کے اقوال و اعمال اور آپ کی حیات طیبہ کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ دُنیا کی کسی قوم نے اپنے ہادی و مصلح کے اقوال و اعمال اس احتیاط کے ساتھ جمع نہیں کیے۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں نے بھی کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا ہے:

قرآن حکیم نے اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا أَتَكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾

”ہمارا رسول جو کچھ تھیں دے وہ لے لو اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو۔“

(الحشر: 7)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

”اور ہم نے کوئی رسول ﷺ نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ - (النساء: 64)

﴿وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“ - (النساء: 80)

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾

”اگر تم رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔“ (النور: 54)

مذکورہ صدر آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کو دُنیا میں اپنا نامائندہ بنا کر بھیجا تھا خدا تعالیٰ کے احکام براہ راست ہم پر نہیں اُترے بلکہ حضور ﷺ کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ محض اس لیے مبعوث نہیں کیے گئے کہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہمیں پڑھ کر سنادیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے اولین مفسر اور ترجمان ہیں۔ انسانوں کو اخلاقی قبیحہ سے پاک کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

### 3.3 سنت، سرورِ کائنات ﷺ کی نگاہ میں

حضور نبی کریم ﷺ اپنے عہدِ نبوت میں مسلمانوں کے لیے محض ایک پیرو مرشد اور واعظ نہیں تھے ان کی جماعت کے قائد، رہنماء، حاکم، قاضی، شارع، مرتبی، معلم سب کچھ تھے۔ عقائد و تصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک مسلم سوسائٹی کی پوری تشكیل آپ ہی کے بناۓ، سکھائے اور مقررہ طریقوں پر ہوئی تھی۔

آنحضرت احادیث میں سنت کی پیروی کا حکم دیا اور اس کی مخالفت سے باز رہنے کی ہدایت کی۔ حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”خبردار ہو مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک اور چیز بھی۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ ایک شکم سیر آدمی اپنی مند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن مجید کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس میں حلال پاؤ، اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو حالانکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کا رسول حرام ٹھہرائے وہ ویسی ہی حرام ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز، خبردار ہو کہ تمہارے لیے پا تو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ چیرنے پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔“

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

”کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام نہیں کی، سوائے ان چیزوں کے جن کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے۔ خبردار رہو خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی قرآن مجید ہی کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ہرگز یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو یا ان کے پھل کھاؤ، جب کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے ہوں۔“

ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جوانکار کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انکار کون کرتا ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ سرویر کائنات ﷺ نے فرمایا ”جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا۔“

### 3.4 ائمہ اربعہ اور حدیث نبوی ﷺ

چاروں اماموں میں سے ایسے اقوال منقول ہیں کہ جب حدیث نبوی ﷺ آجائے تو ہمارا قول ترک کر دو۔  
(1) امام یہقی ”المدخل“ میں حضرت عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا ”جبات آنحضرت ﷺ سے منقول ہو وہ برسو چشم تسلیم ہے۔“

”روضۃ العلماء“ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”میرے قول کو حدیث نبوی ﷺ اور قول صحابہ کرام ﷺ کی موجودگی میں ترک کر دو۔“

(2) امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے:

”میں ایک انسان ہی ہوں، غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں، میری رائے میں غور کرو، اگر کتاب و سنت کے مطابق ہوتا سے قبول کرلو، ورنہ رد کردو۔“

(3) امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”جب رسول اللہ ﷺ کی سنت آجائے تو اسے کسی دوسرے (امتی) کے قول کی بنا پر ترک نہ کیا جائے۔“

(4) امام حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے:

”جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کیا، وہ ہلاکت و بتاہی کے کنارے پہنچ گیا۔“

### 3.5 خود آزمائی نمبر 1

1- سنت کے لغوی معنی کیا ہیں؟ نیز شرعی اصطلاح میں سنت سے کیا مراد ہے؟

2- اطاعتِ رسول ﷺ کے بارے میں جو آیات آپ نے پڑھی ہیں۔ ان میں سے کم از کم تین کا اردو ترجمہ لکھیے

3- مندرجہ ذیل فقروں میں سے درست پر (✓) کا نشان لگائیے۔

(ا) حلال و حرام کے احکام صرف قرآن حکیم میں بیان ہیں۔

(ب) حلال و حرام کا ذکر قرآن مجید کے علاوہ حدیث میں بھی آتا ہے۔

4- خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پر کریں۔

(ا) خدا تعالیٰ کے احکام بر اہ راست ہم پنہیں اُترے۔ بلکہ ..... کے واسطے ہم تک پہنچ ہیں۔

(ب) رسول ﷺ کی اطاعت دراصل ..... کی اطاعت ہے۔

5- حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ”جس نے میری سنت کو زندہ کیا اُس نے مجھے زندہ کیا“، وضاحت کیجئے

6- وحی متلو۔ وحی غیر متلو کا کیا مفہوم ہے؟

# بیس منتخب احادیث ④

مع

متن، ترجمہ اور شرح

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

**①** عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بُنْيَ الْإِسْلَامِ عَلَىٰ خَمْسٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَمَاتَتْ نَاهٍ كَمَا اسْلَمَ كَمَا بَيَادِ پَانِچِیزِ دُولِ پُر کھی گئی ہے (۱) ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ وَ إِقَامُ الصَّلَاةِ وَ إِيتَاءُ الزَّكُوْةِ وَ حَجَّ الْبَيْتِ وَ صَوْمُ رَمَضَانَ - مَتَّفِعٌ عَلَيْهِ اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) بیت اللہ کا حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا (صحیح بخاری و مسلم)

## ارکانِ اسلام

### شرح مطالب:

مذکورہ صدر حدیث میں دینِ اسلام کی پانچ بنیادوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس طرح عمارت کی تکمیل چار دیواروں اور ایک چھت سے ہوتی ہے، اسی طرح دینِ اسلام کی تکمیل حدیث میں مذکورہ پانچوں ارکان سے ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک رکن بھی کم ہو تو دین کی عمارت ادھوری رہے گی، بلکہ اسے عمارت کی بجائے کھنڈر کہنا موزوں تر ہو گا۔

### ① توحید و رسالت:

کلمہ طیبہ یعنی ”لا إلٰه إلٰهٌ مُّحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ“ دینِ اسلام کے دو اہم عقائد پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے جزو یعنی ”لا إلٰه إلٰهٌ“ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حاجت روا، مشکلات کو دور

کرنے والا اور مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اسی کا نام توحید ہے۔ توحید کو اسلامی عقائد میں اساسی و بنیادی حیثیت حاصل ہے، بلکہ یوں کہیے کہ توحید حاصل اسلام اور روحِ دین ہے۔

توحید کے ساتھ ساتھ اہل اسلام کو اس امر کی شہادت دینے کی بھی تلقین کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رسالت کے معنی ”پیغام“ کے ہیں۔ پیغام پہنچانے والے کو رسول کہتے ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں رسول اُس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ تسلیم کرے کہ رسول جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس کی بنیاد وہ علم ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے، اس لیے یہ بات خود بخود لازم ہمہر تی ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں انسان اسی طریقے کو اختیار کرے جسے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اختیار کیا۔ قرآن کریم نے اطاعتِ رسول ﷺ پر بڑا ذریعہ دیا ہے۔ جہاں اطاعتِ خداوندی کا ذکر کیا اس کے ساتھ اطاعتِ رسول ﷺ پر بھی روشنی ڈالی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ توحید و رسالت کے دو (۲) بنیادی عقائد پر مشتمل ہے۔

## ② اقامتِ صلوٰۃ

توحید و رسالت کے بعد دین اسلام کے چار عملی اركان میں نماز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کتاب و سنت میں نماز کی بے حد تاکید وارد ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ اقامت کے معنی ”نماز پڑھنے کے نہیں“، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

”نماز پابندی، الترام اور پوری شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جائے۔“

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

”بے نماز کو قید میں رکھا جائے اور جب تک توبہ نہ کرے اُسے رہانہ کیا جائے۔“

## زکوٰۃ ③

اللہ تعالیٰ نے ہر مالدار مسلمان پر فرض کیا ہے کہ اگر اس کے پاس مال کی ایک مقررہ مقدار ہو اور اس پر پورا ایک سال گذر جائے تو وہ اس میں اڑھائی نیصد اپنے کسی غریب رشتہ دار یا کسی محتاج رشتہ دار کو، کسی نو مسلم کو، کسی مسافر یا کسی قرضاً دار شخص کو دے دے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے امیروں کی دولت میں غریبوں کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دولت سمٹ سمت کر ایک جگہ جمع نہیں ہوتی بلکہ گردش کرتی رہتی ہے۔ اس طرح زکوٰۃ کے ذریعے امراء و غرباء کے طبقات میں توازن و اعتدال پیدا ہوتا ہے۔

## حج ④

عمر بھر میں ایک مرتبہ حج ادا کرنا فرض ہے، بشرطیکہ وہ شخص سفر اور اپنے متعلقین کے ضروری اخراجات برداشت کر سکے۔ حج اہل اسلام کا سالانہ عالمی اجتماع ہے۔ حج حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی یادتازہ کرتا اور اُمت میں اتحاد و تجہیق کی رُوح برقرار رکھتا ہے۔ دُنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان مکہ معظمه میں جمع ہو کر اسلامی برادری کا رُوح پرور منظر پیش کرتے ہیں۔

## رمضان کے روزے ⑤

روزہ کیا ہے؟ جس سبق کو نماز روزانہ پانچ وقت یاد دلاتی ہے، اسے روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک یاد دلاتا رہتا ہے۔ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہر قسم کی برائی سے باز رہنے کا نام روزہ ہے۔ قرآن کریم نے روزے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ:

”روزہ انسان کو پرہیزگار بناتا ہے۔ روزے سے صبر و تحمل، جفا کشی اور نادار لوگوں سے تعاون و ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔“

مذکورہ صدر پانچ اركان کو دین اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

(2)

۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سن :  
 مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمْرَتُكُمْ بِهِ فَأَتُوا مِنْهُ مَا أَسْتَطِعْتُمْ فَإِنَّمَا  
 میں جس چیز سے تمہیں روکوں اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دوں اسے مقدور بھر جا لاؤ۔ پیش  
 اهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثُرَةً مَسَائِلَهُمْ وَ اخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَاءِهِمْ مَفَقَّعَ عَلَيْهِ  
 تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سوالات کی کثرت اور انہیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کیا۔ ( صحیح بخاری و مسلم )

### کثرت سوال کی ممانعت

شرح مطالب :

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے قوموں اور ملتوں کے رازِ حیات اور فلسفہ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دُنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بر کرنا چاہتے ہو تو مقدور بھر میری اطاعت کرو، میں جس چیز سے روکوں اس سے رُک جاؤ۔ جس کام کا حکم دوں اسے بجا لاؤ، جتنی بات بتا دوں اس پر عمل کرو، کرید کرید کرنہ پوچھو۔ بلا وجہ سوالات کے دروازے نہ کھولو یاد رکھو سابقہ اقوام کے ہلاک ہونے کی وجہ یہی تھی کہ نبی کی مخالفت سے امت ہلاک ہو جاتی ہے۔ حدیث زیر قلم کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں دو (۲) باتوں کی تعلیم دی گئی ہے :

۱) اتباع رسول ﷺ      ۲) غیر ضروری سوالات و اختلافات کی ممانعت

اطاعت رسول ﷺ کو بیشتر آیات و احادیث میں ہر مسلمان کے لیے فرض عین قرار دیا گیا ہے، غیر ضروری سوالات سے اس لیے منع فرمایا کہ اس سے کچھ بھی کام آغاز ہوتا اور عمل کی اسپرٹ ختم ہو جاتی ہے اور آدمی جھگڑا لو بن جاتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو بنی اسرائیل نے غیر ضروری سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کی عمر کیا ہو؟ رنگ کیسا ہو؟ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ تمیل ارشاد کرتے اور سوالات سے احتراز کرتے۔

(3)

③ عَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلَيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حسن بن علي ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ”میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ بات یاد کی کہ دُعَ مَا يَرِيُّكَ إِلَى مَا لَا يَرِيُّكَ - (رواہ الترمذی و النساء)

جبات تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر اس بات کی طرف مائل ہو جو تجھے شک میں نہ ڈالے (اس کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے)

### مشتبہات سے احترام

شرح مطالب:

جس چیز کے بارے میں اچھی طرح معلوم نہ ہو کہ وہ حلال ہے یا حرام، تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے ”دُعَ مَا يَرِيُّكَ“ دُعَ وَدَعَ یَدَغُ سے فعل امر حاضر صیغہ واحد مذکور مخاطب ہے۔ اس کے معنی ہیں ”تو چھوڑ دے، ترک کر دے“ ”یَرِيُّكَ“ (رباب یَرِيُّبُ رَبِيَا) کے معنی ہیں شک میں بتلا ہونا۔

”إِلَى مَا لَا يَرِيُّكَ“ یعنی ایسی چیزیں اختیار کرو جن میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ واضح، روشن اور صاف راہ پر چلو۔ حلال و حرام چیزوں کی درمیانی راہ مشکوک و شبہات کی راہ ہے، اس سے پچو۔

اس حدیث میں نیکی اور بدی کو پرکھنے کے لیے ایک ایسا معیار مقرر کر دیا گیا ہے جس سے ہر شخص پہچان کر سکتا ہے کہ اس کا کون سا کام اچھا ہے اور کون سا برا۔ شریعت میں حلال و حرام کے احکام واضح ہیں، مگر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے حلال و حرام ہونے کا فیصلہ صادر نہیں کیا گیا، مثلاً تمباکونوشی وغیرہ۔ ایک مقنی آدمی مشکوک چیزوں سے اس لیے پرہیز کرتا ہے مبادا کہ وہ حرام ہوں۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ حرام چیزوں کے ساتھ ساتھ ایسی مباح چیزوں سے بھی احتراز کیا جائے جن میں شبہ کی معمولی گنجائش بھی ہو۔ ایک مرتبہ رسول ﷺ کو راستے میں ایک کھجور پڑی ہوئی ملی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خدا شہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہے، تو میں اسے کھا لیتا۔ (صحیح بخاری)

(4)

۳ ﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کے اسلام

اسلام الْمَرْءَ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْتِيهُ (رواهہ الترمذی وَغَيْرُهُ)

کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اس کا تعلق نہ ہو (اس حدیث کو ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے)

## غیر ضروری باتوں سے احتراز

شرح مطالب:

”ترکہ مala یعنیہ“ مَا (جو کچھ، جو چیز) یعنیہ (یعنی ۵) عنیٰ ماضی یعنیٰ مضارع۔ اس کے معنی ہیں ”سرد کار رکھنا، تعلق رکھنا، اہمیت دینا، اہتمام کرنا، توجہ دینا۔“۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلم کے اچھا مسلمان ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے بے غرض رہے اور اس سے کوئی تعلق نہ رکھے جو بے مقصد ہے اور جس سے اس کا دنیوی مفad وابستہ ہے اور نہ اس سے اُخروی فلاح و بہبود حاصل ہونے کی توقع ہے۔ ایک مسلم میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ بیکار اور بے فائدہ ہے چیزوں سے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ مطلب کی چیزوں سے تعلق رکھے اور غیر متعلق امور سے کنارہ کشی کا شیوه اختیار کرے۔ یہ حدیث اپنے دامن میں بے حد و سمعت اور جامعیت رکھتی ہے۔ اس میں بیکار اقوال و افعال، لغو قوم کی گفتگو، انسانی زندگی بڑی قیمتی چیز ہے وہ اس قدر ارزش نہیں کہ اسے بیکار مشاغل کی نذر کر دیا جائے۔ انسان کا کوئی لمحہ بیکار کاموں میں صرف نہیں ہونا چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے اوقاتِ عزیز کو سینما بنی، تھیٹر، رقص و سرود کی مخلوقوں اور کلبیوں وغیرہ کی نذر کرنا بھی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہے۔

(5)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يوم من حضرت أنس بن مالك رضي الله عنه، رسول كريم صلى الله عليه وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے احده کو حتیٰ یحب لاخینہ ما یحب لنفسہ (مُتَفَوِّعٌ عَلَيْهِ) کوئی شخص اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہوتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری و مسلم)

## ایمان کامل کی پہچان

### شرح مطالب:

”لا یومن احدکم“ یعنی تم میں سے کوئی شخص مؤمن کامل کے مقام پر فائز نہیں ہوتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے اُسی چیز کو پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلامی معاشرے میں توازن قائم رکھنے کے لیے بہت سے احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ خود غرضی معاشرہ کے لیے زہر قاتل ہے، اس لیے مؤمن کامل خود غرض نہیں ہوتا اور دوسروں کے لیے اُسی چیز کو پسند کرتا ہے جو بذاتِ خود اُس کو پسند ہو۔ مطلب برآری اور خود غرضی اسلامی اخوت کے منافی ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے مؤمن کامل کی نشانی یہ بتائی کہ وہ دوسروں کے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو خود اسے مرغوب و محبوب ہو، جو چیز اسے ناپسند ہوا سے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔ ایمان کامل کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات میں فائدہ ہواں میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سچے مؤمن کو کشاور دل ہونا چاہیے۔ فوائد و منافع خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ ان کو اپنی ذات تک محدود رکھنا بخشن ہے اور مؤمن کے لیے بخیل ہونا مناسب نہیں۔

(6)

❷ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيَمْلِأَ خَيْرًا فِي لِيَصْمَتُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيَكِرِّمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيُكِرِّمْ صَبِيفَهُ - (مَتَّفَوْعٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اچھی بات کہیے یا چپ رہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے فلیکرِم جارہ و مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَيُكِرِّمْ صَبِيفَهُ۔ (متَّفَوْعٌ عَلَيْهِ) چاہیے کہ اپنے پڑوی کا اکرام بجالائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر و مدارت کرے (صحیح بخاری و مسلم)

## چند زریں نصارخ

حدیث زیر تبصرہ میں تین (۳) باتوں کی نصیحت کی گئی ہے۔

① خاموشی کی فضیلت:

پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص کامل ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ غیر ضروری اور بیہودہ گفتگو نہ کرے۔ غیر ضروری گفتگو سے خاموشی پر جہا بہتر ہے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان جو کچھ بولتا ہے، فرشتے اس کو اس کے اعمال نامہ میں لکھتے جاتے ہیں، لہذا انسان ہر لفظ کے لیے بارگاہِ ربیانی میں جواب دے ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا يَلْفَظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدِيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (سورۃ ق)

”وہ (انسان) جو لفظ بولتا ہے اس کے پاس ایک محافظ تیار ہوتا ہے۔“

خاموشی سے بعض اوقات انسان کی کمزوری پھپھی رہتی ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عیب و هنر ش نہفته باشد      تا مرد سخن نگفته باشد

### ② اکرام الجار:

دوسری بات یہ ہے کہ ہر مومن اپنے پڑوتوی کی عزت کرے۔ اکرام الجار میں اُس کے ساتھ حسن سلوک، خوش اخلاقی اور ہمدردی سب شامل ہیں۔ پڑوتوی کو ستایانہ جائے۔ اس کے ظلم و تعدی کو برداشت کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھ کو پڑوتوی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ میں نے سوچا کہ پڑوتوی کو وارث قرار دے دیں گے۔ ایک صحابیہ روزہ رکھتی اور رات کو تہجد پڑھتی تھیں مگر اپنے پڑوتوسیوں کو ستایانی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ (مشکلاۃ)

### ③ اکرام الصیف:

اس حدیث میں تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ مہمان کی عزت و افزائی اور خاطردارت کی جائے۔ نبی کریم ﷺ بذاتِ خود مہمان کی خدمت کیا کرتے تھے اور اس کی ناگوار باتوں پر بھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔

حدیث میں ذکر کردہ تینوں باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں لیکن مجلسی آداب اور معاشرتی اخلاق کے اعتبار سے ان تینوں باتوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس شخص کو اپنی زبان پر قابو ہو گا وہ اپنے وقار اور اپنی عزت و شرافت کو محفوظ رکھ سکے گا۔ ہمسائے کی عزت کرنے والے کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اسی طرح مہمان کی خاطرداری کرنے والا لوگوں میں نیک نامی حاصل کرتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

(7)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلاً قال لشَيْءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أوصَنِي قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا "مجھے نصیحت فرمائے" آپ ﷺ نے

لا تغضب فردد مراراً قال لا تغضب (رواه البخاری)

لَا تَغْضِبْ فَرَدَدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضِبْ - (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرمایا "غضنه کر" اس نے کئی مرتبہ یہ سوال دھرا یا۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا "تو غصے نہ ہوا کر"۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

## غضنه کرنے کی تلقین

شرح مطالب: اوصنی (مجھے نصیحت فرمائے) اوصی اوصی یوں صی سے امر حاضر ہے۔

ردِ اُس نے لوٹایا، دھرا یا۔ مراراً (کئی بار، کئی مرتبہ) اس کا واحد مرّہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور ﷺ مجھے نصیحت فرمائے۔ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا "لَا تَغْضِبْ" (غضنه نہ ہوا کر) سائل نے پھر اپنا سوال دھرا یا، اس کا خیال تھا کہ شاید آنحضرت ﷺ اس نصیحت میں کچھ اضافہ فرمائیں گے، مگر خلافِ توقع آپ ﷺ نے پھر وہی الفاظ دھرا یا۔ اس نے کئی مرتبہ اپنا سوال دھرا یا مگر آپ ﷺ ہر بار وہی جواب دیتے تھے غالباً سائل غضبناک مزاج کا حامل تھا اس لیے آپ ﷺ نے بار بار اس سے یہی نصیحت فرمائی۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی رحم و کرم اور عفو و درگذر کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں تک کو معاف فرمایا۔ کفار مکہ نے ظلم و ستم کا کوئی دیقتہ اٹھانہیں رکھا تھا۔ ہر مرحلہ پر آپ ﷺ کو ستایا اور دکھ پہنچایا مگر جب آپ ﷺ فاتحانہ شان و شوکت سے مکہ میں داخل ہوئے تو اعلان فرمایا: "لَا تَشْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" (آج تم پر کوئی عتاب نہیں)

خلاصہ یہ ہے کہ بے شمار آیات و احادیث میں غصے کو دبانے اور فروکرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تقویٰ اور حسن اخلاق

شرح مطالب:

”اتق اللہ“ (اللہ سے ڈر) اتک فعل امر حاضر صیغہ واحد نمذکر مخاطب - ازِ اتّقیٰ یئنّقیٰ اتّقاءً (ڈرنا) اس کا مادہ ہے۔ تقویٰ ایک جامع لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں شرعی احکام کی اطاعت اور حرام اشیاء سے احتراز۔ حیثُما (جہاں کہیں، جس جگہ) اس میں مازاںد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو جہاں بھی ہو۔ خلوت میں یا جلوت میں اور جس حالت میں ہو خواہ سختی ہو مانزمی میں۔

اتَّبِعْ (پیچھے کر)، الْمَسِيَّةُ (برائی) اس کی جمع سَيِّئَاتُ ہے، الْحَسَنَةُ (نیکی) اس کی جمع حَسَنَاتُ ہے۔  
تَمْحُهَا (وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی) مَحَا يَمْحُ مَحْوًا (مٹانا) خالق (پیش آ، اچھا برتاؤ کر)  
اس حدیث میں تین (۳) باتوں کی تلقین کی گئی ہے:

١ تقویٰ:

یہ حدیث اسلام کے ابتدائی دور کی ہے جب کہ معظمه میں مسلمانوں کے لیے جینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) مکہ معظمه میں اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق جب

گھر جانے لگے تو آپ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ جہاں کہیں رہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو اور لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس حدیث میں تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ تقویٰ ایک ایسا جامع وصف ہے کہ اس میں تمام اعمال صالحہ کا ذوق و شوق اور برے کاموں سے احتراز و اجتناب شامل ہے۔ تقویٰ ایک ممتاز زندگی اختیار کرنے کا مقاضی ہے۔ متفقی انسان پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور کوئی ایسا کام انجام نہیں دیتا جس میں حرمت تو الگ رہی، کراہت کا شانہ بھی موجود ہو۔

### ② توبہ:

دوسری بات یہ فرمائی کہ اگر برائی سرزد ہو جائے تو پھر اس سے توبہ کر کے نیک عمل کرو۔ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد انسان کے دل میں ندامت کا جو جذبہ اُبھرتا ہے اسے توبہ کہتے ہیں۔ توبہ کے لفظی معنی ”لوٹنے کے ہیں“۔ گویا بندہ گناہ کا مرٹکب ہو کر پھر بارگاہ ربانيٰ کی جانب لوٹتا ہے۔ توبہ گناہوں کو زائل کرنے، دل کی سیاہی دھونے اور دل کو نورِ ایمان سے روشن کرنے کا زبردست وسیلہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا یوں ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہ ہو۔

### ③ حسن اخلاق:

تیسرا بات یہ فرمائی کہ اخلاق حسنہ کا شیوه اختیار کرو۔ حسن اخلاق انہیاء علیہم السلام کی صفت ہے۔ بنی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ((بُعِثْتُ لَا تَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)) ”مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبouth کیا ہے کہ میں دُنیا میں اخلاق حسنہ کو مکمل کر دوں“۔ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کی مدح کے سلسلے میں فرمایا گیا:

﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

”آپ ﷺ خلق عظیم کے مالک ہیں“ (القلم: 4)

(9)

**❾ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَقِبَةَ بْنِ عَمْرٍ وَإِلَّا نَصَارَى الْبَدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ**

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو النصاری بدرا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ  
**قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا آذَرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُرَةِ**  
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے جو چیزیں حاصل کی ہیں ان میں سے ایک یہ  
**الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ** - (رواہ البخاری)   
 ہے جب تو شرم محسوس نہ کرے تو جو تیرا جی چاہے کر (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

### شرم و حیاء

شرح مطالب:

”مِمَّا = مِنْ + مَا (میں سے)“ ”آذَرَكَ“ (پایا) باب افعال سے ماضی معروف۔ ”لَمْ تَسْتَحِ“ (تو حیا  
 نہ کرے، شرم محسوس نہ کرے) ”فَاصْنَعْ“ (پس تو کر)۔

اس حدیث میں حیاء کی تلقین کی گئی ہے۔ حیاء ایسے جذبے کو کہتے ہیں جو دل کے اس احساس سے کروٹ  
 لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان نیک کاموں کی جانب  
 راغب ہوتا اور برے کاموں سے نفرت کرتا ہے۔ حیاء کے جامع اور ہمہ گیر فوائد کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا  
 کہ حیاء کا حکم سابقہ شریعتوں میں موجود تھا ہر شریعت میں اس پر بڑا ذور دیا گیا تھا۔ حیاء انسان کو مجبور کرتی ہے کہ  
 وہ دین و اخلاق کی سب پابندیوں کو قبول کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تہذیب و شرافت اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان حیاء دار بن جائے  
 شرم و حیاء برائیوں سے روکی ہے بے حیاء اور بے شرم آدمی معاشرے میں کسی قانونی بندش کو تعلیم نہیں کرتا۔ اسی  
 لیے فرمایا کہ بے حیائی سے اجتناب کرنا چاہیے تا کہ معاشرے میں بگاڑ اور فساد پیدا نہ ہو۔ حیاء کو اخلاق میں  
 بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی لیے حضور ﷺ نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا۔ جب انسان میں شرم و حیاء کا جذبہ  
 باقی نہ رہے تو اس سے کسی نیکی اور بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔

(10)

١٠ عَنْ سُفِيَّانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ

حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی قوْلًا لَا أَسْكُلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرِكَ قَالَ قُلْ أَمْنِتُ بِاللَّهِ تُشَاءُ اسْتَقْتَمْ - (دواہ مسلم)

(جامع) بات بتائیے کہ پھر میں اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھوں آپ نے فرمایا کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ڈٹ جا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا

### استقامت و ثبات

### شرح مطالب:

حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دین اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ اسلام کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد کسی دوسرے شخص کی تشریح و توضیح کی ضرورت ہی نہ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، پھر اسی ایمان باللہ پر جھے رہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مختصر الفاظ میں اسلام کی حقیقت واضح کر دی۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان باللہ اسلام کی ابتداء بھی ہے، انہتا بھی۔ یہی پہلی منزل ہے اور یہی آخری منزل۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آخری دن پر ایمان۔ یہ سب ایمان باللہ ہی کی شاخیں ہیں۔ ایمان باللہ ہی تقویٰ کی اصل و اساس ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کے بغیر اعمال صالحہ کا تصور بھی ممکن نہیں، اسی لیے حدیث زیر تصریح میں فرمایا: ”تم کہو کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہ۔“

جس قدر ایمان پختہ ہوگا اسی قدر اعمال کی عمارت مضبوط ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دُنیا کی کوئی قوت اس کو متنزل نہیں کر سکے گی۔ ایسا شخص تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انعام دیتا ہے۔ وہ دُنیا کی ہر طاقت سے مکرانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایمان لانے کے بعد اس عقیدے پر ایک مومن کو اس طرح ڈٹ جانا چاہیے کہ کوئی لاٹھ یا خوف اسے اس راہ سے بر گشته نہ کر سکے۔ دُنیا بدل جائے گروہ اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ایسے مضبوط ایمان کی مثالیں صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیوں میں مل سکتی ہیں۔

(11)

عن جابر بن عبد الله الا نصارى رضي الله عنهمما آت رجلاً سأله رسول الله  
 حضرت جابر بن عبد الله الانصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَاحْلَلْتُ الْحَلَالَ  
 کہ آپ ﷺ فرمائیے آپ ﷺ کی کیا رائے ہے اگر میں فرض نمازیں پڑھوں، ماہ رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال جانوں اور  
 وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ أَرْزُدْ عَلَى ذَلِكَ شَيْئًا أَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَالَ نَعَمْ (رواه مسلم)  
 حرام کو حرام سمجھوں اور اس پر کچھ اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

## ارکانِ دین کی پابندی

### شرح مطالب:

ایک شخص نے سرویر کائنات ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں فرض نمازیں ادا کروں۔ ماہ رمضان کے روزے رکھوں، حلال اشیاء کو حلال سمجھتے ہوئے ان پر عمل پیرا رہوں اور حرام اشیاء کو حرام سمجھتے ہوئے ان سے بچتا رہوں اور اس پر کسی چیز کا اضافہ نہ کروں۔ کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ آپ جنت میں جائیں گے۔

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ عوام و خواص سب کو چاہیے کہ دینی فرائض اور ارکانِ مثلاً نماز، روزہ کو بجالائیں، احکام الہی کی تعمیل کا جذبہ پیدا کریں۔ سائل کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے دین کے بنیادی امور کو بیان کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ جب اسلام اس کے قلب و ذہن میں راست ہو جائے گا تو خود بخود اس کی طبیعت نفیی عبادات کی طرف مائل ہو جائے گی۔

(12)

۱۲) عَنْ خَالِدِ بْنِ عَمْرُو الْقَرَشِيِّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَ رَجُلًا فَقَالَ : إِذْهُدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبِّكَ اللَّهُ وَإِذْهُدْ فِيمَا أَيْدِي

خالد بن عمرو القرشي سے روایت ہے، انہوں نے ابی حازم سے سہل سے روایت سنی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تو دنیا سے بے رغبت اختیار کر، اللہ تھجھ دوست رکھے گا اور جو چیز لوگوں کے پاس ہواں سے بھی بے رغبت اختیار کرو تو لوگ **النَّاسِتِ يُحِبِّكَ النَّاسُ**۔ (رواہ ابن ماجہ)

تمیرے ساتھ پیار کریں گے، (اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

### زہد کی فضیلت

### شرح مطالب:

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی چاہنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے دل نہ لگائیں۔ جو شخص چاہے کہ لوگ اُس کی دوستی اور محبت کے طلب گار ہوں تو اسے چاہیے کہ لوگوں کے مال و دولت سے بے نیازی اور بے رغبت کا شیوه اختیار کرے۔ کسی چیز سے نفرت و تحقارت اختیار کرتے ہوئے رُوگرداںی اور اعراض کرنا زہد ہے۔ حلال کو حرام ٹھہرانے کا نام زہد نہیں۔

حضور اکرم ﷺ سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ زہد کوں شخص ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو قبر اور اس کے امتحان کونہ بھولا، جس نے دنیا کی زینت کو ترک کیا، جس نے باقی کوفانی پر ترجیح دی، جس نے آنے والے کل کو اپنی زندگی میں شمارنہ کیا اور اپنے آپ کو فوت شدگان میں شمار کیا۔ (شرح ربعین ابن حجر) شخص دنیا سے دل لگا لے وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اس لیے دنیا کی زیب وزینت میں دل کو نہیں الجھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ رہے گی تو وہ بھی تم سے پیار کرے گا۔ تم اگر بندوں میں محبوب ہونا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ جھگڑا نہ کرو۔ بہار عالم کی رعنائی اور دلفربی انسان کے دامن دل کو تھام کر اسے منزلِ حقیقت سے روکنا چاہتی ہے۔ جن کا دل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو۔ وہ دامن چھڑا کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ وہ دنیا کے سامانوں سے فقط ضرورت بھر کام لیتے ہیں اور ان کی زیگزگی پر فریفہ نہیں ہوتے۔ یہی زہد ہے جس کا حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے۔

(13)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو ضرر دینا (اسلام میں) لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ - (حدیث حسن رواه ابُن ماجہ)

روانہیں) اور نہ (انتقام کے طور پر) ضرر پہنچانے کی اجازت ہے (یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

### ضرر رسانی کی ممانعت

شرح مطالب :

”لَا ضَرَرَ“، کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں۔ ”لَا ضِرَارَ“، یعنی اگر کسی نے نقصان پہنچایا ہو تو بھی اسے نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ درگذرا و عفو سے کام لیا جائے۔

اس حدیث میں ہادی اکبر ﷺ نے معاشرتی زندگی کا یہ اصول سکھایا کہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے کسی شخص کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے اور اگر اس نے ظلم و تعدی سے کام لیا ہو تو اس کا انتقام نہ لیا جائے بلکہ عفو و درگذر سے کام لے کر اس کی خطا معاف کر دی جائے کم از کم اتنی ہی زیادتی کی جائے جتنی کہ اس نے کی اور اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ حدیث معاشرتی زندگی کا اصل الاصول ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو بہت سے معاشرتی مسائل از خود حل ہو جاتے ہیں۔

(14)

عَنْ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو یُعْطِي النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَا دَعْمٌ رِجَالٌ أَمْوَالٌ قَوْمٌ وَ دِمَاءٌ هُمْ لَكِنْ

محض دعوی کرنے پر سب کچھ دلا دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے مال اور خون کا دعوی کریں گے لیکن ثبوت البُيْنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيِّ وَ الْمَيْمَنُ عَلَى مَنْ انْكَرَ - (رواہ البیهقی)

مدعی پر ہے اور تم اس پر جو انکار کرے۔ (اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے )

## اثباتِ دعویٰ

شرح مطالب:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معاشرتی زندگی کا ایک اہم اصول بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر نجی یا قاضی صرف دعویٰ کی بناء پر مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کر دے تو بہت لوگ بلا جہہ مال اور خون کے دعاویٰ دائر کر دیں گے، مگر بات یہ ہے کہ دلیل و بہان کے بغیر کسی کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے اثبات میں گواہ پیش کرے گا، اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ اس بات کی تصدیق کرے کہ مدعی کا دعویٰ صحیح ہے۔ اگر مدعی ثبوت پیش نہ کر سکے اور مدعی علیہ اس کی تصدیق بھی نہ کرتا ہو تو مدعی علیہ حلف اٹھا کر مدعی کے دعویٰ کو باطل کر دے گا۔ علمائے سلف و خلف سب اسی کے قائل ہیں۔ یہ حدیث باہمی نزاعات کو چکانے کے لیے اصل و اساس اور ایک بنیادی قاعدے کی حیثیت رکھتی ہے۔ (سلال السلام ج ۲، ص 132)

دیگر نظامہ مہارے زندگی کی طرح اسلام کا نظام عدالت بھی ہر لحاظ سے کامل و اکمل اور قرین عدل و انصاف ہے اسلام کے نظام عدالت میں شاہ و گدا، رنگ و نسل، حسب و نسب، قوم و قبیلہ، مرد و عورت، آزاد اور غلام کے درمیان کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا۔ قانون کی نگاہ میں سب مساوی ہیں۔ عدالتی معاملات میں شرعی ضوابط و قواعد کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ ضابطہ بیان فرمایا کہ مدعی اپنے دعویٰ کے اثبات میں گواہ پیش کرے۔ گواہوں کو حکم دیا گیا ہے گواہی دیتے وقت خدا کی رضا جوئی کا خیال رکھیں۔ ذاتی مفاد، امیر کا ڈر، غریب سے ہمدردی چی گواہی میں حاصل نہ ہوں۔

(۱۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سن

يَقُولُ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغِيرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يُسْتَطِعْ فَلْيَسْأَلْهُ فَإِنْ لَمْ

کرم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے، اور اگر اس بات کی طاقت حداکھتا ہو تو اپنی زبان سے روک دے۔ اور

يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَالِكَ أَضَعْفُ الْإِيمَانِ (رواه مسلم)

اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل میں برا جانے اور وہ کمزور ترین ایمان ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے

## امر بالمعروف و نهى عن المنكر

### شرح مطالب:

”معروف“ ہر اس بات کو کہتے ہیں جو لوگوں میں جانی پہچانی ہو اور لوگ اسے دیکھ کر براہ مانیں۔ اور ”منگر“ معروف کی ضد ہے، یعنی وہ بات جو شریعت میں وارد نہ ہوئی ہو اور اسی لیے غیر مانوس اور اخوبی ہو۔ منکر اس شخص یا چیز کو کہتے ہیں جو پہچانی نہ گئی ہو۔

سرورِ کائنات ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کوئی برا کام ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکے، اس کام کی برائی واضح کرے اور برا بھلا کہے تاکہ وہ اس کام سے باز رہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے دل سے بر اتصور کرے۔ نفرت و تھارت کی نگاہ سے دیکھے اور دل میں یہ عہد باندھے کہ جب بھی قدرت حاصل ہوگی اسے دست وزبان سے اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔ فرمایا یہ تیسری بات کمزور ترین ایمان کی علامت ہے۔ سابقہ دونوں درجات اس سے افضل ہیں۔ اگر بری چیزوں کی برائی کا احساس بھی دل سے نکل جائے تو ایسے شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنا چاہیے۔

١٦) عَنْ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَحْاوِزَ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری لیٰ عنْ أُمَّتِي الْخَطَاةِ وَالنِّسَيَانَ وَمَا اسْتُكِرْ هُوَا عَلَيْهِ۔ (رواہ ابن ماجہ)  
امت کی غلطیاں اور بھول چوک اور وہ (گناہ) جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو ، معاف کر دیئے ۔ (ابن ماجہ)

## بھول چوک اور جبر و اکراہ کی معافی

شرح مطالب :

”تجاور“، معاف کیا، دُور کیا۔

”الخطاء“: خطاء کی ضد عمد ہے۔ غیر ارادی طور پر کام کرنے کو خطأ کہتے ہیں۔ مثلاً شکار پر گولی چلانی اور کسی آدمی کو لگ گئی۔

”النسیان“: بھول کر غیر ارادی طور پر کوئی کام کرنا، مثلاً روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لینا۔

”ما استُكِرْ هُوَا عَلَيْهِ“: (جس پر ان کو مجبور کیا جائے) مثلاً کوئی شخص سر پر تلوار لیے کھڑا ہو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کرے تو یہ شخص کافرنہ ہو گا۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصی کا ذکر فرمایا کہ خالق کائنات نے آنحضرت ﷺ کی خاطر مسلمانوں کی معمولی غلطیاں، بھول چوک اور ایسے گناہ جو کسی کے مجبور کرنے سے سرزد ہوں، وہ معاف کر دیے۔ البتہ شرعی اركان و فرائض سے غفلت شرعی احکام کی کھلی مخالفت اور کبیرہ گناہ اس میں شامل نہیں۔ اگر کسی کے مجبور کرنے سے گناہ کا کوئی کام کیا جائے تو پھر بھی دل میں بھر پر ایمان ہونا چاہیے۔  
زبان سے کچھ کہے مگر دل مطمئن ہو۔

(17)

عَنْ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي  
 حضرت ابن عمر رضي الله عنهما روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نادى ميراثه كفر بما يرى  
 فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَائِنَكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرٌ سَيِّلٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ  
 دُنْيَا میں یوں رہ گویا کہ تو پردیسی ہے یا راہ چلنے والا ہے۔ (صحیح بخاری)  
**دُنْيَا سے اعراض**

### شرح مطالب:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دُنْيَا میں ایک اجنبی اور پردیسی کی زندگی بسر کر بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس شخص کا اندازِ حیات اختیار کر جو چلتے چلتے کسی راستے سے گزر جاتا ہے۔ پردیسی یا اجنبی تو پھر بھی کہیں ٹھکانا کر لیتا ہے لیکن راگیر کے پیش نظر راستے طے کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس پر صرف یہ دُھن سوار ہوتی ہے کہ سفر طے کر کے جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اسی طرح دین اسلام کی راہ کے سالک کو چاہیے کہ اپنے کام سے کام رکھے اور اُخروی فلاح و بہبود کے نصب العین کو کسی وقت نظر سے اُوجھل نہ ہونے دے۔ اگر وہ دنیوی ساز و سامان میں اُلچھ گیا تو منزل کا پانا و شوار ہو جائے گا۔ ایک مومن کا نظریہ حیات یہی ہے کہ دُنْيَا پردیس ہے۔ یہ جی لگانے کی جگہ نہیں دھیان اصلی وطن یعنی جنت اور آخرت کی طرف ہونا چاہیے۔ یہاں محنت و مشقت یعنی عبادت اور احکام الٰہی کی اطاعت مقصود نہیں۔

یہ مطلب بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ دُنْيَا ایک راستہ ہے جس پر وہ ایک راگیر کی طرح چلا جا رہا ہے۔ اس کے سامنے راستے کی کوئی دلفربی باعث کشش نہیں ہو سکی۔ اس کی نظر منزل مقصود پر ہے۔ حدیث میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ ضرورت سے زائد سامان جمع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ جس طرح مسافر اپنے ساتھ صرف زادِ راہ لیتا ہے۔ اسی طرح مومن کو چاہیے کہ دُنْيَا سے آخرت کو جاتے ہوئے اپنے ساتھ ضروری اور ناگزیر ساز و سامان رکھے۔ انسان کا اصلی وطن یہ دُنْيَا ہے فانی نہیں بلکہ آخرت ہے۔ اس دُنْيَا سے اس طرح گذر جانا چاہیے جس طرح مسافر راستے سے گذر جاتا ہے۔

(18)

١٨) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرُو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جَئْتُ بِهِ

حضرت عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهمَا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو۔

### اطاعتِ رسول ﷺ

شرح مطالب:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک دائرة ایمان و اسلام میں داخل نہیں ہوتا جب تک خلوصِ دل سے کسی کے خوف کے بغیر اس دین کو تعلیم نہ کرے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ یہ مطلب بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اس کے جذبات و احساسات ان شرعی احکام کے تابع نہ ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوں۔ اگر دل سے وہ ان احکام کو چاہتا ہو تو ان کو دین سمجھ کر ان کی اطاعت کرے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اسے پسند ہیں اور اگر دل سے وہ ان احکام کو پسند نہیں کرتا تو اپنے جذبات کو قابو میں رکھے تب وہ مومن کامل ہو گا۔ (مرقات ملا علی قاری)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص اپنی نفسانی خواہشات اور جذبات و احساسات کو اس شریعت کے تابع نہ کر دے جو میں لے کر مبجع ہوں تو وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث نبوی ﷺ دین میں جُجت ہے اور اس کے بغیر دین اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

(19)

۱۹ ﴿عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِلُمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَكِيدُهُ مَسْلَانٌ وَهُوَ جُسُكٌ كَهَاتِحٍ أَوْ زَبَانٌ سَلَامٌ رِيبٌ أَوْ (أَصْلِي) وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ - (رَوَاهُ التَّبَخَارِيُّ)

حضرت عبد الله بن عمرو رضي الله عنه روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِلُمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَكِيدُهُ  
 (چا) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں اور (صلی)  
 وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ - (رَوَاهُ التَّبَخَارِيُّ)  
 مہاجر وہ ہے جو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری)

### سچ مسلمان اور مہاجر کی پہچان

شرح مطالب:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ سچ مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو ایذا نہ پہنچ۔ اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ اس لیے سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔ کسی کو بلا وجہ تکلیف نہ دے۔ اسی طرح تارک وطن کو مہاجر کہتے ہیں لیکن اصلی مہاجر وہ ہے جو منوع اور حرام اشیاء کو چھوڑ دے مہاجر کا لفظ هجر سے لکھا ہے جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں۔ تو گویا شرعی ممنوعات کو چھوڑ دینے والا اصلی مہاجر ہے۔

(20)

۲۰ ﴿وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ مُؤْمِنٌ هُوَ مَنْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ - (مُتَفَقُ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضي الله عنه سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدی اَحَدُ كُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ مُؤْمِن نہیں ہو سکتا جب تک ان کے دل میں میری محبت ماں باپ ، اولاد اور تمام وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ - (مُتَفَقُ عَلَيْهِ)

لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

## حب رسول علامتِ ایمان ہے

شرح مطالب:

اس حدیث میں سچے مومن کی علامت یہ بیان فرمائی کہ اپنے والدین، اولاد اور عزیز واقارب کی نسبت سب سے زیادہ محبت اسے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتی ہے۔ فطری محبت سے شریعت نے منع نہیں فرمایا۔ جیسے ماں، باپ، بہن بھائیوں اور اولاد کی محبت یہ سب جائز ہیں۔ بشرطیکہ ان کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی نہ ہو۔ اگر اقارب کی محبت میں رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کرے تو ایمان سلامت نہیں رہے گا۔ رسول کریم ﷺ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کرے۔ ان کی اطاعت میں اگر کچھ نقصان ہو یا تکلیف بھی پہنچے تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔

## خود آزمائی نمبر 2

- 1 اسلام کی بنیاد کن پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے؟
- 2 ایمان کامل کی پہچان کیا ہے؟ مثالیں دے کر واضح کریں۔
- 3 اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ کیا آپ اپنی روزمرہ زندگی میں اس پر عمل کرتے ہیں۔ جواب کی وضاحت کے لیے کم از کم دو واقعات ذکر کریں۔
- 4 ضرر سے ممانعت والی حدیث کا اردو ترجمہ کیجئے۔
- 5 نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت، ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو“۔ اس حدیث پر تبصرہ کیجئے۔

- 6 مهاجر کون ہے؟ حدیث رسول کی روشنی میں وضاحت کریں۔
- 7 اجنبی اور مسافر کی طرح زندگی گزارنے کا کیا مفہوم ہے؟
- 8 جرم اور برائی کرنے والے آدمی کو دیکھ کر کیا کرنا چاہیے؟ حدیث رسول کی روشنی میں وضاحت کریں۔
- 9 زهد کا کیا مفہوم ہے؟ حدیث کی روشنی میں زهد کا شمر بیان کریں۔
- 10 سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں سے شرم و حیاء کو بڑا مقام حاصل ہے۔ حدیث رسول کی روشنی میں شرم و حیاء کی فضیلت بیان کریں۔
- 11 اچھائی برائی کو بہا کر لے جاتی ہے کس طرح، وضاحت کریں۔
- 12 آدمی کے اسلام کی بہترین خوبی کیا ہے؟ حدیث رسول کی روشنی میں تحریر کریں۔

پونٹ نمبر ③

# دین اسلام ①

## (توحید)

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

## فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
○	پونٹ کا تعارف	60
○	پونٹ کے مقاصد	60
-1	دین اسلام	61
1.1	اسلام کے معنی	61
1.2	عقیدے اور ایمان کے معنی	63
1.3	دین اسلام کی اہمیت	64
1.4	سورۃ الفرقان - آخری رکوع مع مفہوم	65
1.5	دین اسلام کی تعلیمات کا تاریخی پس منظر	69
1.6	ایمانیات کی اہمیت	71
1.7	خود آزمائی	72
-2	توحید	75
2.1	توحید کے لفظی اور اصطلاحی معنی	75
2.2	شُرک کے لفظی اور اصطلاحی معنی	75

76	توحید اور شرک کا تعلق	2.3
77	اللہ کے معنی	2.4
78	اللہ کا مطلب	2.5
79	اسماء اللہ الحسنی	2.6
81	توحید کی اہمیت	2.7
83	شرک کی مختلف صورتیں	2.8
86	عقیدہ توحید کے تقاضے	2.9
87	عقیدہ توحید کی برکات	2.10
87	مذاہب عالم پر اسلام کے عقیدہ توحید کے اثرات	2.11
88	خود آزمائی نمبر 2	2.12

## لپٹ کا تعارف

دین کی بنیاد عقیدہ یا ایمان ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کا اصل سرچشمہ اور منجع کتاب اور سنت ہے۔ اس کے لیے دوسرا عام فہم لفظ قرآن اور حدیث ہے۔ کتاب اور سنت پر مشتمل پہلے دو (2) لپٹ آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔

سب لپٹوں میں ہربات کتاب اور سنت کے حوالے سے اور ان کے مطابق بیان ہوگی، اس لیے کہ دین اسلام میں اصل بنیاد اور جلت (Authority) صرف کتاب و سنت ہی ہے۔

## لپٹ کے مقاصد

اس لپٹ کے مقاصد یہ ہیں کہ آپ اسے پڑھنے کے بعد

-1 دو (2) بنیادی لفظوں ”دین“ اور ”اسلام“ کے لفظی اور اصطلاحی معنوں سے واقف

ہو سکیں۔

-2 دین میں عقیدے اور ایمان کی اہمیت کو جان سکیں۔

-3 اسلام کے بنیادی عقیدے۔ توحید کو صحیح اور واضح طور پر سمجھ سکیں۔

## 1- دین اسلام

ہم مسلمانوں کے دین کا نام اسلام ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات پر بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان دو الفاظ اور اسلام کے بنیادی لفظی اور اصطلاحی معنی اور مطلب سے آگاہ ہو لیں۔ اتنی سی بات بھی بڑی حد تک آپ کی سوچ اور فکر کا صحیح راستہ متعین کر دے گی۔

### 1.1 دین کے معنی

لفظ ”دین“ عربی زبان کے جس فعل سے نکلا ہے۔ اس کے چار(4) لفظی معانی ہیں۔

① بدلہ دینا، محاسبہ کرنا۔

② حکم چلانا، مالک اور متصرف ہونا۔

③ حکم ماننا، اطاعت کرنا اور فیصلہ قبول کرنا۔

④ مذہب یا مسلک بنالینا، طریقہ اختیار کرنا (نظری یا عملی) دستور اور ضابطہ بنالینا۔

ان میں سے پہلے تین ③ معانی، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے، ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ دین میں دو(2) ایسے فریقین یا طرفین کے تعلق کا مفہوم موجود ہے، جن میں سے ایک دوسرے کے تابع فرمان ہوتا ہے۔ ﴿لِلّهِ الْدِّيْنُ﴾<sup>1</sup> ”دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔“ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

① حکم دینے کا حق صرف اللہ کو ہے۔      ② حکم صرف اللہ کا مانا چاہیے۔

ان معنوں سے ہی ”دین“ کا چوتھا معنی پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ حکم چلانے یا فیصلہ کرنے اور حکم بجالانے یا فیصلہ ماننے کی وضاحت کسی دستور، ضابطے اور قانون سے ہوگی۔

1 یہ قرآن کریم کی ایک آیت کا حصہ ہے۔ (الزمر: 3) پوری عبارت یوں ہے:

﴿إِلَّا لِلّهِ الْدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ ”دیکھو خالص اطاعت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔“

دین کے ان سب معنوں میں مشترک خصوصیت ”لازمی ہوتا“ ہے۔

(ا) وہ حکم ماننا لازمی ہے۔

(ب) وہ جس پر حکم ماننا لازمی ہے۔

(ج) وہ حکم جسے ماننا لازمی ہے۔

لفظ ”دین“ کے تمام معنوں، مثلاً ”حکم، بدله، فیصلہ، جزا، ضابطہ، قانون، دستور، مذہب، مسلک اور طریقہ“ تمام الفاظ میں ”لازمی“ کا معنی موجود ہے۔

قرآن کریم میں لفظ دین (92) جگہ آیا ہے اور زیادہ تر دستورِ زندگی یا ضابطہ حیات کے معنوں میں ہی آیا ہے۔ یعنی ان معنوں میں جن کے لیے اصطلاح کے طور پر اردو میں ”مذہب“، انگریزی میں (Religion) اور ہندی میں ”دھرم“ یا ”مُت“ کے الفاظ مستعمل ہیں۔

یوں تو ”مذہب“ بھی عربی لفظ ہے مگر اس کے معنی صرف ”جانے کا راستہ“ ہیں۔ یہ لفظ اپنے معنوں میں لفظ ”دین“ کی سی وسعت نہیں رکھتا اور نہ یہ لفظ ”مذہب“ قرآن کریم میں کہیں استعمال ہوا ہے۔ اردو میں اب یہ لفظ ”مذہب“ اپنے اصل عربی معنی کے بجائے ”دین“ کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے، بلکہ ہر لحاظ سے اس کا مترادف بن گیا ہے۔ اس لیے کم از کم اردو میں ”دین اسلام“ یا ”مذہب اسلام“ دونوں طرح کہنا درست ہے۔ پھر بھی مذہب کی جگہ ”دین“ کا لفظ اختیار کرنا بہتر ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں یہی لفظ آیا ہے۔ یہی بات انگریزی، ہندی یا دنیا کی کسی بھی زبان کے ایسے لفظ کی بابت درست ہو گی جو ”مذہب“ کے معنی رکھتا ہو۔ لفظ ”دین“ ان سب سے جامع اور وسیع لفظ ہے۔ لہذا اردو میں بھی مذہب کی بجائے ”دین“ کے لفظ کو رواج دینا

چاہیے۔ ۱

۱۔ اسلامی اصطلاح کے طور پر مذہب فرقے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ ”فرقة“ میں سے الگ الگ ہونے اور پھوٹ پڑ جانے کی باؤتی ہے۔ اس لیے ہم اس کتاب میں ان معنوں کے لیے ”اسلامی فرقے“ کی بجائے ہر جگہ ”اسلامی مذاہب“ کا لفظ استعمال کریں گے۔

## 1.2 اسلام کے معنی

اب آئیے ذرا ”دین اسلام“ کے دوسرے لفظ ”اسلام“ کے معنی سمجھیے:

1-2.1 لفظ ”اسلام“ کے عربی میں تین بنیادی لغوی معنی ہیں:

(ا) آفتون وغیرہ سے محفوظ ہونا، سلامتی پانا۔

(ب) صلح کرنا، امن و امان پانا۔

(ج) حکم بجالانا، فرماں برداری اختیار کرنا، سرتسلیم خم کر دینا۔

”دین“ کی طرح لفظ ”اسلام“ کے لغوی معنوں سے بھی ذہن میں یہ بات خود بخود آتی ہے کہ اس لفظ کے ساتھ ایک ایسی زبردست قدرت اور طاقت والی ہستی کا تصور لازمی ہے، جس کا حکم دل و جان سے مان لینا امن و سلامتی کی ضمانت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ”اسلام“، اکثر اللہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اس طرح اس کا مطلب ہوگا ”اللہ تعالیٰ کے آگے اطاعت کے لیے سرجھ کا دینا اور اس کا حکم بے چوں و چرا بجالانا۔“ یہی معنی اب اگر اس کے ساتھ اسم جلالت (اللہ) استعمال نہ بھی ہوتی بھی صرف لفظ ”اسلام“ سے مطلقاً اطاعت کے لیے سرجھ کا دینا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے آگے سرجھ کا دینا ہی مراد لیا جائے گا۔

1-2.2 لفظ ”اسلام“، قرآن کریم میں (6) جگہ استعمال ہوا ہے اور اس سے مشتق (نکنے والے) اسماء اور افعال بکثرت آئے ہیں۔ مثلاً لفظ ﴿مُسْلِم﴾ کے معنی ہوں گے ”اللہ کے قانون یا حکم کی مکمل فرماں برداری اختیار کرنے والا“ یا ”دین اسلام کا پیرو“۔ لفظ ”مسلمان“ دراصل اسی ”مُسْلِم“ کا دوسرا تلفظ ہے۔

اب ذرا دونوں الفاظ ”دین اسلام“ کو ملا کر پڑھیے تو اس کے لفظی معنی بنیں گے ”اللہ تعالیٰ کی بے چوں و چرا فرماں برداری اختیار کرنے کا طریقہ یا مذہب“، اس طرح ہمارے دین کے نام سے ہی امن و صلح، حفاظت اور سلامتی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور وابستہ ہے۔ دنیا کے کسی مذہب کے نام میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

دوسرے مذاہب اپنے بانیوں کے نام، لقب، قوم یا علاقے وغیرہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کسی مذہب کے نام سے اس مذہب کی غرض و غایت یا اس کے احکام اور پروگرام یا اس کی کسی نظریاتی خصوصیات کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا۔

یہ صرف ہمارے ہی دین کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کے نام میں ہی اس کے مقصد اور اس کے پیغام کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

### 1.3 عقیدے اور ایمان کے معنی

اب تک ہم نے زیادہ تر ”دین“ اور ”اسلام“ کے لفظی معنوں پر ہی بات کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- (ا) ”دین“ کے لفظی معنوں میں ہی ایک ایسی برتر اور قادر ہستی کا تصور موجود ہے جو بے بس نہیں بلکہ اس کا حکم چلتا ہے، جو دانا اور عادل بھی ہے اور اپنے احکام کی تعمیل کے بارے میں محاسبہ بھی کرتی ہے۔
- (ب) ”اسی طرح ”اسلام“ کے لفظی معنوں میں ہی اس برتر ہستی کی فرمان روائی کے آگے سرتسلیم خم کرنے اور اس کے تمام احکام بے چوں و چرا بجالانے کا تصور پایا جاتا ہے۔

اسلام میں اس ”بزرگ و برتر ہستی“ کا نام ”اللہ“ ہے۔ ”تصور“ کی بجائے ہم ”عقیدے“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کیونکہ ”تصور“ مخصوص ایک سوچ کا مفہوم ہے۔ جب کہ عقیدے میں ”یقین“ کی ایسی پیشگوئی کا مفہوم موجود ہے۔ جو آدمی کے دل و دماغ پر مسلط ہو کر اس کے تمام اعمال میں سراہیت کر جائے۔

1.3-1 عقیدے کا معنی: ”عقیدے“ کا لفظ ”عقد“ سے لکلا ہے، جس کے معنی ہیں ”مضبوط گردہ باندھنا، مضبوط اور پکا کر لینا“۔ ”عقیدے“ کا لفظ اگرچہ ”تصور“ اور ”نظریہ“ سے بلند تر اور بہتر ہے اور اس لفظ (عقیدے) کو ہم بطور اصطلاح عام استعمال کرتے ہیں۔ تا ہم قرآن کریم میں یہ لفظ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔

1.3-2 قرآن کریم میں اس کی بجائے لفظ ”ایمان“ اختیار کیا گیا ہے۔ لفظ ”ایمان“ میں صدق اور یقین کا دل کی گہرائیوں تک اُتر جانے کا جو مفہوم ہے وہ لفظ ”عقیدے“ میں بھی نہیں ہے۔ ایک فرق ان دونوں لفظوں میں یہ بھی ہے کہ عقیدے کا لفظ اپنے اندر ”چختگی“ کا معنی تو رکھتا ہے مگر ”درستی“ اور ”راتی“ کا اس میں پایا جانا ضروری نہیں۔ ”عقیدہ“ غلط یا باطل بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ”ایمان“ اپنے لفظی معنوں کے لحاظ سے اکثر اور اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے ہمیشہ حق اور صداقت کے لیے بولا جاتا ہے، مثلاً آپ ”غیر اسلامی عقیدے“ کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں مگر ”غیر اسلامی ایمان“ کہنا درست نہیں ہوگا۔

1.3-3 بہرحال ”ایمان“ یا ”درست عقیدہ“ دین کی بنیاد بلکہ اس کی جان ہے، کیوں کہ ایمان محض ”جان لینے“ کا نہیں بلکہ دل سے ”مان لینے“ کا نام ہے۔ جب تک بات دل میں نہیں اترتی، وہ دین یاد متصور کیسے بنے گی؟ اسی لیے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی بات کرتے ہوئے پہلے سبق (یونٹ) کا اصل موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یا ”ایمانیات“ کا بیان ہے مگر اس سے بھی پہلے دین اسلام کی اہمیت کو جان لینا ضروری ہے، اس لیے کہ جب دین اسلام کی عظمت، ضرورت اور اہمیت سے آگاہ ہوں گے تو خود بخود ”دین اسلام“ کو سمجھنے اور اس کے عقائد اور احکام کو جانے کا شوق پیدا ہوگا۔

#### 1.4 دین اسلام کی اہمیت

دین اسلام کے بارے میں قرآن کریم میں دو بنیادی باتیں بیان ہوئی ہیں، ان کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

(۱) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْنِدُ اللَّهِ إِلَّا سُلَامٌ﴾ (آل عمران: 19)

”یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں تو دین صرف۔ اسلام ہی ہے۔“

کیا آپ نے غور کیا کہ اس آیت میں دین کی بجائے ”اللّٰہ“ اور اسلام کی بجائے ”الاسلام“ آیا ہے۔ یعنی دونوں لفظوں کے شروع میں ”آل“ لگا ہوا ہے۔ یہ عربی گرامر کی بات ہے اور ہم آپ کو اس میں الجھانا بھی نہیں چاہتے، تاہم یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے کہ آیت کے ترجمہ میں ”تو“، ”صرف“ اور ”ہی“ سے جوز و ر پیدا

ہوا ہے، وہ اسی ”آل“ کی وجہ سے ہے۔ عربی میں ”آل“ کا وہی مفہوم ہے جو انگریزی میں (The) کا ہے۔

ب) ﴿وَمَنْ يَتَّخِذُ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِيرِينَ﴾ (آل عمران: 85)

”اور جو شخص اسلام (اور صرف اسلام) کے سوا کوئی اور دین، مذہب یا طریقہ (اختیار کرنا) چاہے گا تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ زیاد کاروں میں سے ہو گا۔“

ان دونوں آیتوں کا مضمون یوں توضیح ہے تاہم اگر ذرا غور فکر سے کام لیں تو اتنے سے مضمون پر بھی کچھ سوالات ذہن میں ابھر سکتے ہیں۔ ہم ان سوالات کو خود ہی آپ کے ذہن میں ابھار کر، ان کے جوابات کا ذکر، اختصار کے ساتھ ہی سہی، اس لیے پہلے کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے آپ کا ذہن ”دین“ کے متعلق آئندہ بیان کردہ باتوں کو سمجھنے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہ سوالات کچھ اس قسم کے ہو سکتے ہیں:

① اللہ سے کیا مراد ہے؟

② جب دین اسلام اللہ کی فرماں برداری کے طریقے کا نام ہے تو وہ کون سے احکام ہیں جن میں فرمائیں مطلوب ہے؟

③ یہ بات کہ ”اسلام کے سوا کوئی بھی دوسرا دین اللہ کی طرف سے نہیں“ کیسے درست ہو سکتی ہے، جب کہ اسلام کا آغاز تو ایک خاص زمانے سے ہوا (آج سے کوئی چودہ سو چھپیں سال (1425) پہلے) کیا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دین تھا ہی نہیں؟

④ انسانوں کے لیے یہ کیوں ضروری ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی ”دین“ خواہ مخواہ اختیار کریں؟ اگر کوئی آدمی کوئی دین بھی اختیار نہ کرے تو؟

⑤ آخرت سے کیا مراد ہے؟

اب جوابات بھی اسی ترتیب سے سنئے:

① پہلے سوال کا مختصر جواب ابھی اوپر (1.4) میں گزر چکا ہے، مگر اس کی تفصیل آگے توحید کے بیان میں آ رہی ہے۔

② دوسرے سوال کا جواب بھی آگے ”رسالت“ کے عنوان میں آئے گا۔

③ تیسرا سوال پر دوبارہ ”رسالت“ کے عنوان کے تحت بھی بات آئے گی تاہم یہاں بھی اس کی وضاحت ضروری ہے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم میں یہ بات ایک سے زیادہ جگہ پر واضح کر دی گئی ہے تمام نبی اور رسول، جو دین لے کر آتے رہے وہ اسلام ہی تھا۔ اس کے بنیادی عقائد (مثلاً توحید، رسالت، آخرت) اور عبادات و احکام (مثلاً نماز، روزہ اور زکوٰۃ) ہمیشہ اصولی طور پر یکساں ہی رہے، صرف کیفیت میں فرق ہونا اور بات ہے۔ تمام انبیاء اور ان کے پیروں اپنے زمانے کے مسلمان تھے، چاہے ان کی اپنی زبان میں ”اسلام“ کے لیے جو بھی لفظ بولا جاتا رہا ہواں لیے کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ”اسلام“ کے معنی میں کسی بھی شخص، زمانے، علاقے یا نسل وغیرہ کا سرے سے مفہوم ہی موجود نہیں ہے۔ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی، جو سب سے آخری نبی ہیں، ”وہی دین (اسلام) پیش کیا جو پہلے انبیاء پیش کرتے رہے۔ فرق صرف تین باتوں میں ہے۔

④ پہلی امتیں اپنے رسولوں کی اکثر تعلیمات محفوظ نہ رکھ سکیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی اصل تعلیمات کی خصوصی طور پر حفاظت فرمائی۔

ب) دوسرے یہ کہ پہلے کبھی دین کی باتیں اتنی جامع اور مکمل نہیں بتائی گئیں جتنی آنحضرت ﷺ کے ذریعے بتائی گئیں۔

ج) آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں۔ اب احکام کی تفصیل میں آپ ﷺ کی پیروی کی جائے گی۔ کیوں کہ پہلے انبیاء کے احکام یا تو محفوظ نہ رہے یا جامع اور مکمل نہ ہونے کے باعث وقت تھے، دائیٰ نہ تھے۔

دین اسلام کے ہمیشہ سے ایک ہی دین ہونے کا ایک ثبوت یوں بھی ملتا ہے کہ اب بھی تمام مذاہب میں کچھ نہ کچھ تعلیمات ملتی جلتی ہیں۔ یہ بات خود ہمارے نبی ﷺ کی سچائی کی دلیل بھی ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اسلام ہی کے اصل دین ہونے پر زور دیا۔ دین اسلام کی آخری، مکمل اور محفوظ شکل وہی ہے جو حضرت محمد ﷺ نے پیش کی، لہذا اب ہم اصطلاحی معنوں میں ”اسلام“ کا لفظ اسی لیے استعمال کرتے ہیں۔

④ اب آئیے کہ چوتھے سوال کی طرف، تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ناممکن ہے کہ انسان کوئی ”دین“ بھی اختیار نہ کرے۔ آپ پڑھ آئے ہیں کہ ”دین“ کا مطلب ہے طریقہ زندگی یا دستورِ حیات ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی آدمی زندگی گزارنے کے لیے کوئی بھی اصول یا طریقہ اختیار نہ کرے؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہر چار دن کے بعد طریقہ یا مذہب بدلتا رہے، مگر ”بے اصول“ اور ”بے دین“ ہونا بھی ایک اصول یاد دین ہی تو ہوا۔ فرق تو صرف غلط یا صحیح دین اور اپنے یا برے ”طریق زندگی“ کا ہی رہ گیا گویا لفظی معنوں (طریق زندگی) کے لحاظ سے تو دُنیا میں کوئی آدمی بھی ”بے دین“ نہیں ہوتا، البتہ اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے ”بے دین“ اسے کہا جا سکتا ہے جو دین اسلام کا پیرو اور پابند نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ دُنیا میں کوئی آدمی ایسا نہ ہوا ہے نہ ہوگا، جس نے کبھی اپنے اور اس دُنیا کے آغاز اور انجام کے بارے میں کچھ نہ کچھ پوچھایا سوچا نہ ہو۔ اس کا جواب اسے جو بھی ملے، جہاں سے بھی ملے۔ اپنی سوچ اور مطالعہ سے، معاشرتی ماحول سے، یا بچپن کی تربیت سے \_\_\_\_\_ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سوال کا کوئی نہ کوئی جواب اس کا ذہن قبول کرتا ہے اور پھر اس ”جواب“ کے مطابق اس کے ذہن میں زندگی کا ایک مقصد متعین ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے تمام اعمال اور سارے کام اس کے ذہن میں محفوظ مقصد کے مطابق سرزد ہوتے رہتے ہیں گویا پہلے افکار یا عقائد اور پھر ان کے مطابق کردار \_\_\_\_\_ ”دین“ یہی تو ہے۔ غلط نظریات کی بنیاد پر غلط طریق زندگی اختیار کرنے سے اول تو لازماً معاشرے کے دوسرا افراد کو تکلیف پہنچے گی اور بالآخر غلط طریقہ اختیار کرنے والے کو بھی اس کا

نقصان اٹھانا پڑے گا، اسی طرح اصل اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے مذہب کو کسی بھی درجے میں اپنانے کا برائیجہ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔

⑤ پانچویں سوال کا مفصل جواب اسی یونٹ میں آگے چل کر ”آخرت“ کے عنوان سے آ رہا ہے۔

آپ نے شاید نوٹ کیا ہو گا کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں ”دین“ اور ”اسلام“ کے الفاظ معنًا ایک دوسرے کے لازم و ملزم بلکہ تقریباً مترادف آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم صرف ”دین“ کہتے ہیں تو بھی ہمارا مطلب ”دین اسلام“ ہی ہوتا ہے اور صرف اسلام کہیں تو اس سے ”اسلام بطور دین کامل“ مراد لیا جاتا ہے۔ خود قرآن کریم میں ﴿الله کا دین﴾، ﴿دین الحق﴾، ﴿سچائی کا دین﴾ اور ﴿الذین القييم﴾ ”مضبوط اور پکادیں“ وغیرہ کہہ کر ”اسلام“ ہی مراد لیا گیا ہے۔ اسلام کے متعلق بہت سی باتیں صرف دین کہہ کر کی گئی ہیں مثلاً مسلمانوں کا باہم ﴿اخوان فی الدین﴾ ”دینی بھائی“، ہونا، ﴿اقامة الدين﴾ ”دین کا نفاذ“، واجب ہونا، ﴿تفقه فی الدین﴾ ”دین کی سوچھ بوجھ“ پیدا کرنا، ﴿غلو فی الدين﴾ ”دین میں مبالغہ آمیزی“ کی نمیت اور ﴿تفرقہ فی الدين﴾ ”دین میں فرقہ بندیاں قائم کرنے“ کی ممانعت وغیرہ۔ یہ ساری باتیں دین اسلام ہی کے بارے میں ہیں۔

## 1.5 دین اسلام کی تعلیمات کا تاریخی پس منظر

یہاں تک تو ہم نے ”دین“، ”اسلام“، ”عقیدہ“ اور ”ایمان“ کے لفظی اور اصطلاحی معنوں، ان کے مضرات اور ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کا جائزہ لیا ہے۔ اب ہم اصطلاحی اسلام یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے، بتائے ہوئے اور سکھائے ہوئے دین پر اس کے تاریخی نقطہ آغاز کے پس منظر میں ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس سے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبت اور اس کے تقاضوں کا کچھ احساس ہو گا اور یہ احساس بھی ہمیں اپنے ہادی و رہنمای پیغمبر خدا ﷺ کے دین کے کم از کم ضروری پہلوؤں سے آگاہ ہونے پر آمادہ کرے گا۔

دین اسلام کا یہ ”محمدی دُور“ آج سے کم و بیش پودہ سو چھپس سال (1425) پہلے اس دن شروع ہوا، جس دن حضرت محمد ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ اپنے شہر مکہ مکرہ میں اپنی عمر کے چالیس (40) سال گزار چکے تھے۔ آپ ﷺ کے ہم وطنوں کا عام مذہب شرک اور بت پرستی تھا۔ وہ لوگ اور بھی بیسیوں قسم کی خرابیوں میں بنتا تھا۔ کیوں کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ کسی زندگی کے قائل نہ تھے بلکہ تختی سے اس کا انکار کرتے تھے۔ اس ماحول میں ہمارے آقا (حضرت محمد بن عبد اللہ) ﷺ نے اپنی زندگی کے چالیس (40) برس اس طرح گزارے کہ سب لوگ ان کے اخلاق و عادات اور سیرت و کردار کے مذاح تھے۔ سارے شہر میں ان کی سچائی اور امانت کی دھوم تھی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے ہم وطنوں کے سامنے یہ دعویٰ کیا اور اس بات کی تبلیغ شروع کی کہ:

اللہ تعالیٰ نے خود مجھے تمہاری طرف اپنا پیغام پہنچانے والا (رسول) مقرر کیا ہے اور اس پیغام کی بنیادی باتیں دو (2) ہیں۔ (1) یہ کہ اللہ کے سوا، بلکہ اُس کے ساتھ بھی کسی اور کی عبادت ہرگز درست نہیں۔ (2) یہ کہ مرنے کے بعد تم سب دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور وہاں تم سے اس زندگی میں کیے گئے کاموں کا حساب لیا جائے گا۔

جن لوگوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، آپ ﷺ پر ایمان لائے (یعنی آپ ﷺ کی ساری کی ساری باتوں کو دل سے سچ جان کر مان لیا)، وہ مسلمان کہلانے اور انکار کرنے والے کافر۔ آہستہ آہستہ ان دو (2) گروہوں کا دائرة پورے عرب تک اور پھر ساری دُنیا تک وسیع ہو گیا۔ تیسیں (23) برس تک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ”دین اسلام“ کی تبلیغ کی، یہاں تک کہ پورے عرب میں آپ ﷺ کا دین پھیل گیا۔ اس مدت میں آپ ﷺ کو کیا مشکلات پیش آئیں اور آپ ﷺ کو کیسے کامیابی حاصل ہوئی، اسے بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ”سیرتِ پاک ﷺ“، پر لکھی ہوئی سینکڑوں کتابوں میں پوری طرح یہ داستان محفوظ ہے۔ جو بات اس وقت ہم کہنا

چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تیس (23) برس کی اس مدت میں دین اسلام کے بنیادی عقائد یا ایمانیات اور ہر قسم کے ضروری، عملی احکام جس تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمائے وہ سب کچھ ”کتاب و سنت“ (قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ) میں محفوظ ہے۔ ہم آج بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے، بتائے ہوئے بلکہ پورے اور مکمل طور پر عمل کر کے دکھائے ہوئے دین اسلام کو ”قرآن و حدیث“ کی مدد سے بالکل اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسے آنحضرت ﷺ کے اپنے زمانے میں، بلکہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر سیکھنا ممکن تھا۔

اسلام کی پوری اور اصل تعلیمات کا محفوظ ہونا بھی ہمارے دین کی ایک اور امتیازی خصوصیت ہے۔

## 1.6 ایمانیات کی اہمیت

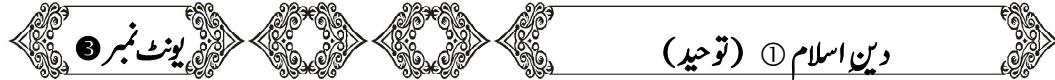
اس یونٹ کے آئندہ صفحات میں ہم سب سے پہلے اسلام کے اہم بنیادی عقائد یا ایمانیات کی بات کریں گے اس لیے کہ:

① آنحضرت ﷺ جب خود اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے تو سب سے پہلے عقائد کی اصلاح یا ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ”ایمانیات“ اور عقائد میں آنحضرت ﷺ خود کس بات پر زیادہ زور دیتے تھے، کیونکہ اصل دین وہی ہے اور

② اس لیے بھی کہ ہم دین اور اسلام کے لفظی معنوں میں بھی یہ بات دیکھ چکے ہیں کہ ایمان یا درست عقیدہ ہی دراصل دین کا لازمی اور بنیادی جزو ہے۔

اسلام کے بنیادی عقائد جنہیں بعض دفعہ عام اصطلاح میں ایمانیات یا اجزاء ایمان بھی کہتے ہیں، متعدد ہیں لیکن تین باتیں ایسی ہیں جو تمام ”اسلامی مذاہب“ میں متفقہ طور پر اسلام کی اصل اور بنیاد ہیں۔ اسلام کے یہ تین بنیادی عقائد یا ”اصول ثالثة“ حسب ذیل ہیں:

○ آخرت ○ رسالت ○ توحید ○



اب ہم ان تینوں موضوعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں بات کریں گے۔ یہ تو ہم پہلے ہی بتاچکے ہیں کہ دین اسلام کی اصل اور صحیح تعلیمات کا منبع اور سرچشمہ ”کتاب و سنت“ یا قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ ہے۔

### عزیز طلبہ و طالبات، ایک بات یاد رکھیے!

جب بھی دین کے بارے میں کسی مسئلہ میں، یا مسلمانوں کے کسی عام رواج یا کسی بھی اور معاملے میں آپ صحیح اسلامی نقطہ نظر، مؤقف یا حکم دریافت کرنا چاہیں تو ہمیشہ جواب ”کتاب و سنت“ کے حوالے سے طلب کریں۔ آپ اب ماشاء اللہ گریجویٹ بن رہے ہیں، آپ کا شماراً اچھے پڑھے لکھے مسلمانوں میں ہو گا۔ دینی امور یا دنیوی مسائل کے حل میں (کیوں کہ ہمارا دین ہر طرح کی رہنمائی دیتا ہے بلکہ ہر جگہ اپنی رہنمائی پر اصرار کرتا ہے) ہمیشہ دین کے اصل سرچشمے کی طرف رجوع کریں، وہیں پورا دین موجود اور محفوظ ہے۔ یہی علم ہے، یہی دینت اور یہی اصل مسلمانی ہے۔ یہ کبھی نہ دیکھیے کہ کون کیا ہے کہہ رہا ہے؟ یا لوگ کیا کہہ رہا ہے ہیں، یہ دیکھیے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور کتاب و سنت کی رو سے اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ اصول آپ کے لیے دین اسلام کا صحیح علم اور اس سے صحیح رہنمائی حاصل کرنے کا دروازہ کھول دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## 1.7 خود آزمائی نمبر 1

- |  |  |    |
|--|--|----|
| (1-2)  | دین کے لفظی معنی کیا ہیں؟                    | -1 |
| (1-2)  | ﴿لِلّهِ الدِّين﴾ کا مطلب لکھیے؟              | -2 |
| دین کے مختلف معنوں میں مشترک مفہوم کیا ہے۔ مثال سے سمجھائیے!     |  | -3 |
| قرآن کریم میں لفظ ”دین“، ”کتنی جگہ آیا ہے اور ”نہب“، ”کتنی جگہ؟“ |  | -4 |
| ”نہب“ کے لفظی معنی بتائیے؟ (سب 2-1)                              |  | -5 |
| (1-2)  | ”نہب“ کی بجائے دین کا لفظ کہنا کیوں بہتر ہے؟ | -6 |



- 7 فرقے کی بجائے ”مذہب“ کا لفظ کیوں بہتر ہے؟ (2-1 حاشیہ)
- 8 ”اسلام“ کے لفظی معنی بتائیے۔ (1-3)
- 9 ”دین“ اور ”اسلام“ کے لفظی معنوں میں مشترک تصور کون سا ہے؟ (1-3) اور (1-4)
- 10 لفظ مسلمان کی اصل کیا ہے؟ یہ لفظ کن کن زبانوں میں استعمال ہوتا ہے؟ (1-3)
- 11 ”دین اسلام“ کے لفظی معنی کیا ہیں؟ اور ”دین اسلام“ کے نام میں کیا خصوصیت ہے جو دوسرے مذاہب کے ناموں میں نہیں پائی جاتی۔ (1-3)
- 12 ”اعقاد“ اور ”عقیدہ“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ (1-4)
- 13 ”تصور“ اور ”عقیدہ“ میں کیا فرق ہے؟ (1-4)
- 14 ”عقیدہ“ اور ”ایمان“ میں کیا فرق ہے؟ (1-4)
- 15 ”دین“ کے ساتھ ”عقیدہ“ یا ”ایمان“ کا کیا تعلق ہے؟ (1-4)

### عملی کام

”دین اسلام“ کے بارے میں جو آپتیں یونٹ میں لکھی ہیں۔ انہیں ایک دن مع ترجمہ یاد کیجئے دوسرے دن وہ آپتیں اور ان کا ترجمہ خود لکھیے اور پھر کتاب سے ملا کر انی غلطیوں کی پڑتاں کیجئے۔ اگر آپ سے پہلی کوشش میں کوئی غلطی نہ ہوئی تو آپ بہت ذہن ہیں۔ ماشاء اللہ۔ (1-5)

- 16 ”اسلام“ کے معنوں میں کس شخص یا علاقے کا تصور پایا جاتا ہے؟ (1-5)
- 17 مندرجہ ذیل نظرؤں میں خالی جگہ پر کیجئے۔  
حضرت محمد ﷺ سب سے ..... نبی ہیں۔ دین اسلام ..... اور .....  
..... شکل وہی ہے جو ..... نے پیش کی، دین اسلام ہمیشہ سے ..... رہا ہے۔ (1-4)



- 18 پہلے انبیاء اور ہمارے نبی ﷺ کے پیش کردہ دین اسلام میں کیا فرق ہے؟ اس فرق کے دو اہم پہلو بیان کیجئے۔ (1-5)
- 19 آدمی کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ کوئی دین بھی اختیار نہ کرے۔ کیوں؟ (1-5)
- 20 ”اسلام“ سے اصطلاحی طور پر کون سا دین مراد ہے؟ (1-5)
- 21 خالص اسلام کی بجائے کسی اور طریقے کو دین بنانے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ (1-5)
- 22 زندگی کا مقصد کیسے متعین ہوتا ہے اور اس کا انسانی کردار پر کیا اثر پڑتا ہے؟ (1-5)
- 23 صرف دین کہہ کر دین اسلام مراد لینے کی کم از کم تین مثالیں (قرآنی الفاظ سے) دیں۔ (1-5)
- 24 مندرجہ ذیل کے معنی لکھیے اور بتائیے ان میں ”دین“ سے کون سا ”دین“ مراد ہے؟
- ﴿الدّين الْقِيم﴾    ﴿غلو فی الدّين﴾    ﴿نَفْقَهُ فِي الدّين﴾  
 ﴿نَفْرَقَهُ فِي الدّين﴾    ﴿دِينُ الْحَق﴾
- 25 رسول اللہ ﷺ سے پہلے مسلمان کی تعریف کیا تھی اور اب آپ ﷺ کے بعد ”مسلمان“ سے کون مراد ہوگا؟ (1-5)
- 26 ہم آج بھی ”دین اسلام“ اسی طرح سیکھ سکتے ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر سیکھنا ممکن تھا۔ کیسے؟ (1-5)
- 27 ”دین اسلام“ کی دو (2) امتیازی خصوصیات کا ذکر کیجئے۔ (1-5)
- 28 مسلمان کے لیے سب سے پہلے اسلامی عقائد کا اچھی طرح جانا کیوں ضروری ہے؟ (1-6)
- 29 اسلام کے ”اصول ثلاٹھ“ سے کیا مراد ہے۔ اسلام کے باقی عقائد پر ان کو کیا فوقيت حاصل ہے؟ (1-6)
- 30 اسلام کے متعلق کوئی بات دریافت کرنا ہو تو کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ (1-6)

## 2 توحید

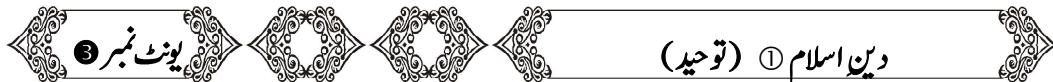
### 2.1 توحید کے لفظی اور اصطلاحی معنی

لفظ ”توحید“ کے لغوی معنی ہیں ”ایک بنانا اور یک جا کر دینا“، اس کی اصل ”وحدت“ ہے اور اسی سے نکلے ہوئے ایک اور لفظ ”اتحاد“ سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اصطلاح کے طور پر لفظ ”توحید“ اب ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی: ”اللہ کے سوا کسی کو ہرگز اللہ نہ مانتا۔“

قرآن کریم میں لفظ ”توحید“ تو استعمال نہیں ہوا البتہ اللہ تعالیٰ کے لیے ”واحد“ اور ”احد“ کے نام آنے کی بناء پر اور اس موضوع پر قرآن کریم کی بکثرت تفصیلات اور بہ تکرار تعلیمات کے لیے بطور ایک ”عنوان“ کے یہ اصطلاح اختیار کی گئی ہے اس کے لیے عربی میں ایک اور لفظ ”وحدائیۃ“ بھی مستعمل ہے۔ مگر زیادہ مشہور اصطلاح ”توحید“ ہی ہے۔

### 2.2 شرک کے لفظی اور اصطلاحی معنی

توحید کے مقابل اور اس کی ضد لفظ ”شرک“ ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے اور توحید ہی کو سمجھانے کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے کہ ”توحید“ شرک کا نہ ہونا، اور ”شرک“ توحید کا نہ ہونا۔ ”شرک“ کے لغوی معنی ہیں ” حصہ دار بنالینا یا مان لینا اور ساتھ شامل کر لینا“، لفظ ”اسلام“ کے معنی کی طرح یہاں بھی ”اللہ“ خود بخود سمجھا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی حصہ دار مان لینا، اس طرح اصطلاحاً ”شرک“ کا مطلب ہے: ”اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی اللہ مان لینا۔“



## 2.3 توحید اور شرک کا تعلق

”توحید“ اور ”شرک“ کے لفظی اور اصطلاحی معنوں سے ہی یہ بات تو واضح ہو گئی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ ”توحید“ اور ”شرک“، ہرگز ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ان میں کسی طرح کا سمجھوتہ ”دھوپ اور چھاؤں“ کے کیجا ہونے کی طرح ناممکن ہے۔

اس کے ساتھ جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ توحید، دین اسلام کا پہلا بنیادی اصول ہے۔ اسلام کا سارا نظام ہی توحید کے گرد گھومتا ہے۔ توحید ہی تمام انبیاء کی دعوت کا نقطہ آغاز تھا اور اسلامی زندگی اول و آخر ”توحید“ کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسری طرف ”شرک“، ”توحید“ کی نفی ہے۔ ”شرک“ ہی تمام براہیوں اور گمراہیوں کی اصل ہے اور اسے قرآن کریم میں سب سے بڑا ظلم اور ناقابل معانی جرم قرار دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (القمان: 3)

”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

(النساء، 116:4)

”یقیناً اللہ تعالیٰ یہ بات تو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، البتہ اس کے علاوہ (گناہ) جسے چاہے معاف کر دے۔“

حدیث شریف میں شرک کو ((اکبر الكبائر)) یعنی بڑے گناہوں میں سے بھی سب سے بڑا گناہ کہا گیا ہے۔ تجھ کی بات یہ ہے کہ کوئی امت اور کسی مذہب کے پیروں اس مہلک خرابی سے محفوظ نہیں رہے اور جہاں بھی اس برائی کی ذرا ابتدا ہوئی، اس نے بہت جلد ایک وباء کی صورت اختیار کر لی۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہم ”توحید“ اور ”شرک“ کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ نے ابھی پڑھا کہ ”توحید“ کا مطلب ہے ”اللہ کے سوا کسی اور کو ہرگز اللہ نہ ماننا“ اور ”شرک“ کا مطلب ہے ”اللہ کے سوا کسی



اور کو بھی اللہ مان لینا، اس سے یہ بات خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کہ اگر ہم نے ”اللہ“ اور ”الله“ کا مطلب جان لیا تو پھر ”توحید“ اور ”شرک“ کا فرق بھی سمجھ میں آ جائے گا۔

## 2.4 اللہ کے معنی

ہم پہلے ”الله“ کے معنی کو لیتے ہیں اس لیے کہ ہر قسم کے ”الله“ کے انکار اور نفی کے بعد ہی اللہ تک پہنچنا ممکن ہے۔ لفظ ”الله“ کے لفظی معنی عربی میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

جس کی عبادت (پوجایا پرستش) کی جائے۔ ①

جس کے بارے میں عقل جیران ہو۔ ②

جس سے بے پناہ محبت اور عقیدت ہو۔ ③

جو انسانی حواس سے ماوراء اور پوشیدہ ہو۔ ④

ان سب معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ”الله“ کا ترجمہ ”معبد، خدا، دیوتا“ یا (GOD) کیا جاتا ہے تاہم اُردو میں زیادہ مستعمل لفظ ”معبد“ ہے۔

”الله“ سے مراد کوئی الیٰ ہستی لی جاتی ہے جو بے پناہ قوتیں اور طاقتیں کی مالک ہو، نظر وں سے غائب ہونے کے باوجود اس سے تعلق اور ربط ممکن ہو، جو انسانوں کو حسی اور مادی وسائل سے ماوراء طریقوں پر نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر ہو اور جس کی خوشنودی یا ناراضگی کے ساتھ انسان کی خوش قسمتی یا بد قسمتی وابستہ ہو۔

مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں اور خود عرب میں بھی لوگوں نے اس قسم کی صفات رکھنے والی متعدد ہستیوں کا عقیدہ اختیار کیا۔ اس لیے عربی میں ”الله“ کی جمع ”اللهُ“ بھی استعمال ہوتی ہے۔ دوسری زبانوں میں بھی ”الله“ کے ہم معنی الفاظ میں یہی (واحد جمع والی) بات پائی جاتی ہے۔ ان مختلف ”اللهُ“ یا معبدوں کو ساری اہمیت یا عظمت زیادہ تر صرف ”فائدہ پہنچانے والے“ یا ”ضرر سے بچانے والے“ سمجھ لینے کی وجہ سے دی جاتی

رہی ہے، ورنہ انہیں اس کائنات یا اس کے کسی حصے کا پیدا کرنے والا کبھی نہیں سمجھا گیا۔ ”اللہ“ کے لفظی معنوں میں بھی ”پیدا کرنے“ کا مفہوم شامل نہیں ہے۔ ”اللہ“ کو مالک تو سمجھ لیا جاتا ہے، مگر خالق کبھی نہیں سمجھا گیا۔ خالق کے ساتھ مالک کسی اور کو سمجھ لینا ہی تو ”شرک“ ہے۔

## 2.5 اللہ کا مطلب

متعدد اور مختلف ”اللہ“، اور معبدوں یا مالکوں“ کے اس تصور کے ساتھ ہمیشہ سے انسانوں میں اس پوری کائنات کے ایک پیدا کرنے والے خالق اور مالک کے وجود کا عقیدہ بھی موجود رہا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ہر طرح کے نفع و فضان کا اصل اختیار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہاں زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کا بنانے والا، رُوئے زمین پر زندگی کو وجود میں لانے والا، کائناتی قوتوں (ہوا، بجلی، پانی، بارش، پہاڑ، سمندر، نظام سشمی وغیرہ) کا پیدا کرنے والا اور انہیں مقرر قوانین کا پابند کرنے والا ”اللہ“ اور صرف ”اللہ“ ہے۔ ”اللہ“ کے ساتھ دوسرے ”اللہ“ بنا لینے والوں میں سے کسی نے بھی کبھی کسی ”اللہ“ کو مندرجہ بالا کام کرنے والانہیں مانا۔

ان سب سے برتر ”اللہ“ بلکہ واحد ”اللہ“ کا تصور یا خیال اول تو ہر انسان میں فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ فطرت کی اس آواز کے علاوہ عقلی طور پر بھی انسان نے جوں جوں غور کیا، اسے سورج، چاند، ستارے، ہوا، پانی، نباتات، حیوانات، غرض کائنات کی ہر چیز نہایت محکم اور ناقابل تغیر قوانین کی پابند نظر آئی۔ یہ قوانین مقرر کرنے والا کون ہے؟ کوئی اسے کسی نام سے پکارے مگر اس کے ”ہونے“ سے انکار ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے قوانین کی گرفت میں ہے اور انسان جیسے جیسے علم اشیاء یا سائنس میں ترقی کرتا جاتا ہے اسے ان طبیعی قوانین کے پیچھے کسی نہایت زبردست علم اور طاقت و رارادے والی ہستی کا ہاتھ کار فرمان نظر آتا ہے۔ تمام سائنسی اکتشافات اس حقیقت پر شاہد اور تمام سائنسدان اس کے قائل ہیں۔ اسی غیبی طاقت، اسی پوشیدہ قوت، اسی خالق و مالک اور بزرگ و برتر ہستی کو عربی زبان میں ایک نامعلوم زمانے سے ”اللہ“ کہا جاتا رہا ہے۔

یہی نام ”اللہ“، قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کے ذریعے یہی تعلیم دی کہ صرف اللہ ہی اللہ ہے، دوسرا کوئی ”اللہ“ ہے ہی نہیں۔ دنیا کی دوسری زبانوں میں یقیناً اس خالق و مالک کے لیے مختلف نام پائے جاتے ہیں اور ان ناموں سے مراد ایک ہی ذات پاک ہے۔ تاہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم نے اسی نام ”اللہ“ کو اختیار کر لیا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے اسی نام کی تعلیم دی۔ اب یہ نام اسم علم یا اسم ذات شمار ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ابتنہ اگر اس زبان کے بولنے والے مسلمان بھی اپنی عام گفتگو میں ”اللہ“ کے لیے اپنی زبان کا وہ لفظ استعمال کریں جس سے ان کی مراد وہی خالق و مالک کا نہات ہو تو یہ بات درست ہو گی۔ مثلاً ہندی میں ”ایشور“ یا اگنریزی میں (GOD) کہنا۔ ہمارے ہاں ”اللہ“ کی بجائے ”خدا“ کا لفظ راجح ہونے کی وجہ بھی اصول ہے۔ ”خدا“ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ”بڑا“ یا ”مالک“ کے ہیں۔ اسلام جب ایران میں پہنچا تو فارسی بولنے والوں نے ”اللہ“ کے لیے بھی وہی لفظ ”خدا“ استعمال کرنا شروع کر دیا جو ان کے ہاں پہلے سے اُس ذات برتر کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ کثرت استعمال سے یہ لفظ ”خدا“ اب اسم جلالت ”اللہ“ کے ہم معنی اور مترادف ہو گیا ہے، اس لیے اب اس کا استعمال درست سمجھا جاتا ہے۔

تاہم ہتر بات یہی ہے کہ ہمیشہ ”اللہ تعالیٰ“، استعمال کیا جائے۔

## 2.6 اسماء اللہ الحسنی (اللہ تعالیٰ کے پیارے نام)

اب جب کہ آپ نے ”اللہ“ اور ”اله“ کے معنی کسی حد تک سمجھ لیے ہیں تو یقیناً توحید ”یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کوہ گز اللہ نہ مانتا یا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (اللہ کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں ہے) کا مطلب بھی سمجھ لینے کی ابتداء ہو گئی ہے۔

یہ بات کہ کس میں کون سی صفات مان لینے سے وہ ”اللہ“ سمجھا جاتا ہے، مسلمان کو جان لینا نہایت ضروری

ہے تاکہ وہ غلطی سے بھی کسی اور کو "اللہ" نے سمجھ بیٹھے۔ یہ بات قرآن کریم میں نہایت تفصیل کے ساتھ اور بار بار سمجھائی گئی ہے۔

ان باتوں کو جاننے کا ایک آسان اور مختصر مگر جامع طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی (جس سے مراد 99 صفاتی اسماء مبارکہ ہیں) کو مع ترجمہ یاد کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ تو خود عربی زبان اور قرآن و حدیث میں بھی 99 سے زیادہ ہیں۔ اگر دنیا بھر کی زبانوں کو سامنے رکھیں تو یہ اسماء حدوث شمار سے باہر ہیں۔ صرف 99 اسماء پر زور اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کے سمجھ لینے سے توحید کی حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ توحید کامل یہ ہے کہ ان تمام صفات میں اللہ تعالیٰ کو واحد اور واحد (کیتا ولاثانی اور لاشریک) مانا جائے۔ آپ کو زندگی میں جب بھی موقع ملے، "اسماء حسنی" کی کوئی اچھی سی شرح (جو ہر زبان میں ملتی ہے) بھی ضرور پڑھ لیجئے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو دعاوں میں ان اسماء کے ساتھ پکارنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (الاعراف: 180)

"اور اللہ کے ہیں بہت اچھے نام، تم اسے ان ناموں سے پکار کرو۔"

ان اسماء کو سمجھ کر یاد کر لینے پر ہمارے نبی ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ یہاں صرف چند (بلحاظ ربط مضمون) نہایت اہم اسماء حسنی مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں:

الْرَّبُّ	پروردگار، ہر چیز کی پروردش کرنے والا
الْخَالِقُ	پیدا کرنے والا
الْمُصَوِّرُ	صورت دینے والا۔
الْعَزِيزُ	ذرے ذرے پر متصرف۔
الْمَالِكُ يَا مَالِكُ الْمُلْكِ	مالک اور حکمران۔
الْبَارِئُ	عدم سے پیدا کرنے والا۔

سب پر غالب۔	الْقَاهِرُ
ذاتا، سب کو ہر چیز عطا کرنے والا۔	الْوَهَابُ
سب کو ہر طرح کا رزق دینے والا۔	الرَّزَّاقُ
سب اندر وہی باتوں سے آ گاہ۔	الْخَيِّرُ
سب کچھ دیکھنے والا۔	الْبَصِيرُ
زندگی بخشنے والا۔	الْمُحْيٰ
زبردست قدرت والا۔	الْقَدِيرُ
گناہ معاف کرنے والا	الْغَافِرُ، الْغَفَارُ
سب کچھ جاننے والا۔	الْعَلِيمُ
سب کچھ سننے والا	السَّمِيعُ
دعا کو قبول کرنے والا	الْمُجِيبُ
موت دینے والا	الْمُمِيتُ
توبہ قبول کرنے والا۔	الْتَّوَابُ

## 2.7 توحید کی اہمیت

توحید کی اہمیت پر مختصر بات پہلے (2-3) میں ہو چکی ہے۔ تاہم اب تک زیادہ وضاحت اس بات کی گئی ہے کہ توحید کیا ہے؟ اب ہم دین اسلام میں توحید کی اہمیت پر (یعنی یہ کہ توحید کیوں ضروری ہے؟) قرآن و سنت کی روشنی میں نظر ڈالتے ہیں۔ توحید کا مضمون قرآن کریم میں بار بار اور کئی طریقوں سے بیان ہوا ہے۔ مثلاً:

1- لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (اللَّهُ كَسَوَ كُوئِيْ بَحْرِيَ الْأَنْبِيَاءِ) یہ عبارت قرآنِ کریم میں 12 جگہ آتی ہے۔

2- لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (أَسَ اللَّهُ كَسَوَ كُوئِيْ بَحْرِيَ الْأَنْبِيَاءِ) یہ بات قرآنِ مجید میں 30 دفعہ دُہرائی گئی ہے۔

3- خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے متكلم کے صیغہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا آنَا (میرے سوا کوئی الْأَنْبِيَاءِ ہے) تین جگہ آیا ہے۔

4- إِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَّاحِدٌ (تم سب کا اللہ ایک ہی ہے) یہ بات قرآنِ کریم میں 6 جگہ بیان ہوئی ہے۔

5- اسی طرح کہیں إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَّاحِدٌ (بات صرف یہ ہے کہ اللہ ہی اکیلا اللہ ہے)

کہیں إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَّاحِدٌ (بات تو صرف اتنی ہے کہ وہ اکیلا اللہ ہے) کہیں وَمَا مِنْ إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ (اللَّهُ کے سوا کسی طرح کا کوئی اللہ ہے ہی نہیں اور کہیں مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٌ غَيْرُهُ (تمہارا اس کے سوا کوئی اور کسی طرح کا اللہ نہیں ہے) کہہ کر مختلف طریقوں سے یہی مضمون ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ پورے قرآنِ کریم میں اسم جلالت ”اللہ“، کل 2696 دفعہ آیا ہے۔ اور لفظ ”الله“، 125 جگہ اور ”الله“، (الله کی جمع) کل 36 جگہ آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ قرآنِ مجید میں اس مضمون پر کس قدر تفصیل اور وضاحت سے بات کی گئی ہے۔

قرآنِ کریم میں یہ بات متعدد بار مختلف طریقوں سے اور مختلف سورتوں میں بہ تکرار بیان ہوئی ہے کہ تمام نبیوں اور رسولوں کی تعلیم میں توحید ہی سرفہرست تھی، کسی بھی بگڑی ہوئی امت کی اصلاح کا پیغمبرانہ طریقہ یہی رہا ہے کہ سب سے پہلے عقیدہ توحید درست اور مضبوط کیا جائے۔ خود ہمارے نبی ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز اسی سے فرمایا (6-1)

قرآنِ کریم نے صرف یہی نہیں سمجھایا کہ توحید کتنی اہم اور ضروری ہے، بلکہ یہ بھی وضاحت سے سمجھایا ہے کہ توحید کسے کہتے ہیں یہ مضمون ”كتاب و سنت“ میں اس تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ صرف اس موضوع پر مستقل تالیفات موجود ہیں۔

## 2.8 شرک کی مختلف صورتیں

توحید کو مختلف انداز سے سمجھانے کے ساتھ شرک کی مذمت اور اس کی مختلف صورتوں، اس کے وباں اور برے انجام کا ذکر قرآن مجید میں 150 سے زائد جگہ پر آیا ہے۔ توحید کو سمجھنے کے لیے شرک کی کیفیت کو جانا ضروری ہے، کیوں کہ شرک سے نپختے کا نام ہی ”توحید“ ہے۔

شرک کا مطلب اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں ہے بلکہ اللہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی اللہ بنالینے کا نام شرک ہے۔ مشرکین عرب بھی اللہ کے منکرنے تھے (خود یہ نام ان میں صدیوں سے رائج تھا) وہ اپنے خود ساختہ ”اللہ“ (معبودوں) کو اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور ان کے ذریعے اللہ کا قرب تلاش کرتے تھے۔ مشرکین عرب کے ان اعتقادات کا ذکر خود قرآن کریم نے کئی جگہ کیا ہے:

﴿وَيَقُولُونَ هُوَ لَأَ شَفِيعٌ شَفَاعَاءُ نَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس: 18)

”اور وہ کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔“

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقْرِبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفِي﴾ (الزمر: 3)

”ہم ان کی عبادت محسن اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے ہاں ہمیں بخلاف درجہ فریب تر کر دیتے ہیں۔“

اسی لیے قرآن کریم میں اللہ کے سوا کسی اور کو کسی طرح عبادت کرنے اور خاص کر دعا میں تو اللہ کے سوا ہی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کو پکارنے سے قطعی طور پر روک دیا گیا ہے، کسی کو دعا میں پکارنے کا مطلب ہے اس میں اللہ کی کچھ نہ کچھ صفات ماننا یا اسے کسی بھی درجہ میں اللہ مان لینا اور یہی شرک ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے چند صفات یا کسی ایک بھی صفت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق میں ماننا شرک ہے، اسی طرح مخلوق کی کسی کمزوری مثلاً نیند، بھوک، تھکاوٹ، کسی سفارشی کے آگے بے بسی یا دھاندی وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی صفت تسلیم کرنا یا اللہ تعالیٰ کی بعض صفات (مثلاً دیکھنا، سمنا، جاننا وغیرہ) کو مخلوق کی

ولیکی ہی صفات پر قیاس کرنا بھی شرک ہی کی ایک صورت ہے جسے اصطلاح میں تشبیہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ میں کون سی صفات ضرور ماننا چاہیں اور کون سی ہرگز نہیں ماننا چاہیں، اس کا ایک مختصر مجموعہ میں آیۃ الکرسی (البقرہ 255) میں ہے۔ ہو سکے تو کسی ترجیحے والے قرآن مجید میں کم از کم اس کا ترجمہ ضرور پڑھ لیں۔ قرآن کریم نے شرک کی ان تمام صورتوں کو بیان کر دیا ہے، جو دنیا میں کبھی اور کسی جگہ بھی مشرکین میں رائج رہی ہیں۔ پھر ہر ایک قسم کے شرک کو دلیل کے ساتھ غلط اور باطل ثابت کیا ہے، اگر شرک کی ان تمام صورتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو پھر شرک کو دوسرے سے پہچانا آسان ہو جاتا ہے۔ جس راستے پر شرک کی کوئی بھی صورت نظر آئے، یقین مانیے کہ وہ راستہ توحید کی طرف نہیں لے جا سکتا، لہذا ہم قرآن میں بیان کردہ شرک کی تمام صورتوں کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

آج تک جن چیزوں یا ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک (حصہ دار) ”الله“ بنایا گیا ہے قرآن کریم کی روشنی میں شرک کی ان تمام صورتوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

① ایسے بالکل فرضی اور افسانوی دیوی دیوتاؤں کی پرستش جن کا سرے سے کوئی وجود نہیں۔ مثلاً صحت یا دولت کی دیوی، جنگ یا امن کا دیوتا وغیرہ کی بالکل فرضی اور خیالی تصویریں یا بت بنا کر، ان کے آستانے مقرر کر کے، وہاں ان کی عبادت کرنا، اس قسم کے شرک کو قرآن کریم نے یہ کہہ کر باطل قرار دیا ہے کہ یہ سب کچھ صرف تخیل کی پیداوار اور چند فرضی نام ہیں (یہ مضمون سورۃ یوسف: 4، الاعراف: 71 اور الحجم: 23 میں بیان ہوا ہے)

② بعض کائناتی قوتوں کی پرستش مثلاً، سورج، چاند، ہوا، آگ، بجلی وغیرہ۔ یہ چیزوں فرضی بھی نہیں بلکہ فی الواقع موجود ہیں اور ان میں انسان کو نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت بھی ہے۔ اس لیے بعض دفعہ انسانوں نے ان کو بھی عبادت کے لائق دیوی دیوتا سمجھ لیا۔ قرآن کریم میں اس قسم کے شرک کو یوں غلط ٹھہرایا گیا ہے کہ ان طاقتوں چیزوں کا بھی ایک پیدا کرنے والا ہے اور وہی ”الله“ ہے۔ وہ تو ان چیزوں کا بھی ”الله“ ہے، نیز یہ ارادہ و اختیار سے محروم ایک مخلوق ہے۔ آگ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی کو

حرارت دے اور کسی کونہ دے، کسی کو جلانے اور کسی کونہ جلانے، وغیرہ۔ (اس مضمون کے لیے دیکھیے سورۃ النحل: 17، حم اسجدة: 37)

③ اللہ کے مقبول بندوں کی پرستش۔ بعض امتوں نے اپنے انبیاء کی تعظیم اور احترام میں حد سے بڑھ کر انہیں ”اللہ“ ہی بناؤالا۔ تاریخ میں اس قسم کی قدیم ترین مثال حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں ملتی ہے، جس نے اپنے کچھ نیک لوگوں (وہ، سواع وغیرہ) کو ”اللہ“ بنایا کر ان کے بت بھی تراش لیتے تھے۔ پھر اللہ کے ایک اور نبی اور رسول کو ”خدا“ اور ”خدا کا بیٹا“ بناؤالنے کی سب سے بڑی مثال حضرت مسیح علیہ السلام کے نام لیواوں نے قائم کر دی۔ اس قسم کے شرک کی تردید قرآن حکیم نے یوں کی ہے:

(ا) اول تو ان انبیاء نے کبھی یہ تعلیم نہیں دی تھی کہ خود ان کو ہی ”اللہ“ بنایا جائے، بلکہ وہ سب تو خود توحید کے پابند تھے اور تمام لوگوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔

(ب) دوسرا یہ کہ یہ انبیاء اپنے نام لیواوں کی اس حرکت پر خوش نہیں بلکہ سخت ناراض ہو کر آخرت میں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

شرک یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی ”اللہ“ بناینے کی مندرجہ بالا تینوں صورتوں کا تعلق زیادہ تر ضرورت کے وقت ”اللہ“ سے دعا اور غیبی امداد حاصل کرنے سے ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں خود ”اللہ“ بن بیٹھنے کی بھی ایک صورت بیان ہوئی ہے جس کا تعلق زیادہ تر قانون اور حکم چلانے کے اختیارات سے ہے، اس کی سب سے بڑی مثال قرآن کریم نے فرعون کی بیان کی ہے جس نے ﴿أَنَّا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى﴾ (الزمر: 24) ”میں تمہارا سب سے اوپنچارب ہوں“ اور ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي﴾ (القصص: 28) ”میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں مانتا“ کے دعوے کرڈا لے تھے۔ اطاعت کے لحاظ سے ”خدا“ بناینے کی دوسری مثال قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کی دی ہے کہ انہوں نے اپنے اخبار (علمائے دین) اور رہبان (مشائخ) کو ﴿أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”اللہ کے سوا خدا“ بنایا تھا۔

قرآن کریم میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بعض لوگ ﴿إِتَّخَذَ الْهُنَّا هَوَاهُ﴾ (الفرقان: 20) ”اس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا خدا بنا لیا تھا“، کامنونہ بنے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جی کی خواہش کو کبھی اپنا ”اللہ“ یا ”خدا“، بنائیتے ہیں۔ یعنی ان پر صرف ”خواہشات کی حکمرانی“ ہوتی ہے۔

## 2.9 عقیدہ توحید کے تقاضے

”اللہ“ بنادیئے اور بن بیٹھنے کی مندرجہ بالاتمام صورتوں کو ذہن میں رکھ کر ایک بار پھر ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ پڑھیے، اس کے معانی پر غور کیجئے تو عقیدہ توحید کا مطلب اور اس کے تقاضے کچھ یوں سامنے آتے ہیں:

- ① اللہ تعالیٰ پر اس کی ساری صفات کے ساتھ ایمان لانا، اللہ کی کسی بھی صفت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ماننا۔
- ② اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔
- ③ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو صحت و مرض، زندگی و موت اور عزت و ذلت کے معاملہ، بلکہ کسی بھی معاملے میں نفع اور نقصان کا مالک اور حاجت روانہ سمجھنا اور ہمیشہ دست دعا۔ صرف اللہ تعالیٰ کے آگے پھیلانا۔
- ④ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنی ساری محبت اور عقیدت کا مرکز بنانا۔
- ⑤ کسی خود ساختہ ”خدا“ کی خدائی ہرگز تسلیم نہ کرنا۔ ہر فرعون کے آگے موئی کی طرح ڈٹ جانا۔
- ⑥ زندگی میں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے احکام سے ہی رہنمائی حاصل کرنا اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کو ہر شے پر مقدم رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین سے سرتاسری نہ کرنا، صرف اس کی ناراضگی سے ڈرنا اور اس کے لیے کسی بیرونی مثلاً کسی ظالم کے یا کسی اندروںی مثلاً (اپنی ہی خواہشات کے) دباو کے آگے نہ جھکنا۔



## 2.10 عقیدہ توحید کی برکات

جب عقیدہ توحید آدمی کے دل و دماغ میں رج بس جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:

① آدمی صرف ایک معمود حقیقی ”اللہ“ کے خوف کے سوا ہر قسم کے خوف اور ڈر سے نجات پا لیتا ہے۔ ہر شرک کے پیچھے ایک خوف پوشیدہ ہوتا ہے۔ جب شرک نہیں رہتا تو آدمی بے خوف اور ڈر ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو اس بات پر پا ایمان رکھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اسے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، ہر خوف اور اندریشے سے بالاتر ہو جاتا ہے۔

② آدمی توہمات کی گندگی اور جھوٹے ”خداوں“ کی گندگی سے بلند تر ہو کر انسانیت کے حقیقی شرف سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، ایک خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے وہ جگہ جگہ ناک رکٹنے کی ذلت سے بچ جاتا ہے اور اس میں جذبہ حریت پیدا ہوتا ہے۔

③ ایک ہی الہ ”اللہ“ کی مخلوق اور بندے میں ہونے کی حیثیت سے تمام انسان برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عقیدہ توحید سے خود بخود آدمی کے اندر بنی نوع انسان کی وحدت اور مساوات کا تصور ابھرتا ہے۔

④ جہاں ”سب ایک مالک کے بندے“ کا عقیدہ موجود ہو وہاں ہر قسم کے طبقاتی، علاقائی اور نسلی امتیازات مت جاتے ہیں۔ (اگر ان امتیازات پر بھی اصرار ہے اور توحید کا اقرار بھی، تو پھر یہ اقرار توحید مشکوک ہو جاتا ہے)

## 2.11 مذاہبِ عالم پر اسلام کے عقیدہ توحید کے اثرات

مسلمانوں کے اس عقیدہ توحید کا اثر تمام مذاہب عالم پر یہ پڑا ہے کہ اب سب مذاہب، مذہب کی صداقت کا معیار اور سچائی کی دلیل، مسئلہ توحید کو سمجھنے لگے ہیں۔ بت پرست بھی اب بتوں کو صرف وسیلہ کہنے لگے ہیں اور دو اور تین خداوں (شویت اور تثلیث) کے قائل ہیں۔ اپنے اپنے مذاہب میں توحید ثابت کرنے کی فلسفیانہ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

توحید کا جتنا سادہ مگر جامع اور واضح تصور اسلام میں ہے کسی اور مذہب میں نہیں۔ عقیدہ توحید ہی اسلام کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس کے باقی تمام عقائد کا انحصار اور دارالاراثی عقیدہ توحید پر ہے، اس لیے اس موضوع پر بات ذرا طویل ہو گئی۔ آپ توحید کی اس بحث کو دو تین دفعہ پڑھیے۔ نہ صرف امتحان میں بلکہ آئندہ پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر نازک مرحلے اور مشکل مورث پر کام آنے والی اور مایوسیوں سے نجات دلانے والی باتیں ہیں۔

وَلِلّهِ الْحَمْدُ

## 2.12 خود آزمائی نمبر 2

- |       |   |    |
|-------|---|----|
| (2-1) | ”توحید“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیھے۔  | -1 |
| (2-2) | ”شرک“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیھے۔    | -2 |
| (2-3) | ”توحید“ اور ”شرک“ کا باہمی تعلق کیا ہے؟ | -3 |

## عملی کام

قرآن کریم کی جس آیت میں شرک کو ناقابل معافی گناہ کہا گیا ہے، وہ باترجمہ یاد کیجئے۔

دوسرے دن اسے زبانی کیھے۔ کتاب سے دیکھ کر اپنی غلطیوں کی پڑتال کیجئے۔ (2-2)

- |       |   |    |
|-------|---|----|
| (2-4) | لفظ ”الله“ کے کوئی سے تین لفظی معنی بتائیے۔           | -4 |
| (2-4) | ”الله“ کے تصور سے عموماً کون سی صفات ذہن میں آتی ہیں؟ | -5 |
| (2-4) | ”الله“ میں خالق کا مفہوم زیادہ ہے یا مالک کا؟         | -6 |



- 7 مادی اور حسی و مسائل سے ماوراء طریقے کا مطلب کیا ہے؟ مثال سے سمجھائیے۔ (2-4)
- 8 ”اللہ“ کا خیال ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہے اس کی کوئی مثال دیجئے۔ (2-5)
- 9 سائنسی علوم کس طرح اللہ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں؟ (2-5)
- 10 ہمیں اسم ”اللہ“ کو کیوں ترجیح دینی چاہیے؟ (2-5) اللہ کے ساتھ تعالیٰ کیوں لکھا جاتا ہے؟
- 11 ”خدا“ اور ”خداوند“ میں کیا فرق ہے؟ اللہ کے لیے ”خداوند“ کا استعمال ایک مسلمان کے لیے کیوں جائز نہیں ہے؟ (2-5)
- 12 ”اسماء الحسنی“ کا مطلب کیا ہے ان کو جاننا اور یاد رکھنا کیوں ضروری ہے؟ (2-9)

## عملی کام

”اللہ“ کے ناموں کے بارے میں اس سبق (2-5) اور (2-6) میں جو آپتیں لکھی ہیں۔ وہ مع ترجمہ یاد کیجئے اس کے بعد زبانی مع ترجمہ لکھیے اور کتاب سے ملا کر پڑتاں کیجئے۔ (2-6) میں دیے گئے اسمائے حسنی کو مع ترجمہ یاد کرنے کی کوشش کیجئے صرف آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد کاغذ پر یاد ہو جانے والے اسماء مع ترجمہ لکھیے۔ اب کتاب سے ملا کر اپنی غلطیوں کی پڑتاں کیجئے۔ اگر آپ نے پہلی کوشش میں یہ سب نام مع ترجمہ یاد کر لیے تو آپ ماشاء اللہ بہت ذہین ہیں۔

- 13 اللہ تعالیٰ خود کلمہ توحید کس طرح پڑھتا ہے، ”اللہ“ کا لفظ قرآن کریم میں کتنی دفعہ آیا ہے؟ (2-7)
- 14 ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ قرآن کریم میں کتنی دفعہ آیا ہے۔ ”لَا إِلَهَ“ سے شروع ہونے والی تین آپتیں کتاب سے دیکھ کر مع ترجمہ لکھیے (2-7)
- 15 توحید تمام انبیاء کی دعوت کا نقطہ آغاز تھا۔ وضاحت کیجئے۔ (2-7)

-16 قرآن میں ”شُرک“ اور ”مشرکوں“ کا ذکر کتنی دفعہ آیا ہے۔ قرآن نے ”مشرکین“ کے کون سے عقائد کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے معبودوں کے بارے میں رکھتے تھے؟ (2-8)

-17 تشبیہ سے کیا مراد ہے؟ اور شرک سے اس کا کیا تعلق ہے؟

(اشارہ: پنجیروں کو خدا جیسا مانا، خدا کو بندوں جیسا مانا)

## عملی کام

کیا سبق میں دی گئی ہدایت کے مطابق آیہ الکرسی کا ترجمہ دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا تو اب دیکھ لجھے کیا آپ کو یہ کتاب پڑھنے سے پہلے آیہ الکرسی یاد تھی۔

-18 ”توحید“ کے بیان میں آیہ الکرسی کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ (2-8)

-19 کس نبی کو لوگوں نے ”خدا کا بیٹا“ بناؤالا؟ اس کے ماننے والوں نے یا انکار کرنے والوں نے؟

-20 بزرگوں کی تنظیم ہی بعض دفعہ شرک کی صورت اختیار کر لیتی ہے قرآن کریم سے اس کی مثالیں دیجئے۔ (2-8)

-21 اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کی آمیزش کیونکر ”شُرک“ کی ایک صورت ہے؟ (2-8)

-22 عقیدہ توحید کے کم از کم تین اہم تقاضے بیان کیجئے۔ (2-9)

-23 دلیری، حریت، مساوات اور طبقاتی و نسلی مفارکہ کا عقیدہ توحید سے کیا تعلق ہے؟ (2-10)

-24 دوسرے مذاہب پر اسلامی توحید کے کیا اثرات ظاہر ہوئے؟ (2-11)

پونٹ نمبر ④

# دین اسلام ②

## (رسالت و آخرت)

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار  
نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

## فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
○	لینٹ کا تعارف	93
○	لینٹ کے مقاصد	93
-1	رسالت	94
1.1	عقیدہ رسالت و توحید کا تعلق	94
1.2	رسالت کے لغوی اور اصطلاحی معنی	95
1.3	نبوت اور رسالت کی ضرورت	96
1.4	عقیدہ رسالت کا مطلب	97
1.5	ختمنبوت _____ آخری رسالت اور اس کے خصائص	98
1.6	حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے ہم (مسلمانوں) پر حقوق	100
1.7	خود آزمائی نمبر ①	101
2	آخرت	102
2.1	عقیدہ آخرت کی اہمیت	102
2.2	آخرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی	104
2.3	عقیدہ آخرت کا مطلب _____ چھ بنیادی نکات	105
2.4	عقیدہ آخرت کا عقلی ثبوت	107
2.5	عقیدہ آخرت کی برکات	110
2.6	خود آزمائی نمبر ②	113

## یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اسلامیات لازمی (416) کی یونٹ نمبر 4 میں اسلام کے بنیادی عقائد میں سے عقیدہ رسالت و آخرت کو بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں عقائد کے درج ذیل متعلقات کو خاص طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔

- 1 عقیدہ رسالت و توحید کا تعلق اور رسالت کا مفہوم۔
- 2 نبوت و رسالت کی ضرورت اور ختم نبوت۔
- 3 خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے مسلمانوں پر حقوق۔
- 4 عقیدہ آخرت کی اہمیت اور اس کا مفہوم و مطلب۔
- 5 عقیدہ آخرت کا عقلی ثبوت۔
- 6 عقیدہ آخرت کی برکات۔

## یونٹ کے مقاصد

عزیز طلبہ و طالبات!

- اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- 1 عقیدہ رسالت و عقیدہ توحید کے باہمی تعلق کو جان سکیں۔
  - 2 رسالت کے لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم سے آگاہ ہو سکیں۔
  - 3 نبوت و رسالت کی ضرورت کو معلوم کر سکیں۔
  - 4 آخری رسالت کے خصائص سے آگاہ ہو سکیں۔
  - 5 مسلمانوں پر آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے حقوق سے واقف ہو سکیں۔
  - 6 عقیدہ آخرت کی اہمیت اور اس کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کو جان سکیں۔
  - 7 عقیدہ آخرت عقلی طور پر ثابت کر سکیں۔
  - 8 عقیدہ آخرت کی برکات معلوم کر سکیں۔

## 1 - رسالت

عقیدہ رسالت یا ایمان بالرسل یعنی رسولوں پر ایمان لانا، دین اسلام کا دوسرا نبیادی اصول ہے۔

### 1.1 عقیدہ رسالت و توحید کا تعلق

بظاہر عقیدہ رسالت کو عقیدہ توحید سے پہلے بیان کرنا مناسب تھا، کیونکہ توحید اور آخرت وغیرہ چیزوں کی خبر دراصل رسولوں کے ذریعے سے ہی معلوم ہوئی تاہم عقیدہ توحید کو پہلے بیان کرنے کی چند وجہات تھیں:

① خود انبياء و رسل عليهم السلام نے اپنی دعوت کا آغاز ہمیشہ توحید سے کیا اور سب سے پہلے غیر اللہ (اللہ کے سوا دوسری چیزوں) کی عبادت سے روکا۔ اس لیے دین میں سب سے پہلے توحید کا سمجھنا ضروری تھا۔

② عقیدہ توحید تک آدمی انبياء سے خبر پائے بغیر بھی اپنی فطرت اور عقل کی اصل رہنمائی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس معاملے میں انبياء و رسل صرف ”مذکور“، یعنی ایک بھولی ہوئی یاد دلانے والے ہیں۔ البتہ انبياء عقیدہ توحید کی کچھ ایسی تفصیلات بتاتے ہیں جن کے بارے میں انسانی عقل ٹھوکر کھاسکتی ہے اور شرک کی تمام صورتیں اسی ٹھوکر کی مظہر ہیں۔ اس لیے بھی توحید کو پہلے بیان کرنا مناسب تھا۔

تاہم عقیدہ رسالت کو توحید کے بعد بیان کرنے کی بھی کچھ وجہ ہیں:

① توحید اور خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان میں اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری، اللہ تعالیٰ کے احکام، اللہ تعالیٰ کے دین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت وغیرہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ یہ باتیں کہاں سے اور کیسے معلوم ہوں گی؟ اس لحاظ سے عقیدہ رسالت کا ایک تقاضا اور ضرورت بھی ہے۔ اس لیے اسے توحید کے بعد بیان کرنا ہی مناسب ہے۔

آدمی کلمہ طیبہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (اللہ کے سوا ہرگز کوئی معبد نہیں (اور) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کے اقرار اور اعلان سے مسلمان ہوتا ہے یا کلمہ شہادت پڑھ کر جو یوں ہے:

﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ﴾ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبد نہیں۔ بس وہی اکیلا بغیر کسی شریک یا حصہ دار کے (معبد) ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔

آپ نے دیکھا ان دونوں کلموں میں نصف اول توحید اور نصف دوم رسالت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اس لیے بھی رسالت کا بیان توحید کے فوراً بعد ہی مناسب ہے۔

## 1.2 رسالت کے لغوی اور اصطلاحی معنی

سب سے پہلے ہم رسالت اور رسول کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں:

رسالۃ (جعربی زبان میں اسی طرح لکھا جائے گا، تاہم اردو میں لمبی ت سے لمخنا درست ہے) کے لفظی معنی ہیں پیغام (Message) اور رسول کے لفظی معنی ہیں پیغمبر یا قاصد (Messenger) لفظ ”رسالۃ“ میں پیغام بھیجنے والے، پیغام، پیغام لے جانے والے، اور جس کی طرف پیغام ہے، کامفہوم موجود ہے۔

اپنے لفظی اور لغوی معنوں میں یہ الفاظ ہر طرح کی پیغام رسانی کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں اور عربی زبان میں شب و روز استعمال ہوتے ہیں۔

اب رسالت کے اصطلاحی معنی مخفی پیغام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے اور رسول کا مطلب صرف پیغمبر نہیں بلکہ ”اللہ تعالیٰ کا پیغام لانے والا“ ہے۔ خدا کی طرح رسول کے لیے بھی فارسی کی اصطلاح ”پیغمبر“ یا ”پیغمبر“

(اور اس طرح لکھ کر اسے عام پیغام بریا پیام بر) ممتاز کر دیا جاتا ہے۔ رسالت کے لیے پیغمبری اور رسول اللہ کی بجائے پیغمبر خدا اردو میں بھی عام مستعمل ہے، تاہم رسول اللہ ﷺ کہنا بہتر اور زیادہ اسلامی طریقہ ہے۔

اب صرف رسول کے معنی بھی ”رسول اللہ“ ہی کے ہوں گے۔ خصوصاً جہاں ”الرسول“ لکھا ہو وہاں تو رسول اللہ ہی مراد ہوں گے۔ (آل) سے (The) کی طرح معنی کا تعین معرفہ کے لیے ہوتا ہے۔

عقیدہ رسالت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت (مسائل زندگی میں درست رہنمائی) کی خاطر دوسراے انسانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ان ہی میں سے بعض کو چین لیا کرتا تھا۔ یہ بزرگزیدہ انسان اللہ کے رسول کہلاتے تھے اور وہ اللہ کے پیغام ہدایت کو بندوں تک پہنچاتے تھے۔

### 1.3 نبوت و رسالت کی ضرورت

یہاں ایک سوال آپ کے ذہن میں ابھر رہا ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل جیسی نعمت دے دی ہے، جس کا ایک کرشمہ وہ حیرت انگیز ترقی ہے جو انسان نے گذشتہ پانچ ہزار سال سے اب تک کی ہے۔ تو کیا یہ عقل ہی ہر قسم کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے؟ عقل بھی تو ہدایت ربانی ہی کی ایک صورت ہے۔ اس کے بعد نبوت یا رسالت کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ تو سینے! اگر ہم کائنات میں غور فکر کریں تو یقیناً ہمیں ہر جگہ اور ہر چیز میں ”خدائی رہنمائی“ کے آثار اور مظاہر نظر آتے ہیں، مگر اس کے درجے اور صورتیں مختلف ہیں۔ اب ذرا ہر چیز کے اندر اسی ”ربانی رہنمائی“ کے چند نظارے اور نمونے دیکھیے:

○ ذروں کے اندر ان کے اجزاء کو اور کائنات میں سیاروں کو کس نے ایک مقررہ راہ پر لگا دیا ہے؟

○ نباتات کی جڑوں اور پتوں کو کس نے اپنا اپنا کام سمجھا دیا ہے؟

○ حیوانات میں رہنمائی کا ایک اور ذریعہ جبلت (Instinct) کہاں سے آگیا ہے؟

○ شہد کی کمھی کو پھولوں سے رسانا، عجیب و غریب چھتے بنانا اور شہد تیار کرنے کی تعلیم کس نے دی؟

بعض پرندے اسی جلت کی رہنمائی سے کس طرح موسم کے تغیرات کو بھانپتے اور ہزار ہا میل تک نقل مکانی کرتے ہیں۔ جلت سے اوپر رہنمائی کا درجہ یا ذریعہ عقل (Intelligence) ہے۔ اس کے کچھ مظاہر بعض حیوانات میں بھی نظر آتے ہیں۔ مگر اس کی بہتر اور ترقی یافہ صورت انسان کو عطا ہوئی ہے، جو عقلی استدلال (Reasoning) سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ پھر انسانوں میں عقل سے بھی ذرا اونچا ذریعہ ہدایت اور وجدان (Intuition) ہے جو بہت کم اور خاص خاص لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وجدان عقلی استدلال کے بغیر براہ راست کسی معاملے میں حقیقت کو پا جانے (Direct Perception) کا نام ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ رہنمائی کے یہ تمام ذرائع بعض دفعہ ایک ہی مسئلے میں مختلف نتائج تک پہنچاتے ہیں۔ یہ اختلاف ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عقل اور وجدان سے بھی بالاتر ایک ایسے ذریعہ علم و ہدایت کی ضرورت ہے، جس کے بعد کسی شک یا اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ یہی ذریعہ نبوت یا رسالت ہے۔

#### 1.4 عقیدہ رسالت کا مطلب \_\_\_\_\_ بنیادی نکات

اب ہم کتاب و سنت کی روشنی میں ایمان بالرسل یا عقیدہ رسالت سے متعلق تمام ضروری باتیں بالترتیب بیان کرتے ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ رسالت پر ایمان لانا واجب ہے یعنی اس بات پر بھی کہ رسالت بحق ہے اور اللہ تعالیٰ رسول بھیجا کرتا ہے اور اس بات پر بھی کہ فلاں فلاں بزرگ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ ہر نبی اور رسول نے دعوتِ توحید کے ساتھ اپنی نبوت پر زور دیا اور رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہے: ”اس کے تمام دعوؤں، وعدوں اور تعلیمات کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرنا“۔ یہ تمام توجہ طلب ہے۔ اگر رسول کی کسی ایک بات کو بھی سچ نہ مانا تو یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت ہے۔

ہر نبی یا رسول کے ماننے والے اپنے زمانے کے مسلمان اور تکذیب و انکار کرنے والے ہی اس زمانے کے کافر ہوتے تھے۔ یعنی نبی یا رسول کے لیے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرنا ضروری ہے اور یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ

نہیں ہوتا۔ اس کے تسلیم کرنے سے ایک نئی امت وجود میں آتی ہے۔ نبوت یا رسالت کے دعویٰ کے بعد اسے ماننے یا نہ ماننے میں کوئی غیر جانب دار نہیں رہ سکتا۔ اسلام یا کفر کے دوراستوں کے سوا تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا۔

تمام انبیاء اور رسولوں کو اللہ کی طرف سے پیغام ایک خاص مخلوق کے ذریعے سے پہنچتا تھا، جنہیں ملک (فرشتوں) کہتے ہیں۔ اس خدمت پر مامور خاص فرشتے کا نام قرآن و سنت میں ”جبریل“ آیا ہے۔ اس طریقہ پیغام رسانی کو ”وہی“ کہتے ہیں۔ ملائک (فرشتوں) پر ایمان لانا بھی مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ ہم فرشتوں کی حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ یہ بھی ان حواس سے پوشیدہ اور غیر مادی نظام (غیب) کا ایک حصہ ہیں، جس پر ایمان لائے بغیر آدمی مادہ پرستی کے جال سے نہیں نکل سکتا۔ فرشتوں کے متعلق جو باتیں قرآن و سنت میں آئی ہیں، ہم ان کو صحیح سمجھتے ہیں، بس یہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بندوں کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی دیں۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بخیل اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور کا دیا جانا بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ صحف ابراہیم علیہ السلام (حضرت ابراہیم) کے کتابچوں کا ذکر بھی ہے۔

ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام اور پیغام ہوتا تھا اور زندگی کے معاملات میں ہر قسم کی ضروری رہنمائی بھیم پہنچائی جاتی تھی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان انبیاء علیہم السلام کی امتوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر ڈالی۔ اب وہ کتابیں صرف کلام الہی باقی نہیں رہیں بلکہ کچھ کلام الہی اور کچھ اضافی ملی جلی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ”قرآن مجید“ ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ واحد آسمانی کتاب ہے جو آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ و موجود ہے۔

## 1.5 ختم نبوت \_\_\_\_\_ آخری رسالت اور اس کے خصائص

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ اس سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ آپ ﷺ کے آخری نبی اور

رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے ہی یہ دعویٰ اور اعلان کیا کہ اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا<sup>(1)</sup>

آپ ﷺ سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو ایک آنے والے عظیم نبی<sup>(2)</sup> کی بشارت دیتے رہے۔ آپ ﷺ نے کسی آنے والے کی بشارت دینے کی بجائے آئندہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو ”کذاب“ (سب سے بڑا جھوٹا) کہا۔ آپ ﷺ کا سلسلہ نبوت ختم ہونے کا اعلان۔ انسانیت پر ایک بڑا احسان ہے۔ اب کوئی کسی مادراء الحواس ہستی یا ذریعے کے حوالے سے اپنی بات یا خصیت کو لوگوں پر نہیں تھوپ سکتا۔ اب ہر ایک کو عقل کی مدد سے آخری وجی الہی کی روشنی میں چلتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ پر دین مکمل ہو گیا، وہی ”دین اسلام“ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ سے پہلے تک تمام انبیاء اور رسول پیش کرتے رہے۔ اب وہ اپنی آخری شغل میں آپ ﷺ کے ذریعے انسانوں کو دیا گیا۔ ”دین اسلام“ کی تعلیمات آپ ﷺ پر قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوتی رہیں۔ آپ ﷺ نے اس کتاب کو بحکم الہی نظام حفظ و کتابت کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا محفوظ کر دیا کہ اس کے کسی ایک لفظ بلکہ حرف کے طریق املاء و تلفظ تک میں ذرا بھرتبدیلی واقع نہیں ہوتی اور اس کتاب کی حفاظت کا یہ انتظام اور نظام ”خطانا آشنا“ (Fool Proof) ہے کہ آئندہ بھی کبھی اس میں کوئی تبدیلی ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

قرآن کریم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معنوں کی بھی یوں حفاظت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کے ایک حکم پر مکمل عمل کر کے اور پورا ”دین اسلام“ برپا کر کے دُنیا کو دکھا دیا۔ قرآن کریم کے معنی اور مطلب کی اس عملی تعبیر اور تغیر کا مکمل ریکارڈ سنت کی صورت میں موجود ہے۔ سیرت اور حدیث کی ساری کتابیں اسی ”سنۃ رسول ﷺ“ کا بیان ہیں۔ دین کے مکمل ہو جانے اور دین کی اصل تعلیمات کے تحریف سے محفوظ ہو جانے میں بھی اسی بات کا اشارہ ہے کہ اب نبوت ختم ہو گئی۔

(1) آپ ﷺ کے بعد کسی اور کوئی مانا گویا حضور<sup>(ﷺ)</sup> کے اس دعویٰ کو جھلانا ہے۔ اس لیے صریح کفر ہے۔ آخری نبی ﷺ ہی سب انبیاء سے افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر سایہ انبیاء پر ایمان لانا بے کار ہے۔ حضور ﷺ کے بعد کسی کوئی مانا اس کو آپ ﷺ سے افضل مانا ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

(2) جس سے مراد آنحضرت<sup>(ﷺ)</sup> ہی ہیں۔ آپ ﷺ ہی ”ذمہ خلیل“ اور ”نوبی مسیحا“ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی بشارتوں کا مصدق۔

آنحضرت ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام صرف اپنے اپنے ملک یا قوم کے لیے معبوث کیے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سارے انسانوں اور پوری دُنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کا دین ہمہ گیر بھی ہے اور عالم گیر بھی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ”اسوہ حسنہ“ مقرر کیا تو آپ ﷺ کی پوری سیرت بھی محفوظ کر دی۔ کوئی شعبہ زندگی ایسا نہیں جس کے بارے میں آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات میں رہنمائی موجود نہ ہو۔ آپ ﷺ کی زندگی اتنی متنوع اور جامع تھی کہ حکومت اور سیاست، تجارت اور معاشرت، زہد اور عبادت، فصاحت اور خطابت، قانون اور عدالت اور انقلابی اور حربی قیادت بلکہ تعلیم و تربیت تک نہیں ہر جگہ آپ ﷺ ایک اسوہ حسنہ یا کامل نمونہ نظر آتے ہیں۔ مسلمان فخر سے سراٹھا کر کہہ سکتا ہے کہ اسے زندگی کے کسی بھی مسئلے میں رہنمائی کے لیے کسی بھی ”ازم“ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ہمارا ہادی، ہمارا آقا، محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہر معاملے میں رہنا، صرف زبانی ہی نہیں بلکہ اپنے عملی نمونے کے ساتھ رہنا ہے۔ آپ ﷺ کی رہنمائی کے مطابق چلنے میں فلاح اور آپ ﷺ کی رہنمائی سے انحراف ہلاکت کی راہ ہے۔

## 1.6 حضرت ختمی مرتبت علیہم السلام کے ہم (مسلمانوں) پر حقوق

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں رسول اللہ ﷺ سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت معلوم ہونی چاہیے۔ کہنے کو تو اور بھی کئی امتیں اپنے انبیاء کی نام لیوا ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ توحید چیزیں بنیادی چیز کو ترک کر کے آخرت کو بالکل بھول چکی ہیں۔ قرآن و سنت میں ہمیں اپنے رسول ﷺ سے تعلق کو سمجھنے اور اسے ہمیشہ درست رکھنے کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

① حضور ﷺ پر ایمان لانا آپ ﷺ کے تمام دعوؤں اور تعلیمات کی سچائی پر یقین اور اس کا اعلان کرنا۔

② آپ ﷺ کی فرماں برداری اور اطاعت کرنا، آپ ﷺ کا ہر حکم بجالانا اور آپ ﷺ کا ہر فیصلہ شرح صدر کے ساتھ قبول کرنا اور آپ ﷺ کے نمونے کو اپنانے میں فخر محسوس کرنا۔

③ آنحضرت ﷺ سے بے پناہ محبت کرنا۔ اپنے تمام مفادات اور اپنی تمام خواہشات کو حضور ﷺ کے احکام کے تابع کر دینے کو اس محبت کا مظہر اور معیار بنانا۔

④ آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ادب اور احترام کرنا اور آپ ﷺ کی عظمت اور جلال کے احساس سے ہمیشہ تواضع اور انگسار سے رہنا۔ آپ ﷺ کی ادنیٰ سی نافرمانی اور خلاف ورزی سے بھی ہر وقت بچتے رہنا۔

⑤ حضور ﷺ کی امت یعنی تمام مسلمانوں کی خیرخواہی کرنا اور ان کے مسائل اور مصائب میں اضافے کا سبب نہ بننا۔

⑥ حضور ﷺ کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے پھیلانا۔ تبلیغ دین سے غافل یا بے تعلق نہ رہنا۔

### 1.7 خود آزمائی نمبر ①

- 1. عقیدہ رسالت سے پہلے عقیدہ توحید کو کیوں بیان کیا گیا ہے۔
- 2. عقیدہ رسالت کو عقیدہ توحید کے بعد بیان کرنے کی وجہات لکھیے۔
- 3. رسالت اور رسول کے لفظی اور اصطلاحی معنی بتائیے۔
- 4. نبوت یا رسالت کی ضرورت کیوں ہے؟
- 5. جبلت، وجدان اور عقل کیا کام دیتے ہیں نیز بتائیے کہ انسان اور حیوان کی عقل میں کیا فرق ہے۔
- 6. رسالت پر ایمان اور کسی خاص رسول پر ایمان میں کیا فرق ہے؟
- 7. نبوت اور رسالت کے لفظی معنی لکھیے۔ دونوں میں مشترک بات کیا ہے؟
- 8. مندرجہ ذیل الفاظ کو فقرنوں میں استعمال کیجئے۔ معصوم، مبشر، مجhzہ، آیت، اطاعت
- 9. تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں سے تین بنیادی مشترک چیزوں کا ذکر کیجئے۔
- 10. آخری رسالت کے خصائص بیان کیجئے۔
- 11. خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کے مسلمانوں پر کون کون سے حقوق ہیں؟

## 2- آخرت

### 2.1 عقیدہ آخرت کی اہمیت

ایمان با لیوم الآخرہ یا عقیدہ آخرت اسلام کا تیسرا بنیادی اصول یا عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل امور پر غور کجئے۔

① قرآن میں آخرت کا بیان اتنی جگہ اور اتنی آیات میں ہوا ہے کہ مجموعی طور پر یہ توحید و رسالت کے بیان سے بھی زیادہ بنتا ہے۔

② قرآن کریم میں چوبیس مقامات پر ایمان کا ذکر صرف اللہ اور آخرت پر ایمان کہہ کر کیا گیا ہے۔ (حالانکہ ایمان کے اصول میں اللہ کے رسولوں بلکہ اس کے فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔) اس سے صرف عقیدہ توحید کے ساتھ عقیدہ آخرت کا تعلق اور اس کی اہمیت واضح ہوئی ہے۔

③ قرآن کریم میں آخرت کا ذکر ”اللَّيْوْمُ الْآخِرُ“ کہہ کر 24 جگہ آیا ہے اور لفظ ”الْآخِرَةُ“ 112 جگہ پر آیا ہے اس کے علاوہ ﴿يَوْمُ الْبَعْثٍ﴾ (جی اٹھنے کا دن)، ﴿يَوْمُ الْحِسْنَة﴾ (حرست کا دن)، ﴿يَوْمُ الْحِسَاب﴾ (حساب کا دن)، ﴿يَوْمُ الْفُصْل﴾ (قطعی فیصلہ کا دن)، ﴿يَوْمُ الْخُرُوج﴾ (نکلنے کا دن)، ﴿يَوْمُ الْقِيَامَة﴾ (کھڑے ہونے کا دن)، ﴿يَوْمُ الْحَق﴾ (برحق دن) وغیرہ کوئی بیس کے قریب ناموں سے اس کا ذکر کیا ہے۔ يَوْمَ ..... (جس دن کہ) یا يَوْمَ مَيْدِن..... (آج کے دن) سے شروع ہونے والی دوسرے قریب آیات میں آخرت کا بیان موجود ہے۔

④ قرآن کریم میں مقابل پر زور دینے کے لیے بیس سے زائد مقامات پر ”دنیا اور آخرت“ کا کیجا ذکر ہوا ہے۔<sup>(1)</sup>

اس کے علاوہ عقیدہ آخرت کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے ﴿ثوابُ الْآخِرَة﴾ (آخرت کا ثواب)، ﴿أَجْرُ الْآخِرَة﴾ (آخرت کا اجر)، ﴿دَارُ الْآخِرَة﴾ (آخرت کا گھر)، ﴿عَذَابُ الْآخِرَة﴾ (آخرت کی سزا)، ﴿حَوْثُ الْآخِرَة﴾ (آخرت کی حیثیت) اور ﴿نَكَالُ الْآخِرَة﴾ (آخرت کی ذلت)، وغیرہ تراکیب کا استعمال بکثرت کیا گیا ہے۔

⑤ یہی وہ عقیدہ ہے جو دنیا کے تمام مذاہب کی کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آخرت کا خیال فطری طور پر ہر شخص کے اندر گاڑ دیا گیا ہے۔ جب سے انسان اس دنیا میں بننے لگا ہے، یا کم از کم جب سے اس کی تاریخ کسی طرح سے بھی معلوم ہوئی ہے، ”اللہ“ اور ”آخرت“ کا عقیدہ یا ان کا کچھ نہ کچھ تصور ہمیشہ انسانوں میں موجود رہا ہے۔

⑥ قرآن کریم میں جن انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدے کو ہمیشہ اپنی دعوت کا نقطہ آغاز قرار دیا۔

⑦ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ ”عقیدہ آخرت“ اسلام کا اساسی عقیدہ ہے۔ توحید اور رسالت کی طرح اس کے بارے میں بھی کسی شک و شبہ میں پتلا رہنا اسلام اور ایمان کے یکسر منافی ہے۔ اس لیے ان تمام عقائد کو عقلی دلائل سے سمجھ کر علی وجہ البصیرت اختیار کیجئے۔ قرآن کریم نے خود یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

1- ہمارے ہاں عموماً ”دین اور دنیا“ ایک دوسرے کے مقابل تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآن و سنت کے مطابق اصل مقابلہ دین اور دنیا میں نہیں بلکہ ”دنیا اور آخرت“ میں ہے۔ مسلمان کو دنیا چھوڑ دینے کا حکم نہیں ہے۔ البتہ جہاں دنیا اور آخرت کے فائدے میں سے ایک کو چھوڑنا ضروری ہو جائے تو مسلمان وہ ہے جو دنیا کے مقابلے میں آخرت کے فائدے کو ترجیح دے۔

## 2.2 آخرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی

آگے چلنے سے پہلے ہم ”آخرة“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں۔ عربی میں ”آخر“ کا معنی ہوتا ہے۔ ”آخری“۔ سب سے پچھے، کسی کی لمبائی، مثلاً، رہی یا فاصلے وغیرہ کا دوسرا سرا (آخر کی ضد یا مقابل کا لفظ ”اول“ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے) انگریزی میں اس کا ترجمہ Last یا (Letter End, End) سے کر سکتے ہیں۔ لفظ ”آخرة“، اسی ”آخر“ کا مؤنث ہے۔ قرآن کریم میں چونکہ یہ لفظ ”الدار“ (گھر) کے ساتھ بطور صفت کے استعمال ہوا ہے۔ اور دار کا لفظ عربی میں مؤنث ہے۔ جیسے اردو میں مکان کہیں تو مذکور کو کوئی کہیں تو مؤنث ہو گا۔ اس لیے صفت بھی مؤنث ”آخرة“، استعمال ہوئی ہے۔ اور یوں ﴿الَّدَارُ الْآخِرَةُ﴾ کا معنی ہنا ”آخری گھر“۔ کثرت استعمال سے ”دار“ کا لفظ ساتھ استعمال نہ ہونے پر صرف لفظ ﴿الْآخِرَةُ﴾ کے معنی بھی وہی ”آخری گھر“ ہی ہوں گے۔ ”یوم“ (دن) کا لفظ چونکہ عربی میں اردو کی طرح مذکور ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ ترکیب تو صیغی میں ”آخر“، بھی مذکور استعمال ہوتا ہے اور یوں آخرت کے معنوں میں دوسرا لفظ ﴿الْيَوْمُ الْآخِرُ﴾ بتاتا ہے، جس کے معنی ہیں ”آخری دن“۔

اب آئیے اصطلاحی معنوں کی طرف۔ کون سا آخری گھر؟ کون سا آخری دن؟ ”آخرة“ (جسے اردو میں آخرت لکھنا درست ہے) کے اصطلاحی معنی یوں بتتے ہیں کہ ”مرنے کے بعد دوسری زندگی اور اس میں ملنے والا ٹھکانا“ اور ”إِيمَانٌ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ“ یا عقیدہ آخرت کا مطلب ہوا کہ ”اس بات کا اعتقاد کہ مرنے کے بعد دوبارہ ایک زندگی ملے گی“۔ قرآن مجید میں اس آخری یا دوسری زندگی کے لیے ایک لفظ ”معاد“، بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی ہیں ”لوٹنے کا وقت یا جگہ“ اور اصطلاحی معنی وہی ہیں جو ”آخرت“ کے ہیں، مگر یہ لفظ اردو میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

اگر بات صرف دوبارہ زندگی کی ہوتی تو اس میں گھبرا نے کی کیا ضرورت، اس سے تو ظاہر مسرت ہونی چاہیے کہ ہم دوبارہ زندہ ہوں گے لیکن مسئلہ صرف دوبارہ زندگی پانے کا نہیں۔ اس کے ساتھ کچھ اور امور بھی وابستہ ہیں۔

## 2.3 عقیدہ آخرت کا مطلب۔ چھ بنیادی نکات

اب ذرا قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں عقیدہ آخرت کی کچھ تفصیل سنئے۔ یہ مضمون قرآن کریم کی سینکڑوں آیات کا خلاصہ ہے۔ انفرادی طور پر تو ہر انسان کی موت ایک قطعی اور یقینی امر ہے جس سے دُنیا کا کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک دن یہ پورا کرہ ارض تباہ ہو جائے گا اور سب کے سب انسان مر جائیں گے۔ قرآن سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام بھی یہی تعلیم دیتے رہے۔ اس تباہی کے وقت کو قرآن کریم میں چالیس مقامات پر ﴿السّاعۃ﴾ (مقررہ گھٹی یا وقت) کہا گیا ہے۔ (ہمارے ہاں عام طور پر اس کے لیے لفظ ”قيامت“ بولا جاتا ہے اور اب یہ ﴿السّاعۃ﴾ کے معنی ہی رکھتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں ﴿يَوْمُ الْقِيَامَةِ﴾ ”مرنے والے دن کے لیے نہیں بلکہ دوبارہ جی اٹھنے کے دن کے لیے آیا ہے۔ اس کی بڑی خوف ناک کیفیت بیان ہوئی ہے۔

کفار ہمیشہ رسولوں کی اس بات کو ناممکن کہہ کر اس کا مذاق اڑاتے۔ ان کے دانشور کہتے تھے کہ:

دُنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ طوفان، زلزلہ، سیلاں، جنگ، وباء وغیرہ میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں انسان ضرور مر سکتے ہیں، مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دُنیا میں ایک بھی انسان زندہ نہ رہے۔

انبیاء علیہم السلام صدیوں تک یہ بات دھراتے رہے۔ ہمارے نبی ﷺ جو پہلے نبی سے ہزاروں سال بعد آخر میں تشریف لائے، انہوں نے بھی یہی بات فرمائی، بلکہ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

”اب وہ وقت دُور بھی نہیں ہے۔ اس کو بھی چودہ سو چھپیں (1425) برس گزر چکے۔“

موت انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ زندگی کا انجام نہیں ہے، بلکہ ایک اور زندگی کا آغاز ہے۔ ہر انسان مرتے ہی ایک طرح کی ”عبوری نئی زندگی“ شروع کرتا ہے، جسے قرآن کریم نے ”برزخ“ کہا ہے۔ جب اجتماعی ہلاکت واقع ہو چکے گی تو اس کے بعد دوبارہ سب کے سب انسانوں کو زندہ کیا جائے گا۔ اب ایک ایک فرد سے اکیلے

اکیلے اس پہلی (دنیا کی) زندگی میں کیے گئے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ انسان کی کوئی نیکی یا بدی چھپی نہیں رہ جائے گی۔ قرآن کریم نے اس ﴿یوم الحساب﴾ کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، وہ لرزانے والی ہیں۔ اس دن دھن، دھونس، دھاندی بروں کے کچھ کام نہیں آ سکے گی۔ نہ سفارش، نہ بہانہ، معافی کا وقت بھی گزر چکا ہو گا۔ اس کے ساتھ اس دُنیا میں بظاہر ضائع ہو جانے والی نیکیوں کے مسرت افراء نتائج نیکوں کے سامنے آئیں گے۔ قرآن کریم کی صرف دو آیات اس حساب کتاب کی کیفیت سمجھانے کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ (الازال: 7-8)

(تو جو ایک ذرہ بھر بھلانی کرے گا، اسے دیکھ لے گا، اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا)۔

اس حساب کتاب کے نتیجے میں مجموعی طور پر نیک و بد اور اچھے اور بردے انسان الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ دونوں قسم کے انسانوں کو اب ایک ابدی زندگی دی جائے گی۔ جس میں موت نہیں آئے گی مگر زیادہ نیک کرنے والوں کو نعمتوں سے نوازا جائے گا، جب کہ زیادہ برائی کرنے والے بدترین سزا پائیں گے۔ اس انعام اور اس سزا کا ذکر قرآن کریم نے ﴿جَنَّة﴾ (بہشت) اور جہنم (دوزخ) کہہ کر کیا ہے۔ آخرت کے اس حساب کتاب میں، اللہ کی عدالت میں، کون سے قانون کے مطابق پرکھ کی جائے گی؟

○ نیکی و بدی کا معیار کیا ہو گا؟

○ گواہ کہاں سے لائے جائیں گے؟

○ ہر آدمی کے اعمال کا ریکارڈ کہاں سے لیا جائے گا؟

یہ سب کچھ اس دین اور قانون کے مطابق ہو گا جس کی خبر اس زندگی میں رسولوں کے ذریعے دے دی گئی تھی۔ اسی لیے اس دن کا نام بھی قرآن میں ﴿یوم الدّین﴾ آیا ہے۔ یعنی جزا و سزا کا دن، یا ﴿دین﴾ نتائج کے ظہور کا دن۔ اس دن توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان یا ان کے انکار کے اچھے برے نتائج سامنے آ جائیں گے۔

اس دن انبیاء علیہم السلام کی تبصیر (خوشخبری دینے) اور انذار (ذرانے) کی ایک ایک بات درست ثابت ہوگی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی عظمت اور ان کی تعلیمات کی صداقت اس دن روز روشن کی طرح عیاں ہوگی۔ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ اس دن اپنے بلند ترین مرتبے ”مقام محمود“ پر جلوہ گر ہوں گے۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد آنے والی زندگی میں شعور کا تسلسل جاری رہے گا، یعنی تمام اچھے یا بے لوگ اپنے اس دنیاوی زندگی میں کیے گئے کاموں اور کہی گئی باتوں کو یاد کریں گے، انہیں علم ہو گا اور بتا دیا جائے گا کہ انعام کس لیے مل رہا ہے اور سزا کس لیے؟

## 2.4 عقیدہ آخرت کا عقلی ثبوت

یہ تو تھا عقیدہ آخرت یعنی موت کے بعد کی زندگی کا مختصر حال جس طرح قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ اب ذرا دوسرے پہلو پر غور کیجئے۔ ان تمام باتوں کے واقع ہونے پر یقین کرنا یا ایمان لانا واقعی آسان کام نہیں ہے۔ عقل کو تاہ بین کو یہ ساری باتیں ناممکن اور بے بنیاد نظر آتی ہیں۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کے مخاطب بھی اور کفار مکہ اور مشرکین عرب بھی مرنے کے بعد دوبارہ کسی زندگی کے تصور کو ”داماغ کا خلل“ سمجھتے تھے۔ وہ سب سے زیادہ اسی ”عقیدہ آخرت“ اور ”حیات بعد الموت“ کو جھلاتے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ آج بھی بہت سے لوگ آخرت کے صریح منکر یا کم از کم اس کے بارے میں شک و شبے میں بتلا ہیں۔ آئیے دیکھیں قرآن کریم نے انکا ر آخرت کے دلائل کو کس طرح معقول جوابات سے رد کیا ہے اور اس آخرت کے ثبوت میں کیسے دل میں اتر جانے والے دلائل پیش کیے ہیں۔

کفار مکہ کا پہلا اعتراض بڑا سائنسی فکر قسم کا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جب انسان کی ہڈیاں بھی گل سڑ گئیں تو وہ دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا۔ انہیں اپنے اس استدلال پر بڑا ناز بھی تھا۔ اسے وہ مکہ کی ہر مجلس میں دہراتے پھرتے تھے۔ یہ تو ایک سائنسی حقیقت ہے کہ انسان جن عنابر کا مجموعہ ہے کم از کم جسم کی حد تک (روح کا معاملہ تو

سائنس کی حد سے باہر ہے) ان سب کا علم ہے باہم تناسب اور توازن تک کا۔ مگر مرنے کے بعد یہ سب عناصر منتشر ہو جاتے ہیں۔ ان سب کا دوبارہ ایک جگہ، اسی ترکیب اور تناسب سے جمع ہونا ممکن ہی نہیں۔ لہذا موت کے بعد زندگی ہی ثابت نہیں ہو سکتی تو آخرت کی باقی باتیں خود بخود غلط ثابت ہو جاتی ہیں۔ اس کا جواب قرآن کریم نے بار بار یہ دیا ہے کہ تم اپنی پہلی زندگی پر غور کرو۔ تمہارے اس فانی جسم کے عناصر کس طریقے سے کہاں کہاں سے جمع کر کے تمہیں یہ زندگی دی گئی۔ کائنات میں دیکھتے نہیں کس طرح بے جان (Inorganic) عناصر سے زندگی (Living Organism) پھوٹتی ہے۔ نباتات، حیوانات اور خود انسان کے مراحل تخلیق اور توالد و تناسل پر غور کرو وہ زبردست طاقت، جو علیم و حکیم اور عزیز و قدیر اس کرہ ارض پر حیات کے یہ عجائب دکھا سکتا ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندگی دینا کیسے ممکن نہیں؟ زمین سے نکلنے والی کن کن خوراکوں کے ذریعے تمہاری تولید کا سامان تمہارے والدین کے جسم میں لا جمع کیا۔ پھر حرم مادر سے جس زندگی کا آغاز ہوا، اس کے مراحل پر غور کرو جب تم مان کے پیٹ میں تھے، تو کیا اپنی بیس سال کی عمر کے تجربات کا کوئی تصور کر سکتے تھے؟ حالانکہ ان بیس برسوں میں تو تمہاری جسمانی زندگی کا تسلسل بھی موجود رہا ہے، پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اس کرہ ارض پر رہنے والی تمام مخلوقات سے افضل اور بہتر ہے۔ یہ صاحب عقل و ارادہ مخلوق ہے۔ اس کے اندر حیرت انگیز جسمانی، ذہنی اور روحانی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگر یہ نظریہ ارتقاء کو مان لیا جائے تو بھی یہ زندگی کی سب سے زیادہ ”ارتقاء یافتہ“ صورت ہے۔ تو کیا اس کا موت کے ذریعے بالکل ضائع ہو جانا عقولاً قبل قول ہے؟ کیا یہ سارا ارتقاء اور انسان کی ساری استعداد ایک ” فعل عبث“ ہے؟

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَ أَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ (المؤمنون: 115)

(کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے)۔

کائنات کی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے، کوئی چیز بیکار نہیں، اور غور سمجھنے انسان کو کائنات کی ہر شے کی ضرورت ہے مگر انسان کی ضرورت کس کو ہے؟ ہر چیز انسان کے بغیر رہ سکتی ہے۔ مگر انسان، زمین، ہوا، اور پانی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تو کیا یہ عقل کی بات ہے کہ یہ مخلوق (انسان) جس کے لیے گویا سب کچھ بنایا گیا ہے یہ خود بے کار محض ہو؟

انسانی ذہن اسے قبول نہیں کر سکتا۔ عقل ہی کہتی ہے کہ حضرت انسان کے لیے یقیناً:

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

انسان کے اندر نیکی و بدی یا اچھائی و برائی کا ایک فطری تصور موجود ہے۔ اجتماعی عقل انسانی یعنی تمام قوموں اور ملکوں کے لوگ بعض کاموں کے برا ہونے اور بعض کاموں کے اچھا ہونے پر متفق ہیں۔ اسی بنیاد پر مختلف قوموں میں جرم و سزا اور قانون و انصاف کے پیمانے بنائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہم یہ اکثر دیکھتے ہیں کہ بعض انسان ساری دنیا کی رائے میں برے کام کرتے ہیں، مگر پوری زندگی میں وہ کسی طرح قانون و انصاف کی گرفت میں نہیں آتے، مرکر یہ بھی خاک ہو گئے۔

دوسری طرف کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زندگی بھر تمام اچھے کام کرتے ہیں جنہیں ساری دنیا اچھے کام کہتی ہے مگر پوری زندگی میں کوئی انہیں داد نہیں دیتا۔ نہ وہ کوئی انعام پاتے ہیں، نہ شہرت، اپنی نیکی کا انہیں کوئی دنیوی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ بھی مرکر خاک ہو جاتے ہیں۔ دونوں برابر ہو گئے، وہ بھی خاک یہ بھی خاک۔ پاک اور ناپاک کا ایک ہی انجام، عقل اسے کیسے تسلیم کرے؟ انسانی ضمیر اور فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی ایسا نظام انصاف ہونا چاہیے، جہاں نیکی اور بدی کو پرکھ کر آخري اور مکمل متأجح سامنے لائے جائیں۔ یہی ہے عقیدہ آخرت کا فطری تقاضا اور عقلی ثبوت۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ امْنَوْا وَعَمِلُوا الصِّلَاةَ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ زَانْ نَجْعَلُ

﴿الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (سورہ ص: 28)

(کیا ہم ایمان لانے اور اچھے کام کرنے والوں کو ان جیسا کر دیں جو زمین میں بگاڑ پھیلاتے ہیں پا ہم پر ہیز گاروں کو نافرمان شریوں کے برابر کر دیں)۔

کفار اور منکرین آخرت کو موت کے بعد زندگی اور جزا و سزا پر تعجب تھا۔ قرآن کریم نے، انسانی فطرت نے، انہیاء اور رسولوں نے کس طرح خود ان کی دانشوری کو ایک تعجب انگیز حماقت ثابت کر دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

2.5 عقیدہ آخرت کی برکات

عقیدہ آخرت کے خوشنگوار اثرات اور ذریعہ تعلیم و تربیت کے طور پر اس کے استعمال کے فوائد و طرح سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

برائی سے بچنے میں۔ ① نیکی کی طرف چلنے میں۔ ②

قرآن کریم نے ایک جگہ (سورة المؤمنون : ۱۲-۱۳) میں انسان کی تخلیق اور تولید کے مختلف مراحل کا ذکر کر کے اس سے ﴿أَحْسِنُ الْخَالقِينَ﴾ کی قدرت کاملہ پر استدلال کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے:

شَمَّ إِنْكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمْ يَتُوْنَ○ ثُمَّ إِنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبَعْثُونَ○

(تو پھر یقیناً اس کے بعد تم ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر یقیناً تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے)۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کو زور دار الفاظ میں بیان کرنا تو خیر کوئی بات ہوئی۔ آیات بالا میں قبل غور بات یہ ہے کہ موت کے ”یقیناً“ اور ”ضرورتی“ واقع ہونے کی خبر دینا بھی ناقابل یقین بات ہے؟ کون نہیں جانتا کہ موت تو آئے گی ہی۔ پھر ان آیتوں میں ”موت“ اور ”موت کے بعد زندگی“ کو یکساں یقین انگیز الفاظ بلکہ موت کے لیقینی ہونے کو زیادہ تاکید کے ساتھ بیان کرنے میں آخر حکمت کیا ہے؟ ہاں

یقیناً ہے۔ آدمی اگر مرنے کے بعد آنے والی زندگی کو بھول بھی جائے تو اور صرف یہی یاد رکھے کہ اسے مرنा ضرور ہے اور کچھ معلوم نہیں موت کس وقت آجائے اتنی سی بات بھی اسے ہزاروں برائیوں سے روک سکتی ہے:

- ”میں یہ جو ناجائز ذرائع سے ملازمت کر رہا ہوں یا دولت حاصل کر رہا ہوں کیا ممکن نہیں کہ میں دنیا میں ہی اس سے فائدہ نہ اٹھاسکوں؟“
- ”مکرو弗ریب سے حاصل ہونے والے مفادات سے استفادہ کب تک؟“
- ”کسی مظلوم کی آہوں کی قیمت پر، معاشرے کو بتاہ کرنے کے عوض میں اور قوم، ملک یادِ دین سے غداری کے انعام میں مجھے جو کچھ مل رہا ہے کیا یہ کچھ بعید ہے کہ مجھے دو دن بھی اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہ مل سکے؟“
- ”تو پھر آخر یہ کیوں کروں؟“
- ”اگر ایک آدمی برائی کرتے وقت اس انداز میں اور ان خطوط پر سوچنے لگے تو کیا صرف موت کے ذکر سے ہی وہ برائی سے بچ نہیں سکتا؟“
- ”اور پھر اگر انسان کو آخرت کے حساب کتاب کا خیال بھی ہو تو وہ ہر وقت اپنا احتساب کیوں نہیں کرے گا؟“

حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ آخرت کے بغیر بہتر اور صالح معاشرے کا قیام ناممکن ہے۔

عقیدہ آخرت کی حکمتوں، فائدوں، معاشرتی زندگی پر اس کے صحت مندانہ اثرات اور اخلاقی نظام میں اس کی اہمیت کا یہ صرف قانونی یا زیادہ سے زیادہ اخلاقی پہلو ہے۔ یہ بھی اچھا ہے۔ مگر اتنا ہی جتنا ایک طالب علم کا صرف فیل ہونے سے بچ جانا۔ آخرت کی سزا کا تصور بس برائی سے بچا سکتا ہے، بھلائیوں کی

دوڑ میں آگے نکلنے پر آمادہ نہیں کر سکتا، یہ کام عقیدہ آخرت کا دوسرا پہلو یعنی آخرت کی نعمتوں کے تصور سے ہوتا ہے:

”جب ایک آدمی اس بات پر دل سے ایمان لاتا ہے کہ اس دُنیا کی ساری نعمتوں اور لذتیں آخرت کے مقابلے میں یقین ہیں، تو دُنیا کی آرائش اور ضرورت سے زائد چیزوں سے پر ہیز اور قناعت کے ساتھ ساتھ آخرت کی فکر، ان کاموں سے دلچسپی جو اخروی زندگی میں نفع دے سکیں۔ اللہ کے سامنے حاضری کا شوق، جو کچھ اللہ کے ہاں ہے اس دُنیا پر ترجیح دینا، ایمان پر خاتمه اور اللہ کی راہ میں موت کا استقبال، یہ امور اس کے احساس و شعور اور ایمان و وجدان کا جزو بن جاتے ہیں۔ ایسا آدمی جب آخرت کا ذکر کرتا ہے تو ایک بے ساختگی لذت اور لطف کی کیفیت سے کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت بڑی قوت، گرم جوشی اور یقین کے ساتھ دیتا ہے۔ یہ دراصل عقیدہ آخرت کی خاصیت ہے کہ وہ قدرتی طور پر اپنے ماننے والوں میں اس زندگی کی بے وقتی خواہشات پر قابو اور مردگانی و حق پرستی کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔ اس میں قطعاً شک نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور کی فتوحات و ترقیات اور اس کی عام تبلیغ و اشاعت اسی ایمان اور عقیدہ آخرت کی مرہون منت تھیں۔

مگر خیال رہے کہ عقیدہ آخرت اور اس دُنیا کی زندگی کے تحریر و قلیل ہونے کے بارے میں قرآن کریم و اسلام کے نقطہ نظر کا اس ناپسندیدہ رہبانیت اور ترک دُنیا کے تصور سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں مگر جسے اسلام کی تعلیمات سے غفلت اور بعض غیر اسلامی روحانیات کے زیر اثر خود مسلمانوں میں بھی راہ پا گیا تھا۔

عقیدہ آخرت اس دُنیا کی حق تلفی اور اس کی صحیح قدر و قیمت سے انکار کے بغیر صرف آخرت کی ترجیح پر قائم ہے۔ اس کی بنیاد آخرت کی جدوجہد، حق و صداقت کے لیے سچی مسلسل اور

لازوں زندگی کے حصول کے لیے عارضی اور فانی خواہشات کی قربانی اور رضاۓ الہی کی طلب ہے۔ اس میں ذرا شبه نہیں کہ مسلمان صرف اسی عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے کمزور ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی نئی نسل جو آج کل ہوا و ہوس میں گرفتار نظر آ رہی ہے، اس کو اس عقیدہ آخرت کی تجدید، اس کے از سر نو احیاء اور مسلمانوں میں اس کی اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔ کھسکی ہوئی چول اس وقت تک اپنی صحیح جگہ پر نہیں آئے گی اور مسلمانوں کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس زندگی اور آنے والی زندگی کو قرآن کریم کے نظمے نگاہ سے دیکھنا شروع نہ کریں گے۔“

## 2.6 خودآزمائی نمبر 2

- 1 ”آخرت“ کا لفظ قرآن کریم میں کتنی جگہ آیا ہے؟ (4-1)

-2 مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیں:

قرآن کریم میں آخرت کا ذکر ”اليوم الآخرُ“، ”الآخرة“

(4.1) يَوْمُ الْحِسَابٍ ، يَوْمُ الْحَسْرَةِ ، يَوْمُ الدِّينِ ، يَوْمُ الْعِدْلِ اور يَوْمُ الْحَقِّ

عقیدہ آخرت کی اہمیت کو کوئی سے تین نکات کے ذریعے سے واضح کیجئے۔ (4.2)

(4.2) ”معاد“ اور ”آخرت“ میں کیا تعلق ہے؟

(4.3) ﴿السَّاعَة﴾ سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم میں یہ لفظ کتنی بار آیا ہے؟ ﴿مشقال ذرَة﴾ والی دونوں آیات کا ترجمہ لکھیے۔ آخرت کا حساب کتاب کس قانون کے مطابق ہوگا۔ عقیدہ آخرت کے ثبوت میں قرآن کریم نے کیا دلائل پیش کیے ہیں؟

- 8- کفار کو حیات بعد الموت پر سب سے بڑا اعتراض کیا تھا، قرآن کریم نے اس کا کیا جواب دیا؟
- 9- عقیدہ آخرت بدی سے کیسے بچاتا ہے اور نیکی پر کیسے آمادہ کرتا ہے؟
- 10- انبیاء علیہم السلام بگزیری ہوئی اُمتوں کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے کن دو عقائد پر زور دیتے تھے؟
- 12- عقیدہ آخرت کی برکات پر مختصر مگر جامع نوٹ لکھیے۔

یونٹ نمبر ⑤

# دین اسلام ③<sup>(عبادات)</sup>

تحریر: پروفیسر حافظ احمد یار  
نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

## فہرست مضمایں

نمبر شمار			
	عنوان	صفحہ نمبر	
○	لیونٹ کا تعارف	117	
○	لیونٹ کے مقاصد	117	
-1	عبادات	118	
1.1	عبادات کے معنی	118	
1.2	عبادات کا عقیدے سے تعلق	119	
1.3	اسلامی عبادت کی اہمیت	119	
1.4	عبادات اور عبادت کا مفہوم	120	
-2	نماز	122	
2.1	نماز کے معنی	122	
2.2	نماز کی اہمیت	122	
2.3	اسلام میں نماز کی تاریخ	123	
2.4	نماز کی اصطلاحات	123	
2.5	نظام نماز — سنت متواترہ	124	
2.6	نماز کی روح اور خشوع	126	
2.7	نماز کا فلسفہ	126	
2.8	بے نمازیوں کا فلسفہ	127	
2.9	خود آزمائی نمبر 1	128	
-3	زکوٰۃ	129	
3.1	زکوٰۃ کے معنی	129	

130	زکوٰۃ کی اہمیت	3.2
130	زکوٰۃ کے احکام	3.3
131	زکوٰۃ کے مقاصد	3.4
134	خود آزمائی نمبر 2	3.5
135	روزہ	-4
135	روزے کے معنی	4.1
135	روزے کی اہمیت	4.2
137	روزے کے مقاصد	4.3
138	روزے کے متفرق احکام	4.4
139	خود آزمائی نمبر 3	4.5
140	حج	-5
140	حج کے معنی	5.1
142	حج کی اہمیت	5.2
143	حج کے مقاصد اور منافع	5.3
145	خود آزمائی نمبر 4	5.4
146	جہاد	-6
146	جہاد کا مفہوم	6.1
148	جہاد، قرآن کی نظر سے	6.2
149	جہاد، حدیث کی رو سے	6.3
150	خود آزمائی نمبر 5	6.4

## لیونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات

اسلامیات لازمی (416) کی پونٹ نمبر 5 دین اسلام کے شعبہ عبادات کے متعلق ہے اور اس میں درج ذیل امور کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

- 1 لفظ عبادت کے معنی، عقیدے سے اس کا تعلق اسلامی عبادات کی اہمیت اور عبادات و عبادت کا مفہوم۔
- 2 نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد کے متعلقات۔

## لیونٹ کے مقاصد

عزیز طلبہ و طالبات!

اس پونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- 1 ”عبادات“ کے لفظی اور اصطلاحی معنوں سے آگاہ ہو سکیں۔
- 2 ”عبادات“ اور ”عقیدے“ کے تعلق کو سمجھ سکیں۔
- 3 ”عبادات“ کی اہمیت سے آشنا ہو سکیں۔
- 4 دین اسلام کی اہم اور بنیادی عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے ضروری احکام اور اغراض و مقاصد سمجھ سکیں۔
- 5 جہاد کی ضرورت، اہمیت اور افادیت جان سکیں۔

## ۱ عبادات

### 1.1 عبادت کے معنی

عبدات کے لفظی اور اصطلاحی معنوں کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ”عبدات“ کا ترجمہ عام طور پر ”بندگی“ کیا جاتا ہے۔ عربی میں ”عبد“ اور فارسی میں ”بندہ“ زرخید غلام کو کہتے ہیں (جن کا پہلے زمانے میں عام رواج تھا)۔ اس لحاظ سے عبادت یا بندگی کا مطلب ہوا غلام ہونا، غلامی قبول کرنا یعنی مالک کے ہر حکم کی دل و جان سے تعقیل کرنا۔ ہر کام اپنے آقا و مالک کی خوشنودی کے لیے کرنا۔ اسی سے عبادت میں ”پوجا اور پرستش“ کے معنی پیدا ہوتے ہیں، اسی سے عبادت کے اصطلاحی معنی نکلتے ہیں یعنی ”ایک خاص مقررہ کیفیت اور رہیت کے ساتھ اپنے خلوص اور عاجزی کا اظہار کرنا“، جس کے مختلف طریقے ہر مذہب و ملت میں رائج ہیں۔

آپ کو ”غلامی“ کے تصور سے عبادت کے معنوں کا تعلق شاید عجیب لگا ہو۔ غلامی تو سیاسی بھی بُری ہوتی ہے اور معاشرتی بھی۔ کیا اسلام کا مطلب ہے ”آزادی“، کھود دینا اور ”غلامی“ اختیار کر لینا؟ جی ہاں! مگر کس سے ”آزادی“ اور کس کی ”غلامی“؟ یہ بھی تو سوچیے۔ دُنیا میں مطلق آزادی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہاں ہر شخص کو چھڑی گھمانے کی آزادی اس حد پر ختم ہو جاتی ہے، جہاں سے دُوسرے کی ناک کی حد شروع ہوتی ہے۔ کیا کسی بھی انسانی معاشرے میں (اور آپ جانتے ہیں کہ انسان ہی وہ ”جانور“ ہے جو معاشرے کے بغیر نہیں رہ سکتا) ہر آدمی کو یہ آزادی دی جا سکتی ہے کہ وہ جو چاہے کرے، تو بھی! آزادی کو محدود تو کرنا ہی پڑے گا اور مادر پدر آزادی کو تو آپ بھی براہی کہیں گے۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کا معنی آپ نے پڑھا اور سمجھا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی ہم اللہ کے سوا کسی اور کے بندے اور غلام نہیں ہیں۔ یہی وہ غلامی ہے جو انسان کو باقی ساری ”غلامیوں“ سے نجات دلاتی ہے۔ ورنہ وہ آدمی قدم قدم پر، جگہ جگہ پر، قسم قسم کی غلامی میں گرفتار رہتا ہے۔ اسلام تو ابتداء ہی سے انسانیت کو شرف اور

حریت سے شناسا کرتا ہے۔ اللہ کی غلامی تو ظاہری غلامیوں سے ہی نہیں، باطنی غلامیوں مثلاً خواہشات تک کی غلامی سے آزاد کر دیتی ہے۔

## 1.2 عبادات کا عقیدے سے تعلق

آپ نے غور کیا کہ عبادات کے معنوں میں ”عمل“ اور ”کام“ کا مفہوم موجود ہے۔ آپ نے پہلے یونٹ میں ”دین اسلام“ کے بنیادی اصول اور عقائد کا مطالعہ کیا۔ یہ عقیدہ یا ایمان خود بخود آدمی سے عمل بلکہ عقائد کے مطابق عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ حق اور رجح میں یہ تاثیر ہے کہ جب وہ دل و دماغ میں اُترتا ہے تو فوراً عمل میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی زبان سے حق قبول کرنے یا ایمان لانے کا اقرار کرے تو اس کے قول کی صداقت کا پہلا امتحان (Test) بھی یہی ہے کہ اس ”حق“ یا ”ایمان“ کے عملی مطالبے اور تقاضے پورے کرنے پر آمادہ بھی ہے یا نہیں؟ عقیدے کے ساتھ اگر عبادت نہیں تو عقیدے کا اقرار مشکوک ہے۔

## 1.3 اسلامی عبادات کی اہمیت

اسی لیے اسلام میں ایمان یا عقیدے کی درستی کے بعد سب سے پہلے عبادات پر زور دیا گیا ہے۔

عبدات ”اللہ کے ساتھ براہ راست ربط اور تعلق“ کی ایک عملی صورت ہونے کا باعث، بذاتِ خود مقصد اور نصب اعین بھی ہیں اور اسلام کے باقی احکام و قوانین پر عمل کے لیے آمادہ کرنے اور ان احکام کی روح کو سمجھنے کے لیے تربیت کا ایک ”ذریعہ“ بھی ہیں۔

قرن اول کے مسلمانوں کو ان عقائد اور عبادات نے ہی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ اللہ پر ایمان اور اس کے ساتھ ربط (ذریعہ عبادت) نے تمام مشکلات کو ان کی نظر میں پیچ کر دیا۔ بڑی سے بڑی قربانی دینا ان کے لیے آسان ہو گیا اور وہ ایمان اور عبادت کی روح سے آشنا ہو گئے۔ ان کی زندگیاں، ان کے عقائد اور عبادات کے نتائج کی منہ بولتی تصویریں تھیں۔ وہ نہ دنیا سے لتعلق تھے، نہ آخرت سے غافل، وہ عبادات کے احکام، ان کی

ظاہری شکل و صورت، ان کی کیفیت اور ہیئت سے بھی واقف تھے اور عبادات کے معنی، مقصد اور ان کی روح اور حقیقت سے بھی۔

یاد رکھیے! عبادات کا ظاہر بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کا باطن اہم ہے۔

#### 1.4 عبادات اور عبادت کا مفہوم

آئیے اب ہم اسلام کی بنیادی عبادات پر قرآن و سنت کی روشنی میں نظر ڈالیں۔ وہ عبادات یہ ہیں:

نماز ①

زکوٰۃ ②

روزہ ③

حج ④

اور ہاں یاد رکھیے ہم نے انہیں ”بنیادی عبادات“ اس لیے کہا ہے کہ یوں تو اسلام کے ہر حکم کی تعمیل عبادت ہے، چاہے اس کا تعلق اللہ سے، ہو یا اس کے بندوں سے۔ بلکہ مکمل اسلامی زندگی بسر کرنے والے آدمی کا ہر کام حتیٰ کہ خرید و فروخت، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا سب ہی عبادات ہوتا ہے۔ مگر مکمل ”اسلامی زندگی“ کی بنیاد بلکہ عملی بنیاد تو یہ عبادات ہی ہیں۔ جب تک عمارت کی بنیاد ہی نہ رکھی جائے، اُوپر کون سے محل تعمیر ہوں گے؟ تمام ”اسلامی مذاہب“ کے نزدیک ان چار عبادات میں کسی ایک کا انکار صریح کفر ہے اور ترک (چھوڑ دینا، عمل نہ کرنا) بھی کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ اور جرم ہے۔ ان میں کسی کا ادنیٰ اختلاف بھی نہیں۔

## ۲ نماز

دینِ اسلام کا اولین ستون اور سب سے اہم عبادت "نماز" ہے۔

### 2.1 نماز کے معنی

نماز کے لیے اصل عربی لفظ جو قرآن و حدیث میں استعمال ہوا ہے، وہ صلوٰۃ (پڑھنے میں صلاة) ہے۔ نماز قدیم فارسی زبان کا لفظ ہے اور غالباً اسلام سے پہلے وہاں کے مذہب میں یہ لفظ جسمانی عبادت کی کسی صورت پر بولا جاتا تھا مگر کثرت استعمال سے اب یہ لفظ (نماز) صلوٰۃ کے بالکل ہم معنی اور مترادف ہو گیا ہے۔ (آپ کو یاد ہو گا کہ یہی بات اس سے پہلے کلمات "خدا"، "پیغمبر"، "دوزخ"، "بہشت"، "فرشته" اور "بندگی" کے بارے میں بتا چکے ہیں)۔ لہذا لفظ "نماز" کا استعمال بالکل درست اور بجا ہے۔ عربی کے لفظ صلوٰۃ کے لفظی معنی تو کئی ہیں (اور دنیا کی تمام زبانوں میں متعدد معنوں والے اسی اور فعل عام ہیں) مگر جو معنی صلوٰۃ کے اصطلاحی معنوں سے قریب ہیں وہ ہیں "دعا، رحمت، استغفار اور حسن شنا۔"

اصطلاح میں نماز کا مطلب ہے "اللہ کی عبادت کا مقررہ اسلامی طریقہ"

### 2.2 نماز کی اہمیت

نماز یا صلاۃ ایک بدñی عبادت کی حیثیت سے تمام مذاہب کا حصہ رہی ہے۔ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ خالص توحید، نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے برحق دین والوں کا شعار رہا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت زکریا اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے نمازی ہونے کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، پہلی امتوں کے نیک لوگوں کی خوبیوں میں ان کے پابند نماز ہونے کا ذکر بھی قرآن کریم میں ایک سے زیادہ جگہ پر آیا ہے۔

قرآن کریم میں پہلی امتوں کے برے آدمیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کی خاص خرابی "نماز ترک کرنا اور اس سے غفلت کرنا، بتائی گئی ہے۔

ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس غارِ حرا میں پہلی وحی کے لیے جب جبرائیل امین آئے تو اس وقت آپ کو

سب سے پہلے اللہ کی عبادت کا یہ طریقہ، جسے ہم ”نماز“ کہتے ہیں، سکھایا گیا۔

آنحضرتؐ کی کمی زندگی کے تیرہ برس میں مسلمانوں پر صرف یہی ایک عبادت ”نماز“ فرض تھی۔ باقی عبادات بہت بعد میں یعنی مدنی دور میں فرض ہوئیں۔

### 2.3 اسلام میں نماز کی تاریخ

شروع میں صبح و شام کی صرف دونماز اور وہ بھی صرف دو (2) دو (2) رکعت کی فرض تھیں۔ کمی زندگی کے آخری برسوں میں واقعہ معراج النبیؐ کے ساتھ نماز کے اوقات دو (2) کی بجائے پانچ کر دیئے گئے۔ حدیث شریف میں ہے ”الصلوٰۃ معراج المؤمنین“ (نماز مومنوں کے لیے معراج ہے)

مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے مسجدِ بنوی کی بنیاد رکھی اور باقاعدہ باجماعت نماز کا اہتمام فرمایا۔ اس کے لیے اذان کا طریقہ جاری فرمایا۔ ساتھ ہی فجر کے سواباتی تمام نمازوں کی رکعتوں کی تعداد دو (2) سے بڑھا کر چار (4) کر دی گئی۔ البتہ مغرب کی تین (3) رکعت مقرر کی گئیں۔

رسول اللہؐ نے سفر یا حضر، بیماری یا صحت، امن و جنگ کسی حالت میں آخر وقت تک نماز باجماعت کو نہیں چھوڑا۔ خاص مجبوروں میں نماز کے ادا کرنے میں احکام نرم کر دیئے گئے۔ (1)

مگر اصل نماز کو کسی حالت میں ترک نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ کسی انہائی مجبوری میں نماز چھوٹ جانے پر کسی دوسرے وقت میں اس کو ”قضا“ کے طور پر بھی پڑھنے کا حکم دیا۔ نماز ہی ایسی عبادت ہے جو مسلمانوں کو ہوش و حواس کے ہوتے ہوئے کسی صورت میں معاف نہیں ہے۔ صرف خواتین کو ان کے خاص دنوں میں نماز پڑھنا منع ہے اور (اس کی قضا بھی نہیں ہے)۔ تاہم ان کے لیے یہ مستحب (بہتر) ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی نماز کے اوقات میں باقاعدہ وضو کر کے کسی صاف پاک جگہ پر کم از کم نماز پڑھنے کے وقت کے برابر دریتک ویسے کوئی ذکر یا تسبیح پڑھتی رہیں، اور یہ اس لیے کہ ان کی وضواور نماز کی عادت ٹوٹنے نہ پائے۔ ورنہ بالکل ہی چھوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

### 2.4 نماز کی اصطلاحات

ہم نے اُپر دو لفظ ”فرض“ اور ”مستحب“ استعمال کیے ہیں۔ اس سے ایک اور ضروری بات کی طرف بھی توجہ

(1) مثلاً طہارت (وضو کی جگہ تمیم) قصر، خوف وغیرہ کے احکام۔

کریں۔ آپ نماز کے ضمن میں رکعت، رکوع، سجود، تشهد، تکبیر وغیرہ اصطلاحات سے ضرور واقف ہوں گے۔ یہ اصطلاحات تو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہی استعمال ہونے لگی تھیں مگر فرض سنت (مؤکدہ یا غیر مؤکدہ)، واجب، مستحب یا نفل وغیرہ کی اصطلاحات آپ کے بعد راجح ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل نماز تو صرف وہ رکعات ہیں جنہیں ہم اب ”فرض“ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اسے (صلوٰۃ مَكْتُوبَۃ) یعنی ”فرض کی گئی نماز“ کہتے تھے اور یہی وہ نماز تھی جو حضور اکرم ﷺ نے مدنی دور میں ہمیشہ با جماعت ادا فرمائی۔ ابتداء میں ہم نے نماز کی رکعتیں دو دو اور بعد میں چار چار ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اس سے بھی مراد اسی ”فرض نماز“ یا ”صلوٰۃ مَكْتُوبَۃ“ کی رکعتیں ہیں۔

مدنی زندگی کے دس سال میں صحابہ کرام ﷺ نے آنحضرت ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اسی طرح خود پڑھی اور پھر آگے اسی طرح پڑھنا سکھائی۔ صحابہ کرام ﷺ نے دیکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کی جماعت کرانے تشریف لاتے تو مختلف اوقات کی نمازوں میں اصل فرض رکعون (کی جماعت) سے پہلے یا بعد میں بھی کچھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ ان زائد فرض رکعات میں سے بعض کا تو آپ ﷺ نے ایسا اتراہم فرمایا کہ کسی حالت میں بھی اور کبھی ان کو نہیں چھوڑا۔ (1)

مثلاً فجر کی دو سنیتیں۔ بعض رکعات کو آپ ﷺ نے کبھی پڑھا اور کبھی نہیں بھی پڑھا، مثلاً: عصر یا عشاء کی پہلی سنیتیں۔ حضور ﷺ کے اس عمل کو سامنے رکھتے ہوئے بعد میں ائمہ فقہاء نے نماز کی رکعون کی بلحاظ اہمیت و درجہ بندی کر دی تاکہ عام مسلمانوں کو زیادہ، یا کم ضروری، یا غیر ضروری کا فرق معلوم ہو تو، کم از کم زیادہ ضروری کی پابندی توہر حالت میں کریں گے۔

## 2.5 نظام نماز۔ سنتِ متواترہ

نماز کا مفصل نظام، حد اوقات، وضو، اذان، تکبیر، جماعت، رکعات، قیام، رکوع، سجود، تشهد، سلام، ”نماز پنجگانہ“ کے علاوہ زائد (نفلی) نمازوں، تہجد، اشراق وغیرہ کے اوقات، جمعہ، عیدین اور جنائزہ وغیرہ خاص خاص نمازوں کی ساری تفصیل خود رسول پاک ﷺ سے عملی تواتر (یعنی ساری امت کا ایک دوسرے کو کرتے دیکھ کر سیکھتے سکھاتے چلے جانا) کے ساتھ ثابت ہے۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے:

(1) اصطلاح میں ان ”فرض“ رکعات کے علاوہ رکعات کو ”رواتب“ بھی کہتے ہیں۔

”صلوا کما رایتمونی اصلی“

(جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھوای طرح پڑھا کرو)۔

جب عرب سے مختلف قبائل کے وفد اور لوگ اسلام قبول کرنے مدینہ منورہ آتے (آخری دورِ نبوی ﷺ میں) تو اکثر آنحضرت ﷺ انہیں دو (۲) دن پاس ٹھہرا لیتے۔ ایک دن پانچوں نمازیں اول وقت میں پڑھا دیتے۔ دوسرا دن ہر نماز اپنے آخری وقت میں پڑھاتے پھر خصت کرتے وقت فرماتے: ”تم نے ہر نماز کا اول اور آخر وقت معلوم کر لیا۔ جاؤ اب ان ہی اوقات کے اندر نماز پڑھا کرو“۔

نماز کے پڑھنے کے طریقے میں ہمارے اندر جو اختلافات ہیں، یہ بھی سب حضور ﷺ سے ہی ثابت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز ہماری طرح رٹی رٹائی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نماز میں جتنی دعائیں پڑھتے تھے۔ وہ سب جمع کی جائیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے اسی طرح نماز کے ادا کرنے کی بعض کیفیات کے بھی آپ ﷺ سے ہی ایک سے زائد طریقے ثابت ہیں۔ جس امام کو جو بات کسی (اس کے نزدیک) زیادہ معتبر طریقے سے پہنچی، اس نے اس کے مطابق عمل اختیار کر لیا۔ لہذا نماز کے طریقے جو سنت سے ثابت ہوں، سب درست ہیں۔ اس میں کسی سے البتنا نادانی اور جہالت ہے۔ ہاں نماز کے بہت سارے اعمال ایسے ہیں جن کے بارے میں علماء سے پوچھنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ نماز کے تمام ارکان کے بارے میں نماز پڑھنے والے کے پاس صحیح اور مستند معلومات ہوں۔ نماز میں خاص طور پر ان ارکان کی ادائیگی پر بھرپور توجہ دینی چاہیے جو فرض اور واجب ہیں۔ اس مقصد کے لیے نماز کے موضوع پر جو کتابیں دستیاب ہیں ان کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے اور علماء سے بھی رابطہ رکھنا چاہیے۔

ہمارے دین میں اجتماعی عبادات (نماز میں جماعت، جمعہ، عیدیں وغیرہ) کا جو طریقہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے مقرر فرمایا اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہماری عبادات تحریف سے محفوظ رہی ہیں۔ جو کام سب مسلمان مل کر کرتے اور ہوتا دیکھتے رہتے ہیں، اس میں کوئی نئی بات داخل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نماز کے اندر کوئی ایسی نئی بات جو سنت سے ثابت نہ ہو۔ راہ نہیں پاسکی۔ مثلاً نماز میں سجدے، ہر رکعت میں دو (۲) ہی ہیں۔ سجدہ سب سے بڑی عبادت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے قریب تر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود سجدے دو (۲) کی بجائے تین (۳) یا چار (۴) کرنے کو کوئی بھی جائز نہیں

کہے گا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کے عمل اور سنت سے صرف دو (2) سجدے ہر رکعت میں ثابت ہیں

## 2.6 نماز کی روح اور خشوع

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے، ان عبارات کے اسرار و نکات اور ان کے معانی و مقاصد پر بات کرنا یہاں ناممکن ہے، تاہم آپ ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے اور پڑھے لکھے مسلمان کی حیثیت سے اس موضوع پر کوئی کتاب کبھی ضرور مطالعہ کیجئے گا۔

نماز میں توجہ الٰہ اور خشوع و خضوع اور یکسوئی وغیرہ نہایت ضروری امور ہیں، بلکہ نماز کی اصل روح اور غرض و غایت ہیں۔ یہ بتیں کیسے حاصل ہوں؟ اس کا کم از کم طریقہ تو یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت اپنے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ پر آپ خیال رکھیں کہ اب میں فلاں لفظ بول رہا ہوں۔ اس سے توجہ ادھر ادھر نہیں جائے گی۔ لفظوں کی طرف ہی رہے گی۔

دوسرा اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ پوری نماز کا ترجمہ یاد کر لیں یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں ہے۔ نماز پڑھتے وقت ان الفاظ کے معنی ذہن میں رکھیں تو بھی آپ اللہ تعالیٰ سے ربط کی ایک لذت محسوس کریں گے۔

تیسرا اور سب سے اچھا طریقہ یہ ہے جو خود نبی اکرم ﷺ کا بیان فرمایا ہوا ہے کہ اور وہ یہ تصور ہے کہ:

”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَانَكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ“ (حدیث جبریل)

(اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو یہ ذہن میں رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)۔

ہمیشہ نماز باجماعت پڑھنے سے بھی بہت سی انفرادی خامیوں کی اصلاح خود بخوبی رہتی ہے۔

## 2.7 نماز کا فلسفہ

بعض اوقات سوال کیا جاتا ہے کہ نماز کے کیا فوائد ہیں؟ نماز کے کچھ فوائد یا برکات قرآن و سنت میں بھی

بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ آیت آپ نے پڑھی یا سنی ہوگی:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَهْلِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَر﴾ (العکبوت: ۲۹)

(نماز بے حیائیوں اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔

اہل علم مسلمانوں نے نماز کے مقاصد و معانی، اس کے منافع و برکات اور نماز کے پورے نظام کے فلسفے پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اللہ موقع دے تو ابھی کتابیں بھی ضرور پڑھیے گا۔ نماز (اور باقی سب عبادات بھی) بنیادی طور پر اللہ سے براؤ راست ربط کا ذریعہ ہیں۔ دن میں پانچ بار لازماً اور اللہ توفیق دے تو رات کی تنہائیوں میں جب سب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوں۔ اس وقت تہجد میں اس ربط اور دلی تعلق کو اور مضبوط بنائیے۔ جب تک نماز کے بعد مسرت اور اطمینان کی کیفیت محسوس نہ کرنے لگیں۔ یہ مشق اور کوشش جاری رکھیں۔ اگر رب سے رابطہ بڑھا تو یہ خود بخود باقی تمام اعمال و اقوال پر چھا جائے گا اور نماز کی ساری برکات خود بخود حاصل ہوتی چلی جائیں گی۔ اگر اس ربط کے قائم کرنے میں ہی ناکام رہے یا اس پر توجہ نہ دی تو باقی فلسفے اور حکمتیں ”بگھارنا“، ”ذہنی عیاشی اور علمی بازی گری ہے۔

## 2.8 بے نمازیوں کا فلسفہ

منافع حاصل ہو یا نہ ہو، حکمتیں سمجھیں آئیں یا نہ آئیں، خود نمازیوں میں کوئی اثر نظر آئے یا نہ آئے، نماز کو بے فائدہ چیز مبت کہیں۔ نمازو وہ چیز ہے جس کا اہتمام رسول پاک ﷺ سب سے زیادہ فرماتے اور اپنے صحابہ کرام ﷺ کو بھی اس اہتمام کا حکم دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے نمازو ”دین کا ستون“، قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان (غیر مسلموں) کے درمیان بنیادی فرق یا خط انتیاز نماز ہے۔ آپ کبھی ان لوگوں کی بات پر کان نہ دھریں جو اکثر کہتے ہیں کہ جو نماز لوگوں کا مال کھانے سے اور دوسروں پر ظلم کرنے سے نہیں روکتی، ایسی نمازوں کا کیا فائدہ؟

یاد رکھیے اگر کوئی نمازی ایسے کام کرتا ہے تو یہ بھی کہ وہ ٹھیک طریقے پر اپنے رب کے سامنے پیش ہی نہیں ہوا، وہ نمازوں کو اللہ سے رابطہ کا ذریعہ سمجھا ہی نہیں، اس میں نماز پر کیا الزام؟ رہ گئے ایسی باتیں کر کے نماز کی اہمیت

گھٹانے والے لوگ، تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر ایسے لوگ خود بے نماز ہوتے ہیں اور اپنی اس حرکت اور غفلت کا جواز تلاش کرتے پھر تے ہیں۔

## 2.9 خودآزمائی نمبر ①

1- عبادت کے لفظی اور اصطلاحی معنی لکھیے۔ (1.1)

2- ایمان اور عبادت کیوں لازم و ملزم ہیں؟ (1.3)

3- اسلام کی بنیادی عبادات کیا ہیں؟ ان کو بنیادی کہنے کی وجہ بھی لکھیے۔ (1.4)

4- مندرجہ ذیل کے اصل عربی، قرآنی الفاظ کیا ہیں:

خدا ، پیغمبر ، فرشتہ ، نماز

روزہ ، دوزخ ، بہشت ، بندگی

5- پانچ نمازوں کب فرض ہوئی تھیں؟ (3.1)

## عملی کام

کیا آپ نماز سے متعلق مندرجہ ذیل اصطلاحات کا مطلب جانتے ہیں؟

اگر نہیں تو اپنے ٹیوٹر سے دریافت کیجئے۔

وضو ، تیمیم ، قصر ، رکعت ، رکوع و وجود ،

تشہد ، تکبیر ، فرض ، سنت ، مستحب

6- نماز کی کون سی اصطلاحات حضور ﷺ کے زمانے میں رائج تھیں اور کون سی بعد میں رائج ہوئیں؟ (2.2)

7- فرض رکعات سے کیا مراد ہے؟ دن رات کی پانچ نمازوں میں کل کتنی رکعات فرض ہیں؟ (2.4)

8- نظام صلاة کی ساری تفصیلات آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں اس سے کیا مراد ہے؟ (2.5)

9- حضور ﷺ نماز کے اوقات اور نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے عموماً صحابہ کرام ﷺ سے کیا فرمایا کرتے تھے؟

10- مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کے طریقے میں کیا اصول ملاحظہ رکھنا چاہیے؟

## زکوٰۃ ③

### 3.1 زکوٰۃ کے معنی

زکوٰۃ (پڑھنے میں کاۃ) عربی زبان کے جس فعل سے نکلا ہے اس کے لفظی معنی ہیں:(1) پھلانا پھولنا، بڑھنا، زیادہ ہونا(2) اور پاک صاف ہونا۔ زکوٰۃ کسی چیز کے نہایت عمدہ اور بہترین حصے کو بھی کہتے ہیں۔ اپنے اصطلاحی معنوں میں لفظ زکوٰۃ اپنے دونوں لفظی معنوں سے تعلق رکھتا ہے۔ زکوٰۃ سے مال پاک اور صاف ہو جاتا ہے (جو کمایا ہی حرام طریقے پر ہو یہ اس کی بات نہیں ہے)، اور اپنی برکتوں (محض روحانی نہیں بلکہ اقتصادی بھی اور معاشری بھی) کے لحاظ سے یہ مال کی زیادتی کا باعث بھی بنتی ہے۔

اصطلاح میں ”زکوٰۃ“ ایک مالی عبادت ہے جس میں شریعت نے مال کی مقدار، زکوٰۃ کی شرح اور اس کے مصارف کا تعین کر دیا ہے یعنی اپنے مال میں سے مقررہ قوانین کے مطابق ایک حصہ لا زما نکالنا۔ زکوٰۃ کے لیے قرآن کریم میں دوسرالفاظ صدقۃ جس کی جمع صدقات ہے، استعمال ہوا ہے۔ صدقۃ کا لفظی تعلق صدق (ج) سے ہے اور صدقہ اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کو ثواب اور نیکی کا کام سمجھ کر دیا جائے۔ تحفہ یا انعام یا مخشیش وغیرہ کے طور پر نہیں۔ اسے صدقہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے گویا انسان اپنے مالک (اللہ تعالیٰ) کے سامنے اپنی عبودیت اور اقرار بندگی کو سچا ثابت کرتا ہے۔ اسی لیے ہمارے نبی اکرم ﷺ نے صدقۃ کا مفہوم صرف ”مال دینے“ کی بجائے زیادہ وسیع کر دیا۔ ایک طویل حدیث میں آنحضرت ﷺ نے انصاف کرنا، کسی کا ہاتھ بٹا دینا، سامان اٹھانے یا سوار ہونے میں مدد کر دینا، اچھی بات کرنا، نماز کی طرف چلنا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا، کسی بے کس محتاج کی امداد کرنا، بھلائی کا حکم دینا، سب کو صدقہ کہا۔ حتیٰ کہ فرمایا:

”اور کچھ نہیں کر سکتے تو لوگوں کے ساتھ برائی کرنے سے باز رہنا بھی صدقہ ہے۔“

اصطلاح میں اب صدقات کا لفظ عام ہے۔ یہ واجب اور غیر واجب (نفلی) صدقات سب پر بولا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کا لفظ معین اور فرض صدقے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ نے نوٹ کیا ہو گا کہ زکوٰۃ کی جگہ کسی غیر عربی لفظ نہ نہیں لی بلکہ فارسی، اردو، پنجابی، ترکی وغیرہ میں قرآن کریم کا اصل لفظ ”زکوٰۃ“ ہی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

### 3.2 زکوٰۃ کی اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور سامنے رکھیے:

- قرآن کریم میں آٹھ جگہ زکوٰۃ ادا کرنے اور نماز کو قائم کرنے کا حکم ساتھ ساتھ ملا کر دیا گیا ہے۔ نماز کی اہمیت پر پہلے بات ہو جگی ہے اس کے علاوہ انفاق (مال خرچ کرنا) اور صدقے کے الفاظ سے بھی زکوٰۃ کا حکم متعدد جگہ آیا ہے۔
- نماز کی طرح زکوٰۃ کو بھی پہلے انبیاء نے دین کا ضروری حصہ قرار دیا۔ حضرت اسماعیل اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ”پابند زکوٰۃ“ ہونے کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے۔
- پہلی امتوں کے نیک لوگوں اور اس امت کے عند اللہ بلند مرتبہ پانے والوں کی ایک خاص صفت ”زکوٰۃ ادا کرنا اور اپنے مال میں مستحق کا حق مانا“ بیان ہوئی ہے۔
- ہمارے نبی کریم ﷺ نے نماز کی طرح زکوٰۃ کا بھی ایک معین نظام قائم فرمایا اور اس نظام کو چلانا حکومت کا فریضہ قرار دیا۔ بڑی تفصیل کے ساتھ اس کے احکام جاری فرمائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکررین زکوٰۃ کو بھی مرتدین کی طرح اسلام کے باعث قرار دے کر ان سے جہاد کیا۔

### 3.3 زکوٰۃ کے احکام

نبی اکرم ﷺ سے زکوٰۃ کی جو تفصیلات ثابت ہیں ان کا بیان خاصاً طویل ہے۔ چند اہم اور اصولی امور مختصرًا لکھے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اموال کی نشاندہی فرمادی، جن پر زکوٰۃ واجب ہو گی اُس میں:

- (۱) زرعی پیداوار ۔
- (۲) معدنیات یا کوئی دفینہ
- (۳) سونا، چاندی، نقدی اور مال تجارت
- (۴) مولیشی (اوٹ، بھیڑ، بکری اور گائے) شامل ہیں۔

ان میں سے ہر ایک چیز کی (امساوے دفینہ یا معدنی دولت کے) وہ کم مقدار مقرر فرمائی جس پر زکوٰۃ لی جائے گی۔ اس مقدار کو اصطلاح میں ”نصاب“ کہتے ہیں۔ جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب تھی، آپ ﷺ نے اس کی شرح زکوٰۃ بھی مقرر فرمادی۔ جس کی چار قسمیں کی جاسکتی ہیں، یعنی 20% ۱۰% ۵% ۲.۵% فیصد اور ۲.۵% فیصد مصارفِ زکوٰۃ خود قرآن کریم نے بیان کر دیئے تھے۔ آپ ﷺ نے اہل بیت پر زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا۔

یہ ہیں وہ بنیادی باتیں جن سے مختلف اسلامی مذاہب کے ائمہ نے زکوٰۃ کے مختلف مسائل نکالے ہیں۔  
آپ جسے درست سمجھتے ہیں، اس کے قول پر عمل کیجئے۔

### 3.4 زکوٰۃ کے مقاصد

زکوٰۃ کا نظام بنیادی طور پر اس اصول پر قائم ہوا ہے کہ دراصل ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس نے بندوں کو حق ملکیت انسان کی تنکریم اور اس پر اعتماد کے لیے دیا ہے۔ ملکیت کی لذت بھی انسان کے اندر فطری طور پر رکھی گئی ہے اور اس کرہ ارض پر انسان کی ترقی میں اس فطری جبلت کا بڑا ہاتھ ہے۔ البتہ اس کے غلط استعمال سے روکنے کے لیے اسلام نے ملکیت کو امانت بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت قرار دیا ہے اور اسی لیے اتفاق کے احکام دے کر بندوں کی تربیت اور آزمائش کا بندوبست کیجا کر دیا ہے۔

اگر نماز براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطے کی صورت ہے تو زکوٰۃ براہ راست خدا کے (غیریب و مستحق)

بندوں کے ساتھ رابطے کو لازمی قرار دیتی ہے۔ اسلامی حکومت بھی اموالِ ظاہرہ (جسے آسانی دیکھا جاسکتا ہو) کی زکوٰۃ وصول کرتی ہے۔ اموالِ باطنہ (وہ مال جس کا مالک کو علم ہے دوسرے معلوم ہی نہیں کر سکتے مثلاً زیورات وغیرہ) کی زکوٰۃ خود مستحقوں تک پہنچانا فرض ہے۔ زکوٰۃ الیٰ عبادت ہے جس کا اصل مقصد مخلوق کو نفع پہنچانا ہے۔ یہ کام بندوں سے براہ راست رابطے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگر زکوٰۃ اور دوسرے صدقات اسی اصول اور جذبے سے ادا کیے جائیں تو معاشرے میں گدأگر کوئی نہ رہے، بلکہ نظامِ زکوٰۃ کا مقصد ہی گدأگر کی کورونا ہے۔ جب ہر زکوٰۃ دینے والا خود اللہ کے ان بندوں سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش میں لگا ہوگا، جب سوال کرنے والے مستحقین کو خود تلاش کیا جائے گا، تو گدأگر اور خصوصاً پیشہ وارانہ گدأگر کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ یہ ہماری بُقْتَمَتی ہے کہ ہم نے زکوٰۃ اور صدقات کو الٹا گدأگر کے فروغ کا سبب بنایا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ ہم نے پیشہ ور شخصوں یا اداروں یا انجمنوں یا جماعتوں کو زکوٰۃ دینے میں سہولت سمجھی اور مستحق کی تلاش ایک مشکل کام نظر آیا یا پھر غریب، عزتِ نفس رکھنے والے محتاج سے براہ راست رابطے کو شاید اپنی وجاہت اور وقار کے خلاف سمجھا۔

عام لوگ زکوٰۃ کو ایک ٹیکس کہہ دیتے ہیں۔ یاد رکھیے زکوٰۃ ٹیکس نہیں، عبادت ہے۔ سرکاری ٹیکس تو ایک طرح کا جرم مانہ سمجھ کر با مر جبوری ادا کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ میں تو الٹا یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بارگاہِ الہی میں قبول ہی نہ ہو۔ زکوٰۃ اور حکومت کے ٹیکسوں میں بنیادی فرق ایسا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ زکوٰۃ امیروں سے لے کر غریبوں کو دی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

”تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاهُمْ وَ تُرْدَ إِلَى فُقَرَائِهِمْ“

(ان (مسلمانوں) کے امیروں سے لی جاتی ہے اور ان کے فقراء (غریبوں) کی طرف لوٹائی جاتی ہے)۔

۱۔ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے ہم عشر (دو اس حصہ) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارے ہاں زکوٰۃ اور عشر دو الگ الگ نام رائج ہو گئے ہیں لیکن در حقیقت عشر بھی زکوٰۃ ہی ہے۔

اس کے عکس دنیا بھر کی حکومتوں کے ٹیکس عموماً غربیوں سے لیے اور امیروں پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ براہ راست یا بالواسطہ ٹیکس کا بوجھ غریب پر پڑتا ہے، مگر براہ راست یا بالواسطہ اس کا زیادہ حصہ حکومت کے بڑوں کے کام آتا ہے۔

زکوٰۃ اور ربا (سود) ایک دوسرے کے یکسر مختلف نظام بلکہ دو باہم متضاد ذہنیتوں کا مظہر ہیں۔ سودی نظام عصر حاضر کی سب سے بڑی لعنت ہے۔ اسلام نے اسی لیے سود کو قطعاً حرام اور زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے۔ ربا (سود) سے محنت (Labour) اور خطرے (Risk) کے بغیر زیادہ سے زیادہ دولت اپنی تجویزوں میں بھرنے کا جنوں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے عکس زکوٰۃ خطرات اور مشکلات کا مقابلہ کر کے سخت محنت سے کمائے ہوئے پہنچے میں بھی دوسروں کو حصہ دار بنانے کا ایک نظام ہے۔ ایک صرف ”لینے“ میں ہی مسرت حاصل کرتا ہے دوسرا ”دینے“ کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔

آج کل معیشت اور اقتصاد کی اصطلاحوں میں بات کرنا وقت کی ضرورت بن گیا ہے۔ نظام معیشت کے لیے گردش زر (Circulation of Wealth) کواب آب حیات سمجھا جانے لگا ہے۔ اسلام نے اپنے بہت سے احکام کے ذریعے سے اس گردش زر کا انتظام کیا ہے۔ زکوٰۃ ان میں سے ایک ہے۔

زکوٰۃ دولت کو مخدر کھنے کی بجائے، سرمایہ کاری کی ترغیب دیتی ہے، جو مال ایک سال تک زائد از ضرورت پڑا رہے، اس پر زکوٰۃ لگتی ہے اور اگر وہ سال گزرنے سے پہلے کسی تجارت وغیرہ میں لگا دیا جائے تو نہ صرف اس پر زکوٰۃ ہوگی بلکہ اس کے منافع پر بھی ہوگی۔ اس طرح زکوٰۃ نہ صرف ہمارے روحانی ترقی کیہا سبب بنتی ہے کہ وہ ایک عبادت ہے، بلکہ ہماری معاشرت اور معیشت کے بہت سے روگوں کا علاج بھی یہم پہنچاتی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ زکوٰۃ آدمی کے مال میں سے ”کم از کم“ لینے کے اصول پر فرض ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ نفی صدقات اسلامی تعلیمات کا ایک نمایاں باب ہیں۔ سب سے بڑھ کر قرآن کریم نے یہ معیار دیا ہے کہ ضرورت سے زائد سب محتاجوں پر خرچ کر دو۔ اور ”ضرورت سے زائد“ کا تعین کون کرے گا؟ عقیدہ توحید اور

عقیدہ آخرت کے اصل اثرات ظاہر ہونے کا مقام یہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام ﷺ اور خلفاء راشدین ﷺ اور ان میں سے بھی خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی عملی مثالیں قائم کر دیں کہ حکمران ہوتے ہوئے بھی خود اپنی خوراک، لباس اور مکان وغیرہ کا معیار زندگی اس سے اونچا نہیں ہونے دیا جو وہ اپنی رعیت کے افراد کو کم از کم دے سکتے تھے۔

### 3.5 خود آزمائی نمبر ②

زکوٰۃ کے لفظی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟ (3.1) -1

صدقة سے کیا مراد ہے؟ زکوٰۃ اور صدقات میں کیا تعلق ہے اور کیا فرق ہے؟ (3.1) -2

زکوٰۃ کی اہمیت پر کم از کم چار سطر کا نوٹ لکھیے۔ (3.2) -3

زکوٰۃ اور عشرہ کا باہم کیا تعلق ہے؟ (3.3) -4

”زکوٰۃ“ میں نصاب کسے کہتے ہیں؟ (3.3) -5

”ملکیت ایک امانت ہے“ اس اصول کا ”زکوٰۃ“ سے کیا تعلق ہے؟ (3.4) -6

ظاہری اموال اور باطنی اموال سے کیا مراد ہے؟ (3.4) -7

زکوٰۃ اور ٹیکس میں کیا فرق ہے؟ (3.4) -8

زکوٰۃ اور سود کا باہم کیا تعلق ہے؟ (3.4) -9

”ضرورت سے زائد“ محتاجوں کو دے دینا بڑا دل خوش کن نظریہ ہے۔ دُنیا میں کہیں اس پر عمل بھی ہوا ہے؟ کوئی مثال دیجئے۔ (3.4) -10

## 4 روزہ

### 4.1 روزے کے معنی

دینِ اسلام میں تیسرا بنیادی عبادت ”روزہ“ ہے۔ روزے کے لیے اصل عربی لفظ ”صوم“ ہے اور اس سے مصدر ”صیام“ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں ”روزہ رکھنا“۔ قرآن و حدیث میں یہ دونوں لفظ ”صوم اور صیام“ استعمال ہوئے ہیں۔ ”روزہ“ بھی ایک فارسی اصطلاحات کی طرح یہ لفظ بھی اسی طرح ”صوم“ کے ہم معنی اور مترادف ہے۔

اسلامی اصطلاح کے طور پر روزے کا مطلب ہے فجر سے لے کر مغرب تک کھانے، پینے اور جنسی فعل سے کامل اجتناب۔ اسلام میں صوم (روزہ) کی بہت سی اقسام ہیں، جن کی تفصیل ”کتاب اور سنت“ سے معلوم ہوتی ہے بعض روزے واجب (فرض) ہوتے ہیں، مثلاً: رمضان اور کفارہ یا نذر کے روزے۔ بعض دنوں میں روزہ رکھنا مستحب (بہتر) ہے اور بعض دنوں میں روزہ رکھنا منوع ہے۔ جن روزوں کو اسلامی عبادات میں ایک ”رکن“ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے مراد ہیں ”صیام رمضان“ یعنی رمضان مبارک کے پورے مہینے کے روزے رکھنا۔ یہی وجہ ہے کہ بنیادی اسلامی عبادت اور اسلام کے ایک ”رکن“ کی حیثیت سے جب لفظ ”روزہ“ بصیرت واحد بھی بولا جاتا ہے، تو اس سے ”ماہِ رمضان کے روزے“ یہی مراد ہوتے ہیں۔

### 4.2 روزے کی اہمیت

روزے کی اہمیت اور فرضیت کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل امور سامنے رکھیے:

قرآن کریم میں واضح الفاظ میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة: 83)

(روزے رکھنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے)۔

قرآنِ کریم نے روزوں کے لیے ماہِ رمضان کا تعین کر دیا ہے اور اس کی وجہ بھی بتا دی ہے کہ رمضان المبارک کا نزول قرآن سے تعلق اسے یہ اہمیت دیتا ہے۔

قرآنِ کریم نے روزے کے تمام بنیادی ضروری احکام، مثلاً: سفر، بیماری اور اوقاتِ روزہ وغیرہ بیان کر دیئے ہیں۔ رمضان کے روزے پہلی دفعہ ۲۲ میں فرض ہوئے تھے۔ اس وقت سے لے کر آخر تک نبی کریم ﷺ نے ہر سال نہ صرف روزے رکھے اور رکھائے بلکہ نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزے کو بھی ایک اجتماعی نظام کی صورت دی۔ اس کی سب سے نمایاں خصوصیات:

(الف) سور (سمحری کھانے کے لیے اٹھنا)

(ب) قیام اللیل (رات کو قرآنِ کریم سنانے کے لیے زائد رکعات نماز پڑھنا جسے ہم تراویح کہتے ہیں)

(ج) صدقۃ الفطر (رمضان کے اختتام پر ضرورت مندوں کو ”روٹی“ بہم پہنچانے کی مہم

(د) عید الفطر (کی محض تقریبات نہیں بلکہ نماز) کا اہتمام ہیں۔

رمضان شریف قمری کیلنڈر کا نواں مہینہ ہے اور اس کے آغاز اور اختتام کا دارود مدار رویت ہلال (چاند دکھائی دینے) پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صرف اس رویت کے بارے میں بلکہ روزے کے دیگر ضروری احکام اور اس کے مقاصد کو بھی نہایت وضاحت سے سمجھایا۔ نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزے کی ان تفصیلات سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ روزہ پہلی امتوں میں بھی ایک فرض عبادت کے طور پر راجح تھا اور آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ لیکن اسلامی روزے میں یوں تو اور بھی بہت سی زائد خوبیاں ہیں، مگر سال کا پورا ایک مہینہ اور وہ بھی اجتماعی نظم کے ساتھ روزے رکھنے کی تو دنیا بھر میں کہیں مثال نہیں ملتی۔

رمضان المبارک اپنے اس اجتماعی رنگ کی وجہ سے تمام عالم اسلام میں ”نیکی کا میلہ“ بن جاتا ہے۔ معلوم سے لے کر جھوپڑیوں تک اور شہروں سے لے کر دُور افتدہ گاؤں تک ہر جگہ رمضان المبارک اپنی ایک شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے لیے ایک مناسب اور سازگار ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور نہیں تو آدمی عار کے خوف سے بھی روزہ رکھ لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ چیز بھی اس کے اندر کسی تبدیلی کا باعث بن جائے۔

### 4.3 روزے کے مقاصد

کھانے پینے سے پچنا روزے کی ظاہری صورت ہے، اگرچہ یہ بھی ضروری ہے مگر کتاب و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ دار کو ہر طرح کی بری باتوں سے پچنا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تو صاف فرمایا کہ:

”مَنْ لَمْ يَدْعُ قَوْلَ النُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةً فِي أَنْ يَدْعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ“

(جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے)۔

((كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَاءُ)) (حوالہ؟)

(کتنے ہی ایسے روزہ دار ہوتے ہیں جنہیں ان کے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا)۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ روزہ اور رمضان المبارک صرف سلبی (Negative) پہلو نہیں رکھتے کہ جس میں صرف ”مت کرو“ یا (Don'ts) ہی پر زور ہو۔ ان کا ایک ایجادی پہلو (Positive) پہلو بھی ہے۔ یہاں بہت سی نیکیوں کے لیے ”ضرور کرو“ (Do's) بھی موجود ہے۔ نماز، نوافل، تلاوت قرآن، خیرات اور صدقات، الغرض اس مہینے میں ہر طرح کی نیکی بکثرت کرنے اور ہر طرح کی برائی سے بازرہنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔

روزے کے عام فوائد، مثلاً: صحت پر اچھے اثرات، جفاشی اور سخت کوشی کی تربیت، غریبوں کی بھوک کا احساس وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں اپنی جگہ درست اور بجا، مگر دوسرا عبادت کی طرح روزہ بھی اپنے رب سے براہ راست رابطے کی ایک صورت ہے۔ روزے کی حالت میں آدمی کو ہر وقت یہ احساس ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ اللہ اس کے قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علیحدگی میں بھی، جہاں اُسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا، ہرگز کھانے پینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی ہے اپنا احساب خود کرنا، جس کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفرَّةٌ مَا تَقدَّمَ مِنْ ذَنْبٍ وَمَا تَأَخَّرَ“

(جس نے ایمان اور احساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے اگلے پچھلے گناہ  
معاف ہو گئے)۔

#### 4.4 روزے کے متفرق احکام

مسافر یا پیار یا کوئی اور ”شرعی عذر“، رکھنے والے مرد یا عورت کو رمضان میں فوت ہو جانے والے روزوں کی قضاء بعد میں دینا یعنی قضا روزے رکھنا اسی طرح واجب ہے جس طرح خود رمضان کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ رمضان کے روزے رکھ کر جانتے بوجھتے ہوئے توڑنے سے ساٹھ (60) دن کے روزے رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ بھول اور نسیان سے کچھ کھالینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے احترام کی دیدہ دلیری سے خلاف ورزی کرنا سخت گناہ ہے۔

کفارہ اور نذر کے روزے بھی قضا روزوں کی طرح واجب ہوتے ہیں۔ ہر قمری مہینے کی 13, 14, 15 (ایام بیض) 9 رذی الحج (حج کا دن) اور ہر پیروں (سوموار) اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب (یعنی اچھا اور بہتر ہے)۔ دونوں عیدوں کے دن ایام تشریق، 11, 12, 13 ذی الحجه کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ روزوں کی ان اقسام کے اپنے کچھ احکام اور مسائل ہیں۔ یہاں ہمارا مقصود صرف آپ کو، صرف روزے کی اہمیت، اُس کے ضروری اور متعلقہ احکام اور روزے کے مقاصد اور اغراض سے آگاہ کرنا تھا۔

## 4.5 خود آزمائی نمبر 3

- (4.1) صوم اور صیام میں کیا فرق ہے؟ -1
- (4.1) روزہ بطور عبادت سے کون سے روزے مراد ہیں؟ -2
- (4.2) روزے کی اہمیت پر کم از کم چار سطروں کا ایک نوٹ لکھیے۔ -3
- (4.2) مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے: -4
- سحر ، قیام ، اللیل ، صدقۃ الفطر ، رویت ہلال  
 اسلامی روزے میں کون سی خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی مذهب میں نہیں ملتی؟ -5
- (4.2) روزے کے اجتماعی نظام کے فوائد کیا ہیں؟ -6
- (4.3) روزے کے اصل اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ -7
- (4.3) ممنوع روزے سے کیا مراد ہے مثال دے کر سمجھائیے۔ -8

## حج 5

### 5.1 حج کے معنی

ہماری چوتھی بنیادی عبادت حج ہے۔ حج کے لفظی معنی زیارت کا ارادہ کرنا، کسی کے پاس بار بار جانا کے ہیں۔ لفظ حجۃ کے معنی ”برس“ اور ”سال“ بھی ہیں۔ اس طرح حج کے لفظی معنی بنتے ہیں ”سالانہ زیارت“۔ عربی میں اس لیے حج کے دنوں کو ”موسم حج“ بلکہ بعض دفعہ صرف ”موسم“ بھی کہتے ہیں۔ حج کا یہ نام اس کے ہر سال آنے کی بناء پر رکھا گیا ہے۔

اسلامی اصطلاح کے طور پر حج کا مطلب ہے ”ایام حج میں خانہ کعبہ کی زیارت کو جانا اور تمام مناسک حج پورے کرنا“۔ اسلامی بنیادی عبادت کے طور پر حج ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک دفعہ واجب ہے مندرجہ بالا عبارت میں ”ایام حج“، ”خانہ کعبہ“، ”مناسک“، ”استطاعت“ اور ”ایک دفعہ“ کے الفاظ غور طلب ہیں اور تشریح طلب بھی۔

”ایام حج“ سے مراد قمری تقویم کے آخری مہینے ذوالحجہ کی 8 سے 13 تاریخ تک کے دن ہیں۔ اصل حج کا دن تو 9 / ذوالحجہ ہے مگر حج کے تمام مناسک مذکورہ تاریخوں میں پورے کیے جاتے ہیں۔ ایام حج کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کو ”عمرہ“ کہتے ہیں۔

”کعبہ“ مکہ مکرمہ کے اس ”کمرہ نما“، مرکز عبادت کو کہا جاتا ہے۔ جس کی بنیاد آج سے قریباً چار ہزار (4,000) سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اسے ”کعبہ“ تو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی قریب برابر ہے، یعنی ”مکعب نما“۔ اس کا دوسرا مشہور بلکہ اصل نام ”بیت اللہ“ (اللہ کا گھر) ہے۔

اسے قرآنِ کریم میں ”البیت الحرام“، (عزت والا گھر)، ”البیت العتیق“، (قدیم ترین گھر) اور بعض دفعہ صرف ”البیت“، (گھر) بھی کہا گیا ہے۔

فارسی کے لفظ ”خانہ“ کے معنی گھر یا مکان ہی ہیں۔ اسی سے خانہ کعبہ (ترکیب تو صافی) اور خانہ خدا (ترکیب اضافی) ہمارے ہاں مستعمل ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عربی میں بیت عموماً رہائشی جگہ، گھر کو نہیں بلکہ صرف مکان کو کہتے ہیں۔ رہائشی مکان یا جگہ کو عربی میں ”دار“ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے کعبہ کو اللہ کی طرف نسبت دیتے ہوئے ”داراللہ“، نہیں بلکہ بیت اللہ کہتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ نہیں رہتا، وہ تو سب جگہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا نام بیت اللہ اس لیے رکھا تھا کہ اس میں صرف اللہ وحده لا شریک کی عبادت کی جائے گی۔ ان معنوں میں ہی ہم مسجد کو بھی اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اس لیے مسجدوں کے بارے میں قرآنِ کریم میں آیا ہے:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّهِ أَحَدًا﴾ (آلجن: 18)

(یقیناً مسجد میں صرف اللہ کی عبادت کے لیے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو)۔

مناسک حج سے مراد وہ تمام شرعی احکام، رسوم اور قواعد و ضوابط ہیں جن کی حج میں پابندی کی جاتی ہے۔ اس میں میقات، احرام، طواف، سعی، عرفہ، رمی، قربانی وغیرہ امور شامل ہیں۔

استطاعت کا مطلب ہے کہ آدمی ہر لحاظ سے سفر حج پر جانے اور واپس آنے کے قابل ہو۔ اس میں سفر کے کامل اخراجات (بلکہ اس دوران اپنے گھر والوں کے اخراجات بھی) کے علاوہ صحبت، راستے کا امن وغیرہ شامل ہیں۔ اگر مالی استطاعت ہو مگر دوسری رکاوٹیں نہ جانے دیں تو ایسے آدمی کو وصیت کر جانا چاہیے کہ اس کی موت کی صورت میں کوئی دوسرا آدمی (مرنے والے کے خرچ پر) اس کی طرف سے حج کرے۔ اس حج کو ”حج بدل“ کہتے ہیں۔ اسلامی عبادات میں سے ”بدل“ کا حکم صرف حج کے لیے ہے۔

”ایک دفعہ“ کا مطلب واضح ہے، حج مسلمانوں پر زندگی میں صرف ایک دفعہ واجب ہے۔ ایک سے زیادہ

دفعہ حج کا موقع ملے تو یہ بڑی سعادت ہے۔ مگر حکومت کی طرف سے دوسری دفعہ حج پر پابندی کو یہ جھوٹ بول کر تو ڈن کہ پہلی دفعہ حج پر جارہا ہوں سخت گناہ ہے۔ پہلے ہی قدم پر جھوٹ بولا تو ”حاجی صاحب“ آگے کیا کچھ نہیں کر گزریں گے؟

## 5.2 حج کی اہمیت

اسلام کی بنیادی عبادت ہونے کے لحاظ سے حج کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل امور سامنے رکھیے:

قرآن کریم میں مسلمانوں پر حج کے فرض ہونے کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی استطاعت کے ہوتے ہوئے حج نہ کرنے کو کفر کہا گیا ہے:

﴿وَلِلّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴾ (آل عمران: 97)

(لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے (اس کے) گھر کا حج اور جو کفر و انکار کرے تو اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے)۔

حج ہی ایک ایسی عبادت ہے جو ملت ابراہیم کا خاص شعار ہے اور یہی عبادت ہے جو پچھلے تین چار ہزار سال سے تاریخی تسلسل کے ساتھ چلی آ رہی ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو ”حج کعبہ“ کے لیے بلا میں۔

رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر حج کو بھی دوسری بنیادی عبادت کی طرح ان چیزوں میں شمار کیا، جن پر اسلام قائم ہے اور جن میں سے کسی ایک کا انکار، یا ترک، ایوانِ اسلام کو گردانیے کی کوشش سمجھا جائے گا۔

### 5.3 حج کے مقاصد اور منافع

حج کے بہت سے مناسک حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی هاجر اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعض اعمال کا اعادہ (دھرنا) ہے، مثلاً طواف: سمعی، رمی، قربانی وغیرہ۔ قرآن و سنت میں یہ بات واضح طور پر بیان ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دین اسلام کو اپنے عظیم جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ سنت کی بنیادوں پر دوبارہ زندہ کیا۔

حج کا ایک اہم مقصد اسی سنتِ ابراہیمی کی تجدید کا عہد کرنا ہے۔ یہ بات قبل غور ہے کہ آج کی دُنیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی واحد شخصیت ہیں، جن کی تعظیم اور احترام اس کرہ ارض پر بننے والے انسانوں کی اکثریت کے دل میں ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے علاوہ مسیحی اور یہودی بھی اس میں شامل ہیں اور دُنیا کی غالب آبادی ان تین مذاہب کے ماننے والوں پر مشتمل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اللہ کی وحدانیت (توحید) اور اس سے اخلاص تھا۔ حج اس کی دلگشاہی یادگار اور زندہ دعوت ہے۔

انسان ایک جذباتی مخلوق ہے۔ انسانی فطرت میں سب سے قوی جذبہ "محبت" ہے۔ انسان کسی کو دل دے کر اپنی ساری شخصیت کو اس کے آگے جھکا دینے میں ایک فطری لذت محسوس کرتا ہے۔ انسانی عشق و محبت کی داستانوں میں اسی فطری جذبے کی حیرت انگیز جلوہ گری نظر آتی ہے۔ بڑے صاحب جبروت بادشاہوں نے اپنے کسی محبوب کے قدموں پر اپنا سر رکھنے میں ایک لذت محسوس کی۔ وہ نام نہاد محبت جو انسان سے اغوا اور قتل جیسے جرام کرتی ہے، وہ محبت نہیں ہوں اور شیطانی خواہشات ہوتی ہیں۔ اصل محبت تو گل کر مرنے میں ایک لذت پانے کا نام ہے۔ اسی لیے مجازی عشق (عشق بتاں) کو حقیقی عشق (عشق خدا) کو پانے اور سمجھنے کی ابتدائی مثال قرار دیا جاتا ہے۔ حج اسی محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے حضور میں حاضری کی ایک صورت ہے۔ اہل دل کے لیے سفر حج درِ محبوب پر حاضری دینے کے ذوق کی تسلیم اور لذت درد کا ایک سامان ہے۔ محبوب کی یاد کی لذت ہر جگہ اور ہر وقت ممکن ہے مگر جو لطف محبوب سے نسبت رکھنے والے مکان کو دیکھنے میں ہے وہ صرف یاد میں

کہاں؟ یہیں آ کر تصوف اور شاعری کے تخلیل کی حدیں آپس میں ملتی ہیں۔

بہت سی خرایبوں کے گھس آنے کے باوجود حج ہمیشہ اہل اسلام کا بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ کعبے کی پوری تاریخ میں اس قسم کے انسانوں کا سب سے پہلا بڑا اجتماع جو جهتہ الوداع تھا، جس میں خود رسول اللہ ﷺ اپنے جانشیروں کو اپنے ساتھ لیے مناسک حج ادا فرمائے تھے۔ بعد میں حاجیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی (اور اب تو لاکھوں تک پہنچتی ہے) مگر وہ عشق و مستی غالب ہوتی چلی گئی ہے اور ہوتی چلی جا رہی ہے۔

دوسری عبادات کی طرح حج کے منافع و مقاصد اور اس میں پوشیدہ حکمتوں کو جانتا اور سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ حج کی اہمیت کے مختلف پہلو جانے کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی کہ کس طرح آج مسلمانوں نے ان مقاصد کو نظر انداز کر کھا ہے اور ان حکمتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں مثلاً:

(1) احرام کالباس کس طرح شاہ و گدا کی تمیز مٹا دیتا ہے۔ (اگرچہ کعبہ کے متولی ہمیشہ اس تمیز کو کسی نہ کسی رنگ میں برقرار رکھتے رہے ہیں، آج بھی کعبہ کا دروازہ صرف بادشاہوں اور سربراہوں کے لیے کھولا جاتا ہے)۔

(2) دُنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہو کر اپنے علمی و سیاسی اور معاشرتی مسائل پر بحث کا موقع ملتا ہے۔ پرانے زمانے میں لوگ حج پر جا کر طلب علم کے لیے مہینوں اور برسوں وہاں قیام بھی کرتے تھے۔ آج کل تو جو ایک مشینی عمل بن کر رہ گیا ہے۔ جانا، ایک روای دواں پر گرام کے مطابق سب کاموں سے کم سے کم وقت میں فارغ ہونا اور واپس ہو جانا۔ بعض لوگ تو جو کو مسلمانوں کی ایک سالانہ کانفرنس ہی سمجھ لینے پر اتفاق کرتے ہیں۔ حالانکہ حج ایک عبادت ہے۔ یہ کانفرنسوں کی طرح ”نشستنڈ، گفتند و برخاستنڈ“ والا معاملہ نہ ہے نہ ہونا چاہیے۔ حج کے تمام اصلی فوائد و مقاصد، مثلاً: مسلمانوں میں اتحاد و مساوات، باہمی خیر سگالی اور خیر خواہی، افہام و تفہیم وغیرہ اسی لیے حاصل نہیں ہو رہے کہ حج کو اللہ سے ربط کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا، جو تمام اسلامی عبادات کی اصل حکمت اور امتیازی شان ہے۔

۱۔ لفظ ہاجر ہے جو ایک غیر عربی نام ہے۔ ہمارے ہاں ہاجرہ یا ہجراء اس کی مستعمل صورت ہے۔

یہ تھا اسلام کی بنیادی عبادات ”نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج“ کا مختصر بیان۔ اللہ کے ساتھ براہ راست ربط کی صورت ہونے کے باعث یہ عبادات، بذاتِ خود ایک ”مقصد“ ہیں۔ ان کی ظاہری صورت پر عمل کرنا اور ان کی پابندی کرنا بھی برکات سے خالی نہیں۔ اسی لیے یہ ظاہری پابندی بھی واجب ہے۔ یہ وجوب قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ اسلام کے بہت سے مقاصد ان کی عبادات کی ظاہری بجا آوری سے بھی پورے ہو جاتے ہیں۔ عبادات کی ظاہری اہمیت کو گھانا اور اس کے فلسفہ و حکمت اور اس کے ذریعہ اسلامی تربیت ہونے پر ہی زور دینا گاڑی کو گھوڑے کے آگے جوتنے والی بات ہے۔ رہا ظاہری پابندی کے ساتھ ساتھ ان عبادات کی باطنی حکمتیں پر غور و فکر اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، تو اس سے انکار کرنے والوں کی جہالت میں کیا شک رہ جاتا ہے؟

#### 5.4 خود آزمائی نمبر ④

- 1- حج کے لفظی معنی لکھیے۔ ان معنوں میں ہی سالانہ کامفہوم کیسے پیدا ہوتا ہے؟ (5.1)
- 2- ایام حج سے کیا مراد ہے؟ (5.1)
- 3- خانہ کعبہ کو ”بیت اللہ“ کہنے سے کیا مراد ہے؟ (5.1)
- 4- مناسک حج کا مطلب کیا ہے؟ ان کے بارے میں معلومات کس موقع پر حاصل کرنی چاہیں اور کیوں؟ (5-1)
- 5- حج کے لیے استطاعت کا مطلب کیا ہے؟ (5.1)
- 6- حج کا حضرت ابراہیم علیہ اسلام سے کیا تعلق ہے؟ (5.3, 5.2)
- 7- ”حج، لذت درد کا ایک سامان“ کے عنوان سے ایک پیرا گراف لکھیے جو کم از کم چھ سطروں کا ہو۔ (5.3)
- 8- حج کے منافع اور مقاصد کیا ہیں اور آج کل ان کو کس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے؟

## 6 جہاد

اسلام الہامی مذاہب کے سلسلے کی تکمیلی کڑی ہے اور تمام عالم انسانی کے لیے ربانی پیغام اور ضابطہ حیات ہے چونکہ اسلام کا دیگر مذاہب پر غلبہ، ولولہ جہاد اور بھرپور تیاری کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام اپنی کتاب پاک میں نازل فرمائے اور رسالتِ مآب ﷺ نے اپنے قول و عمل سے ان احکام کی تشریع فرمائی۔

### 6.1 جہاد کا مفہوم

لغت عرب میں اسلام کے معروف معنی امن و سلامتی کے ہیں اور امن و آشتنی کے اس مقصد جلیل کو حاصل کرنے کا وسیلہ جہاد ہے۔ جہاد کے لغوی معنی ہیں کمال درجہ کو شکرنا اور قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کے معنی ایسی بھرپور سعی و جہد کے ہیں جو سچائی کی راہ میں یا اسلام کی سر بلندی کے لیے کی جائے۔

قرآنی دلائل کی قوت سے دوسرے مذاہب پر اسلام کی فضیلت یا برتری ثابت کرنا جہاد بالقرآن ہے۔ اگر یہ سعی بلیغ زبان سے کی جائے تو جہاد باللسان کہلانے گا اور اگر زورِ قلم سے کی جائے تو اسے جہاد بالقلم کہیں گے۔ اگر انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرے تو یہ جہاد بالقلب ہے۔ اگر اسلام کے دشمنوں سے نمٹنے کی بندہ مونی تدبیر کرے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے تو جہاد بالمال ہے اور اگر اس راہ میں جان کی بازی لگادی جائے تو یہ جہاد بالنفس ہے۔

جہاد کے وسیع تر مفہوم کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو مسلمان کی ہر صبح و شام بلکہ ہر لمحہ اور ہر لمحہ حق اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر بس رہتا ہے۔ پس جہاد کا مفہوم اگر اسے دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور خون بھانے تک محدود کر دیا جائے تو یہ بڑی زیادتی ہو گی۔

اسلام کی تعلیمات کے بنیادی آخذ قرآن مجید میں جہاد کے بارے میں پہلے پہل جو حکم نازل ہوا، اس کے الفاظ پر غور فرمائیے اور دیکھیئے کہ کن لوگوں سے کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿أَذْنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِإِنَّهُمْ طَلِمُوا طَ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ وَاللَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ﴾ (انج ۲۲: ۳۹-۴۰)

(جن لوگوں سے جنگ کی جاری ہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار کہتے تھے)۔

اسلام کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کفارِ مکہ نے ﴿السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ﴾ (اولین مونین) کوتی بڑی اذیتیں دیں۔ ان کو ستانے کے لیے کیسے کیسے اندازِ ظلم و ستم ایجاد کیے۔ حبیب خدا ﷺ کو کیسی تکلیفیں دیں اور انہیں جلاوطن کرنے، نظر بند کرنے، بلکہ قتل کر دینے کے منصوبے باندھے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں حضور ﷺ نے مهاجرین و انصار کے تعاون سے ایک نئے معاشرے، نئے تمدن اور نئی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ کفارِ مکہ نے یہاں بھی انہیں آرام سے نہ رہنے دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مصطفیٰ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ﷺ کو اپنی جان و مال، عزت و ناموس اور دین کی حفاظت کی غرض سے جہاد کی اجازت دے دی۔

اگرچہ اسلام نے سب معاملات میں تحمل، بردباری اور رواداری کی تعلیم دی، لیکن اسلام نے انہیں کسی ایسے حملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام مسلط کرنے کے لیے کیا جائے۔ اسلام نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے، تم پر ظلم و ستم ڈھائے، تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے،

تمہارے اجتماعی نظام کو درہم کرنا چاہے تو اس کے مقابلے میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت سے اس کے ظلم کو روکنے میں صرف کردو۔ جہاد اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر جب اعلان عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی مملکت پر حملہ کیا ہے تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جہاد کی قدرت رکھتا ہو، فرد افراد اس پر فرضیت جہاد ہو جاتی ہے:

## 6.2 جہاد قرآن کی نظر میں

○ ﴿ وَحَرِصَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ﴾ (الأنفال: ٨) (٦٥:)

(اے پیغمبر ﷺ! مومنین کو جنگ پر اکسائیے)۔

○ ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فَيْ سَبِيلٍ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ ﴾ (النساء: ٣:)(٢٧:)

(مومن اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں قتال کرتے ہیں)۔

○ ﴿ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ﴾ (التوبہ: ٩) (٣١:)

(اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو)۔

○ ﴿ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ﴾ (الحج: ٢٢) (٢٨:)

(جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے)۔

○ ﴿ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ﴾ (النساء: ٣:)(٩٥:)

(اللہ تعالیٰ نے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے ترجیح دی ہے)۔

﴿وَقَاتُلُوهُمْ حَتّىٰ لَا تَكُونَ فِسْطَهٌ وَيَكُونُ الَّذِينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ (البقرة: ۲) (۱۹۳)

(تم اہل کفر سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ مت جائے اور سارے کاسارا دین اللہ کے لیے ہو جائے)۔

### 6.3 جہاد حدیث کی رو سے

- اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا سب سے اچھا عمل ہے۔
- خدا کی راہ میں ایک دن ڈٹ جانا دوسرا جگہوں میں گزارے ہوئے ہزاروں دنوں سے بہتر ہے۔
- جنت تکواروں کے سامنے میں ہے۔
- جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صحیح یا شام دُنیا کی ان تمام نعمتوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے۔
- جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دن اور رات کی پاسانی کرنا ایک ماہ کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے۔
- جب تمہیں جہاد کے لیے بلا یا جائے تو تم اپنے گھروں سے نکل پڑو۔
- وہ مومن جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتا ہے سب سے افضل ہے۔
- جس شخص کے پاؤں راہِ خدا میں غبار آ لو د ہو جائیں اُسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔
- جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص دُنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرے گا مگر شہید اس کی آزاد کرے گا کہ وہ دُنیا میں دس مرتبہ جائے اور دس مرتبہ مارا جائے کیونکہ وہ شہادت کا اجر و ثواب جانتا ہے۔
- سب سے پہلے جنت میں جانے والوں میں شہید بھی ہوں گے۔

## 6.4 خود آزمائی نمبر 5

جہاد کا مفہوم قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیجئے۔ -1

جہاد کس حالت میں فرض ہوتا ہے؟ -2

اُردو میں ترجمہ کیجئے -3

(ا) جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ

ب) وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيُكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ

ج) وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ

جہاد کی اقسام بیان کیجئے نیز بتائیے کہ سب سے بہتر جہاد کون سا ہے؟ -4

درست پر یہ (✓) علامت لگائیے -5

(ا) جہاد مستحب ہے۔

ب) جہاد سنت موکدہ ہے۔

ج) جہاد فرض ہے۔

د) جہاد سنت غیر موکدہ ہے۔

-6 خالی جگہ کو مناسب لفظ سے پر کیجئے۔

مسلمانوں نے ..... کے لیے جہاد کیا۔

فتوات ..... اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ..... مال دولت

پونٹ نمبر ⑥

# اسوہ حسنہ

(سیرتِ طیبہ)

تحریر: محمد حنیف

ڈاکٹر حافظ محمد طفیل

نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

## فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
○	لینڈ کا تعارف	153
○	لینڈ کے مقاصد	155
-1	سیرت طیبہ، ولادت تابعثت	156
-2	بعثت	165
-3	تبليغ	167
-4	ہجرت	172
-5	یثاقِ مدینہ اور مواحات	177
-6	فتح کمہ	179
-7	حجۃ الوداع	184
-8	وصالِ نبوی ﷺ	187
-9	خود آزمائی	188

## لینٹ کا تعارف

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کے احوال زندگی کا بار بار اور غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرنا نہ صرف مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی ایک انسانی فریضہ کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کا پیغام صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لیے محسنِ اعظم ہیں۔

مسلمانوں کے لیے تو یہ مطالعہ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ خالق کائنات خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلیں، ان کی اتباع کریں اور ان کے اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کے لیے نمونہ عمل قرار دے کر اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل ہم اسی وقت کر سکتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کریں، اُسے بار بار پڑھیں، سنبھلیں اور دوسروں کو سنائیں، خود یاد رکھیں اور دوسروں کو یاد دلاتے رہیں۔

ایک غیر مسلم کے لیے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ایک انسانی فریضہ کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ نوع انسانی میں مرد کامل کا یہی ایک نمونہ ہے۔ ہر انسان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب و کامران اور ہر اعتبار سے مکمل انسان کیا ہوتا ہے؟ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ کامیاب زندگی بسر کرے اور اگر کامیاب زندگی کا کوئی نمونہ میسر آجائے تو یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو ہمارے لیے مشعل راہ قرار دیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورہ الاحزاب: 21)

(رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔

اور کوئی زندگی اس وقت تک مشعل را نہیں بن سکتی جب تک اس کے جملہ پہلو ہمارے سامنے موجود نہ ہوں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی تمام جزیئات کو محفوظ کر لیا۔ پیغمبر اسلام کی بے پایاں عظمت اور ان کے لازوال چشمہ ہدایت ہونے کا زندہ ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے جملہ پہلو ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں۔ آپ کا شخصی کردار، رحمت، شفقت، عبادت، شجاعت، عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، متنانت، ایثار، احسان ذمہ داری، عاجزی، تواضع، صبر و تحمل، توکل، ثابت قدمی، الغرض زندگی کے ہر پہلو کے عملی نمونے ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ آپ ﷺ گھر یو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ اور بہترین نانا تھے۔ جماعی زندگی میں بہترین دوست، قابل اعتماد ساختی، شفیق سردار، مساکین کے سرپرست و غنوار کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی طرح میں زندگی میں عدل و انصاف، فوجوں کی کمان، انتظامات حکومت، رعایا پروری، سیاسی سوچ بوجھ، دوستوں کی دلداری اور دشمنوں تک سے نیک سلوک کا ایسا بہترین نقشہ ہمیں سیرتِ طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ایسا اور کہیں نہیں ملتا۔

سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ایک اور پہلو سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ دُنیا کے بعض مفکرین زندگی کے حقائق کو فلسفیانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن وہ عملی تجربے سے عاری ہوتے ہیں، جبکہ سیرتِ طیبہ کی اہمیت اور عظمت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے جس کام کے کرنے یا جس فعل سے بچنے کی تعلیم دی اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ایسی سہل اور سادہ ہیں کہ جو انسان کی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان پر عمل کرنا چند اس دشوار نہیں ہے۔

بِصَطْفِهِ بِرْسَانِ خَوْلِشِ رَا كَه دِيْنِ هَمَهِ اوْسَتْ  
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بُلْهی است

## یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے بنیادی مقاصد درج ذیل ہیں:

- 1 آپ کو حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے روشناس کرانا۔
  - 2 آپ کو یہ بتانا کہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لیے اُسوہ حسنہ ہے۔
  - 3 سیرت رسول ﷺ کے اہم مقاصد:
- کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں  
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں  
کاشعور پیدا کرنا۔

## 1 - سیرتِ طیبہ

### (ولادت یا بعثت)

نبی اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف روایات مذکور ہیں۔ اکثر علماء 9 ربیع الاول کو صحیح تاریخ مانتے ہیں۔ مگر جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ولادت باسعادت 12 ربیع الاول مطابق 23 اپریل 571ء برداز سوموار (پیر) صبح صادق کے وقت ہوئی (۱)۔

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا بیان کثرت سے روایات میں نقل ہوا ہے کہ:

”جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا ہے جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے ہیں۔“

روایات میں بیان ہوا ہے کہ:

”آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ ﷺ کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور آپ ﷺ کے لیے دُعا مانگی۔ پیدائش کے ساتویں روز سنت ابراہیم کے مطابق جناب عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا اور اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد پوچھا گیا کہ:

اے عبدالمطلب آپ نے جس بیٹے کی دعوت عقیقہ کی ہے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میں نے اس کا نام ”محمد ﷺ“ رکھا ہے۔“

(۱) مصدقہ روایت کے مطابق ربیع الاول کا دوسرا سوموار آپ کا یوم ولادت ہے۔ اس روز کیا تاریخ تھی، اس بارے میں تحقیقات جاری ہیں۔

لوگوں کو یہ نام بالکل نیا لگا، کیونکہ اس سے پہلے عرب اس نام سے غیر مانوس تھے۔ ”محمد ﷺ“ کا سادہ ساترجمہ ہے

((مُحَمَّدُ الَّذِي يُحْمَدُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةً))

”تعريف کے بعد پھر تعریف کی جاتی ہو/ کی جائے گی۔“

اس سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ ”محمد ﷺ“ سے مراد وہ ذات ہے جس کی تعریف کا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دُنیا بھر کے انسانوں میں جس قدر آپ ﷺ کی ذات کی تعریف کی گئی ہے اور آپ ﷺ کی زندگی پر جتنا لکھا گیا ہے اس کا ایک معمولی سا حصہ بھی کسی اور ہستی کے نصیب میں نہیں آیا۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ محض اعتقاد ہی نہیں بلکہ غیر مسلم علماء نے بھی علمی لحاظ سے آپ ﷺ کی زندگی پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یوں آپ ﷺ کے نام کے لیے جناب عبدالمطلب کے ذہن میں اتفاقاً ”محمد ﷺ“ کا آنا منشاء الہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نام بذاتِ خود ایک مجزہ ہے۔

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا۔ لیکن شرفاء مکہ میں یہ دستور تھا کہ وہ عرب کی خالص خصوصیات اور بچوں میں فصاحت کا جو ہر پیدا کرنے کے لیے شیرخوار بچوں کو دیہات اور قصبات میں بھیج دیتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے چند روز بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمه سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا۔ جو قبیلہ بنو ہوازن کی دوسری عورتوں کے ہمراہ بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں۔ حضرت حلیمه سعدیہ رضی اللہ عنہا نے دو سال آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ جب دو سال گزر گئے اور دودھ چھڑا نے کا وقت قریب آیا تو حضرت حلیمه سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

یہ پچ قبیلے کے سارے بچوں سے زیادہ تدرست اور تو انہا تھا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے چار برس کا ہو۔ ہم بچ کو اس کی ماں کے پاس مکہ واپس لے گئے، مگر ہمارا جی چاہتا تھا کہ وہ ہمارے پاس کچھ مدت اور رہے۔ میں نے اس کی ماں سے کہا کہ میرے اس بیٹے کو میرے پاس کچھ عرصہ اور رہنے دو تاکہ یہ خوب پل کر تنومند ہو جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مکہ کی خراب

آب وہوا اس کی صحت پر برا اثر ڈالے گی۔ چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے اصرار پر انہیں اس عظیم بچے کو مزید مدت کے لیے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔

حضور ﷺ جب دوبارہ قبیلہ ہوازن میں گئے تو اس وقت ایک نیا واقعہ پیش آیا جس کی تفاصیل حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہیں کہ:

”مکہ سے واپس آ کر ابھی ہم دو تین مہینے ہی رہنے پائے تھے کہ ایک روز بچہ اپنے رضائی بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچے ہماری بکریوں میں تھا۔ اتنے میں اس کا رضائی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دوسفید پوش آدمی آئے۔ انہوں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ میرا شوہر اور میں دونوں بھاگتے ہوئے گئے اور دیکھا کہ بچہ کھڑا ہے اور اس کا رنگ فق ہے۔ اس کے رضائی باپ نے اسے اٹھالیا اور پوچھا بیٹے تجھے کیا ہو گیا؟ بچے نے بتایا کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے تھے۔ مجھے لٹا کر انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پھر دیکھا ہی کر دیا جیسا وہ تھا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”میرے پیٹ میں وہ کوئی چیز تلاش کرتے رہے معلوم نہیں وہ کیا چیز تھی؟“

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

”ہم اس بچے کو گھر واپس لے آئے تو میرے شوہر کہنے لگے حلیمہ مجھے ڈر ہے کہ اس بچے کو کچھ ہونہ جائے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے اس کے گھر پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ہم اسے لے کر اس کی ماں کے پاس مکہ پہنچے۔“

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں دیکھا تو انہوں نے فرمایا:

”تم کیسے اس کو واپس لے آئیں۔ تم تو اسے اپنے پاس رکھنے کے لیے بڑی حریص تھیں؟“  
میں نے کہا:

”اللہ تعالیٰ نے اب بچے کو خوب پال کر بڑا کر دیا ہے اور میری جو ذمہ داری تھی وہ میں نے  
پوری کر دی۔ اب مجھے اندریشہ ہے کہ اسے کچھ حادث پیش نہ آ جائیں۔“

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

”اصل بات کیا ہے؟ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔“

”حیمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے اصرار پر شق صدر کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔“

اس پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

”تمہیں اس بچے کے بارے میں شیطان کا خوف ہے!“

حیمہ رضی اللہ عنہا نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ:

”اللہ کی قسم! شیطان کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں! میرے اس بچے کی بڑی شان ہے۔“

اس طرح چار سال کی عمر میں یہ عظیم بچہ اپنی ماں کے پاس واپس مکہ آگیا۔ بچپن میں رسول اللہ ﷺ کے  
دیہات میں قبیلہ بنی سعد میں قیام کرنے کی وجہ سے آپ کی عربی زبان نہایت فضیح ہو گئی تھی کیونکہ آپ ﷺ قریشی  
تھے اور بنی سعد میں آپ ﷺ نے بچپن گزارا تھا جن کی زبان فضیح عربی تھی۔ اسی بناء پر آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

”میں تم میں سب سے زیادہ عربی دان ہوں۔ میں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری  
رضاوت کا زمانہ گزرا ہے۔“

ابن سعد اور ابن اسحاق کے بیان کے مطابق آپ کی عمر چھ سال تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اُمّ اَمْ کِن  
کے ساتھ مدینہ منورہ لے گئیں، تاکہ وہاں آپ کی پردادی کے خاندان (عڈی بن نجبار) سے آپ کو ملائے اور

متعارف کرائے۔ مدینہ میں ایک ماہ قیام رہا۔ اس دوران میں انہوں نے وہ مکان آپ کو دکھایا جہاں آپ کے والد حضرت عبد اللہ رض کا انتقال ہوا تھا۔ وہ جگہ بھی دکھائی جہاں وہ مدفن تھے۔ بچپن میں دیکھے ہوئے یہ مقامات اور دیگر واقعات آپ کو ہمیشہ یاد رہے جس کی شہادت بعد کی روایات سے ملتی ہے۔

ایک ماہ مدینہ میں قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کی والدہ ماجدہ آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو ہمراہ لے کر واپس مکہ مکرمہ جانے کے لیے روانہ ہوئیں تو راستے میں ”ابواء“ کے مقام پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اور یہاں دفن ہوئیں اور اُمّہ ایمن جو حضرت عبدالمطلب رض کی باندی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ واپس پہنچیں اور یہ یتیم بچہ چھ برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھا۔ حضرت عبدالمطلب رض کو شروع سے ہی اپنے یتیم پوتے سے بے پناہ محبت تھی۔ بیٹی کے بعد بہو کے انتقال نے اس محبت کو شیفتگی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ انہوں نے اپنے پوتے کو تمام اولاد سے بڑھ کر چاہا وہ آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے اور اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام اس میں شریک نہ ہوں۔ اور کبھی کبھی کھانے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو گود میں بٹھا لیتے تھے لیکن دادا کی یہ شفقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو زیادہ دیر تک حاصل نہ رہی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کی عمر مبارک آٹھ سال تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے دادا عبدالمطلب بھی بیاسی برس کی عمر میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے اور ”ججون“ میں دفن ہوئے۔ پہلے والدین اور پھر دادا کا سایہ عاطفت اٹھا کر یہ دکھانا مقصود تھا کہ یہ نونہال جس آغوش رحمت میں پورش پانے والا ہے وہ ان سب اسباب سے بے نیاز ہے۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد بعض روایات کے مطابق ان کی وصیت کی رو سے اور بعض روایات کے مطابق بطور خود حضرت ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے حقیقی پیچا تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کو اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کی عمر بارہ سال اور دو مہینہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے پیچا ابوطالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام اپنے پیچا کے ساتھ شریک سفر تھے۔ راستے میں مقام ”تیاء“ پر قیام کیا۔ موئین کے بیان کے مطابق بحیرہ راہب

کا واقعہ اسی سفر میں اسی مقام پر پیش آیا۔ یہاں ایک عیسائی راہب ”بھیرہ“ نامی رہتا تھا۔ وہ قافلے کو دیکھ کر خلافِ معقول اپنے مجرے سے باہر آیا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا یہ سید المرسلین ہیں۔

آپ ﷺ بچپن میں جب حضرت حلیمه سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام پذیر تھے تو اس وقت اپنے رضای بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ سن شعور کو پہنچ تو مکہ میں بھی آپ ﷺ نے یہی مشغله اپنایا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”کوئی نبی ایسا نہیں گزر جس نے بکریاں نہ چڑائی ہوں۔“

لوگوں نے عرض کیا:

”کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چڑائی ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں، بخاری شریف کی کتاب ”الاجارہ“ میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ایک روایت نقل ہوئی ہے۔ جس میں اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ دینار کے عوض چرایا کرتا تھا۔“

جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے انبیاء علیہم السلام کی سنت کے مطابق اپنی ابتدائی زندگی میں بکریاں چڑائیں۔

حضور علیہ السلام کی عمر پندرہ سال تھی کہ ”حرب فجّار“ کا معرکہ بھی ہوا۔ عربوں میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو سلسلہ چلا آرہا تھا ان میں ”حرب فجّار“ (1) سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں کے مابین ہوئی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکے میں شرکت کی۔ آل ہاشم کے علم تلے جناب رسول اللہ ﷺ بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اور خاندان کی عزت و وقار کا جو معاملہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے:

---

(1) حرب کے معنی ہیں جنگ۔ اس جنگ کو حرب فجّار اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جنگ حدود حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی۔

”آپ ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔“

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوموں میں شجاعت کی آبیاری اور حمیت و غیرت کی ترویج کے لیے جنگ ایک مفید اور ناگزیر کام ہے۔ لیکن بہت سی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جو جنگ کی طرف آمادہ نہیں ہوتیں بلکہ وہ صلح اور آشنا کا دامن تھام کر انسانیت کو ترقی اور یگانگت سے ہمکنار کرنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ جنگ فمار سے جب لوگ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کے پیچا اور خاندان ہاشم کے سربراہ زیر بن عبدالمطلب نے صلح کی تجویز پیش کی۔ جسے سب نے اچھی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ یہ معاهدہ (1) ہوا کہ:

-1 ہم بے امنی کو دور کریں گے۔

-2 مظلوموں اور غریبوں کی مدد کریں گے۔

-3 مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

آنحضرت ﷺ اس معاهدے میں شریک تھے اور اپنے عہدِ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ:

”اس معاهدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ بدلتا

اور اگر آج بھی ایسے معاهدے کے لیے کوئی بلاۓ تو میں حاضر ہوں۔“

عرب اور خصوصاً قریش صدیوں سے تجارت کے پیشے سے منسلک تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ جوان ہوئے تو آپ ﷺ کو بھی کسبِ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا خاندانی پیشہ اپنایا کیونکہ اس میں آپ ﷺ کو تجربہ بھی حاصل تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو طالب ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ بچپن میں بعض تجارتی سفر کر چکے تھے اور آپ ﷺ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اس لیے مالدار لوگ منافع کی شرکت پر آپ ﷺ کو سرمایہ دیتے تھے۔ آپ ﷺ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے۔ تجارت کی غرض سے شام، بصرہ

(1) یہ معاهدہ حلفِ افضل کے نام سے مشہور ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس معاهدے میں شامل تین افراد کے نام میں لفظ ”فضل“، مشترک تھا۔

اور یمن کے آپ ﷺ نے متعدد سفر کیے۔ آپ ﷺ کی دیانت اور امانت کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ آپ ﷺ کے ساتھ تجارتی معاملات کرنے والوں کی شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تجارتی اصولوں کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے نادر مثال ایفائے عہد اور اتمام وعدہ کی ہو سکتی ہے۔ لیکن منصبِ رسالت ﷺ سے پہلے مکہ کا یہ تاجر جو صادق و امین کے القاب سے جانا جاتا تھا۔ اس میں اخلاقی نظیر کا مہترین نمونہ تھا۔ ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن ابی الحماء بیان کرتے ہیں کہ:

”بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت ﷺ سے کوئی تجارت کا معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ طے پا چکا تھا اور کچھ طے کرنا باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آ کر باقی معاملہ طے کرتا ہوں۔ اتفاق سے میں اپنا وعدہ بھول گیا، تیرے دن وعدہ گاہ پر پہنچا تو حضور ﷺ کو اسی جگہ کھڑے پایا۔“

ایک صحابی حضرت سائب ﷺ کا بیان ہے کہ:

”حضور ﷺ میرے شریک تجارت تھے لیکن معاملہ ہمیشہ صاف رکھا کرتے تھے۔“

آنحضرت ﷺ کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سن کر خاندان قریش کی ایک معزز اور مالدار خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے دخواست کی کہ میرا سامان تجارت کی غرض سے شام لے جائیے۔ جو معاوضہ میں اور وہ کو دیتی ہوں آپ ﷺ کو اس سے زیادہ دوں گی آپ ﷺ نے منظور کر لیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان لے کر بصرہ روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ جس نے واپس آ کر اپنی مالکہ کو آپ ﷺ کی دیانت کے مشاہدے سے آ گاہ کیا۔

اس سفر تجارت سے واپسی کے چند ماہ بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ حضور ﷺ نے ان کے پیغام نکاح کو قبول فرمایا اور حضرت ابو طالب ﷺ نے نکاح پڑھایا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک کا پچیسوں سال تھا، جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ ابن عبد اللہ نے لکھا ہے کہ:

”یہ شادی سفر تجارت سے حضور ﷺ کی واپسی کے دو (2) مہینے اور پچھیس (25) دن بعد وقوع پذیر ہوئی۔“

حضور ﷺ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے خاتمہ کعبہ کی تعمیر نو کا منصوبہ بنایا کیونکہ خاتمہ کعبہ کی دیواریں سیلاں کے وجہ سے پھٹ چکی تھیں، تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تاکہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے۔ لیکن جب حجر اسود کو نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جگڑا پیدا ہوا کیونکہ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اس کے ہاتھ سے انجام پائے۔ نوبت لڑائی تک جا پہنچی۔ خاندان قریش کے سب سے معمم شخص ابو امية بن مغیرہ نے تجویز پیش کی کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص خاتمہ کعبہ میں آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن قبائل کے معززین موقع پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جس پر لوگوں کی نظر پڑی وہ رسول اللہ ﷺ کی پر وقار شخصیت تھی۔

چنانچہ حجر اسود کو نصب کرنے کا مبارک کام آپ ﷺ کے سپرد ہوا۔ آپ ﷺ نے پسند نہ فرمایا کہ آپ ﷺ تھا اس شرف سے بہرہ ور ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ سب قبائل اپنا اپنا ایک سردار منتخب فرمائیں۔ جب سردار منتخب ہو کر آگئے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سب سرداروں سے فرمایا کہ: چادر کے کنارے تھام لیں اور اپر اٹھائیں۔ جب چادر مقررہ جگہ کے برابر پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمادیا۔ اس طرح ایک بڑی کشمکش اور لڑائی کا خطرہ آپ ﷺ کی حکمت عملی سے ٹل گیا۔

## ۲۔ بعثت

انبیاء علیہم السلام کو جو خصوصیات عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس مکالمہ الہیہ ہی کی ایک صورت وحی ہے۔

وحی کا لغوی معنی ہے ”مخنی طور پر سرعت کے ساتھ کسی بات کا بتا دینا۔“

سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ ”جو بات وحی کی صورت میں دل میں آئے وہ کسی پیشگی خیالات کی ترتیب کا نتیجہ نہ ہو بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہو جائے۔“

اہل لغت نے اس کے مختلف معنی بیان کیے ہیں: اشارہ کرنا، لکھ دینا، پیغام دینا، دوسروں سے چھپا کر، کسی سے چپکے چپکے بات کرنا۔

دینی اصطلاح میں وحی سے مراد ”وہ کلمہ الہیہ ہے جو جبرائیل علیہ السلام نبیوں پر لے کر آتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد ﷺ پر ختم ہو گیا اور قیامت تک وحی کا دروازہ بند ہو گیا۔“

منصبِ نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل بھی آپ ﷺ بت پرستی کو مناسب خیال نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ بتوں کی عبادت سے نفرت کرتے تھے اور اصل حقیقت کی تلاش میں رہتے تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ نے اپنا بچپن اور شباب ایسے سماج میں گزارا جو جملہ خرابیوں کا گڑھ تھا۔ لیکن قدرت نے آپ ﷺ کو ایسی فطرت سلیمانیہ اور نیک سرشی عطا فرمائی تھی کہ آپ ﷺ نے اس ماحول سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اور نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ نے ایک متوازن اور قابلِ رشک زندگی بسر کی۔

آپ ﷺ غیر سنجیدہ بالتوں، کھلیل تماثلے اور راگ رنگ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ خلوت پسند ہوتی گئی اور آپ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ سامان خورد دنوش لے کر

اکثر کہ سے باہر ”حرا“ نامی پہاڑی پر ایک غار میں تشریف لے جاتے اور تہائی کے عالم میں کئی کئی دن عبادت میں مشغول رہتے۔

اس دوران پہلے تو آپ ﷺ کو سچے خواب آنے لگے یعنی جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے یعنیہ وہی عملی طور پر پیش آ جاتا جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہوئی اور آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق غارِ حرا میں مقیم تھے کہ 610ء کے رمضان المبارک کی ایک رات (اکثر روایات کے مطابق 27 / رمضان المبارک) کو دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نمودار ہو کر فرمایا: ﴿إِقْرَأْ﴾ ”یعنی پڑھیے“ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَا أَنَا بِقَارِئٍ﴾ ”میں تو پڑھنا نہیں جانتا“ اس پر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اپنے سے لپیٹا اور بھینچا اور پھر اس مکالمہ و معافقہ کا اعادہ ہوا۔ گویا بار وحی کے اٹھانے کے لیے جن قتوں کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملکوتی واسطے سے بشری جسم میں پوری طرح صراحت کر دی گئیں اور تیسری بار کی تکرار کے بعد پانچ آیتیں ﴿إِقْرَاء﴾ سے ﴿مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ تک پڑھ دی گئیں۔

﴿إِقْرَأْ بِإِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلِقٍ إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ۝  
 الَّذِي عَلِمَ بِالْقَلْمَ۝ عَلِمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۝

(پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔ بنایا آدمی کو جسے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔)

## - 3 - تبلیغ

تبلیغ کا لغوی معنی ہے ”پہنچانا“۔ دینی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے: امورِ دین کو دوسرے افراد اور اقوام تک پہنچنا اور انہیں قبول کرنے کی دعوت دینا۔ یہ مقدس فریضہ ہے جسے تمام انبیاء علیہم السلام نے سرانجام دیا۔ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ وہ احکام و ہدایت الہی کو لوگوں تک پہنچائیں کیونکہ ان احکام پر عمل کر کے ہی وہ ایک مہذب معاشرے کی تکمیل کریں۔ جس کے افراد اپنے خالق کی منشاء و رضا کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوں اور اللہ کی زمین پر اللہ کے تابع مطیع ہو کر رہتے ہوں۔

یہی حکم حضرت محمد ﷺ کو ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلَغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (المائدہ: 67)

(اے رسول ﷺ تیرے پروردگار نے جو حکم تم پر اتنا رہے وہ (لوگوں) تک پہنچاؤ۔)

چنانچہ حضور ﷺ نے آغازِ بعثت سے ہی اس فرض کی بجا آوری شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لیے حسنِ تدبیر اور مدرج سے کام لینا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تبلیغ کی جو حکمتِ عملی سکھائی تھی، اس کے مطابق آپ ﷺ نے یک لخت اعلانِ نبوت کر دینے اور قوموں کو دعوتِ عام دینے سے اپنے مشن کا آغاز نہیں کیا بلکہ ابتدائی تین سال تک آپ ﷺ خفیہ طریقے سے اسلام کو ان نیک روحوں تک پہنچاتے رہے جو محض دلیل و برهان اور تفہیم و تذکیر سے توحید کو قبول کرنے اور شرک کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو سکتی تھیں، اور اس کے ساتھ ساتھ جن اصحاب پر اعتماد بھی کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس تحریک کو اس وقت تک راز میں رکھیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہادی برحق اعلانِ عام اور اعلانیہ تبلیغ شروع کر دینے کا فیصلہ نہ کریں۔ خفیہ تبلیغ کی اس آزمائشی مدت میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ، جو پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے، کے باند پایہ کردار سے تبلیغ اسلام کو بہت مدد ملی

جو شخص بھی اسلام قبول کر لیتا وہ خفیہ طریقہ سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دیتا۔ اس دور میں مسلمان عبادت بھی خفیہ طریقے سے کیا کرتے تھے۔

اس خفیہ تبلیغ کو شروع ہوئے اڑھائی سال سے کچھ زیادہ مدت گزر چکی تھی کہ ایک روز مسلمان مکہ کی ایک گھائی میں نماز ادا کر رہے تھے اور مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں عبادت کرتے دیکھ لیا اور انہیں سخت سوت کہنا شروع کر دیا۔ نوبت اڑھائی جھنڑے تک پہنچی۔ اس ناخوشگوار واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور احتیاطی مذاہیر میں اضافہ کرنے کی غرض سے نبی اکرم ﷺ نے بلا تاخیر حضرت ارم ﷺ کے مکان کو، جو صفا کے قریب واقع تھا، مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنادیا، تاکہ مسلمان یہیں جمع ہو کر نماز بھی پڑھیں اور جو لوگ خفیہ طریقے سے مسلمان ہوتے جائیں وہ یہاں آتے رہیں۔ اس طرح سے ”دارِ قم“ کو اشاعتِ اسلام کا پہلا مرکز ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور اس کی عظمت ہمیشہ قائم رہی کیونکہ بعد میں بھی یہ مکان اشاعتِ اسلام کا مرکز رہا۔

یہاں یہ امر خاص طور سے قبل غور ہے کہ خفیہ دعوت کے اس تین سالہ دور میں اشاعتِ اسلام کا کام کس حد تک پھیلا، تاکہ اس حقیقت کو جاگر کرنے میں مدد سکے کہ اسلام تواریخ نہیں پھیلا، بلکہ یہ انسانی فطرت کی پکار تھی، جس پر اس نے لبیک کہا۔ چنانچہ یہ امر واضح ہونا چاہیے کہ اس کٹھن دور میں قریش کے بہت سے بڑے بڑے قبیلوں کے سر کردہ افراد، ان کے لاحقین حتیٰ کہ غلام اور باندیوں تک نے اسلام قبول کر لیا۔ تاریخ کی کتابوں میں مسلمان ہونے والوں کی جو تفصیلی فہرست ملتی ہے، اس کے مطابق مسلمان ہونے والوں کی تعداد 133 تک پہنچتی ہے۔ یہ وہی صحیح الفکر اور سلیم الفطرت لوگ تھے۔ جنہوں نے افہام و تفہیم سے شرک کی برائی کو سمجھا تو حیدری حقیقت کو مانا، محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کیا۔ ان میں اکثر لوگ تلاش حق میں سرگردان تھے، جیسے حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت عثمان ؓ بن مظعون جو پہلے سے ہی جاہلیت کی خرافات سے بچتے اور حق کی تلاش میں مشغول رہتے تھے۔ بعض صحابہ کرام ؓ ایسے تھے جو زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو کرتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی حلقة گوش اسلام ہوئے جو دنیوی طور پر اعلیٰ مناصب یا مقامات پر فائز نہیں تھے۔ اس طرح خفیہ تبلیغ کے تین سالوں میں اسلام کا پودا خاصاً تن آور ہو چکا تھا۔

اب اس امر کی ضرورت محسوس کی جانے لگی تھی کہ اسلام کی دعوت خفیہ طریقے کی بجائے سرِ عام کی جائے اور پیغام سرمدی کو حیات انسانی کے گوشے گوشے تک پہنچا دیا جائے۔

چنانچہ اسی دور میں اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے اور وقت کا یہ تقاضا پورا ہوا۔

-1 **﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمِنُ﴾** (الجُّر (۱۵): ۹۳)

(جو کچھ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کھول کر کہہ دو)۔

-2 **﴿يَا يَهُآ الْمُدَّثِرُ قُمْ فَأَنْذِرْ﴾** (المدثر (۷۸): ۲۱)

(اے چادر اور رہنے والے انھوں اور ڈرا)۔

-3 **﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾** (ashr'a (۲۶): ۲۱۳)

”اپنے قربی رشتہ داروں کو ڈراو۔“

جب اعلانیہ تبلیغ کا حکم آیا تو نبی اکرم ﷺ نے کمر ہمت باندھی اور اس کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ:

”کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ لوگ جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے، تو تم یقین کرو گے؟ سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ آپ ﷺ کو ہم نے ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاوے گے تو تم پر شدید عذاب ہو گا۔ یہ غیر متوقع بات سن کر آپ ﷺ کے چچا ابو ہب سمت سب لوگ سخت برہم ہوئے۔“

اس واقعے کے چند روز بعد آپ ﷺ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں عبد المطلب کے پورے خاندان کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

”میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دُنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بارگراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟“

تمام مجلس میں سنایا تھا۔ صرف حضرت علیؓ کی آواز فضا میں بلند ہوئی:

”مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ اور نو عمر بھی ہوں، لیکن میں آپؓ کا ساتھ دوں گا۔“

قریش کے لیے ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہ شخص حق گو تھا۔

ان واقعات کے بعد اسلام کی تبلیغ کا کام اعلانیہ اور کھل کر ہونے لگا۔ اس وقت یہ پہلو توجہ طلب ہے کہ آخر وہ کون سے اعلیٰ اصول تھے، جنہیں نبی اکرمؐ نے اپنا یا اور جو مکہ کے پھر دل انسانوں کو موم کر کے اسلام کے دامن میں داخل ہونے پر مجبور کرتے رہے۔ آپؐ نے تبلیغ و دعوتِ اسلام کے جو اصول اپنائے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

-1 ﴿أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (النحل: ۱۲۵)

(اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو)۔

یعنی بے وقوفوں کی طرح انداھا دندن تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنی استعداد، حالات کو سمجھ کر اور موقع محل کے مطابق بات کی جائے۔“

-2 ﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (الاسراء: ۱۷)

”اور اے محمدؐ! میرے بندوں سے کہہ دو، وہ زبان سے ایسی بات نکالا کریں جو بڑی بھلی ہو۔“

اس آیت سے تبلیغ کا یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اہل ایمان غیر مسلموں سے گفتگو اور مباحثے میں تیز کلامی،

مبالغے اور غلو سے کام نہ لیں مخالفین چاہے کیسی ہی دل آزار با تیں کریں مسلمانوں کو خلاف حق کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہیے۔

-3 ﴿ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَبِ إِلَّا بِالْتِيْهِيْ أَحْسَنُ ﴾ (العنکبوت: ٢٩)

”اہل کتاب سے عمدہ طریقے سے بحث کرو۔“

اس اصول کا منشا یہ ہے کہ مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ مہذب اور شاستر زبان میں اور افہام و تفہیم کی سپرٹ کے ساتھ ہونا چاہیے، تاکہ جس شخص سے بحث کی جا رہی ہے، اس کے عقائد و افکار کی اصلاح ہو سکے۔

-4 ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾ (الأعراف: ١٩٩)

”اے نبی ﷺ! نرمی اور درگز رکا طریقہ اختیار کرو۔ معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ اجھو۔“

داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرم خو، متحمل اور عالی ظرف ہو۔ اپنے ساتھیوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے اچھی بات کی تلقین کرتا رہے۔ اسی طرح مبلغ، مخالفین کے ظلم، شرارتوں اور بے سروپا اعتراضات سے اپنی طبیعت میں اشتعال محسوس نہ کرے۔

-5 ﴿ قُلْ لَاَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴾ (الأنعام: ٩٠)

”میں اس تبلیغ و ہدایت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔“

تبلیغ کا ایک اور سنہرہ اصول یہ ہے کہ داعی یہ کام بے لوٹ طریقے سے کرے، اور ایسا کرنے میں کوئی ذاتی یا دنیوی غرض مقصود نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کا طالب ہو۔

مذکورہ بالا ایسے اصول دعوت و تبلیغ تھے جن پر دل جمعی سے عمل پیرا ہو کر نبی اکرم ﷺ نے انسانیت کی کایا پلٹ دی اور اسے دوزخ کے گڑھ سے اٹھا کر جنت الفردوس کا امین بنادیا۔

## 4 - ہجرت

ہجرت کے لفظی معنی کسی چیز کو چھوڑ دینا، کسی کام کو ترک کر دینا اور کسی معااملے سے علیحدگی اختیار کر لینا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی، دین کی سر بلندی اور ملتِ اسلامیہ کی بہبود کے لیے اپنا وطن، رشتہ دار، جائیداد اور مفادات چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو کر اس جگہ کو اپنے لیے مستقل وطن کے طور پر اپنا لینا ہے۔ اسلام میں ہجرت کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہجرت کا حکم نازل ہو جانے کے بعد جس مسلمان نے (سوائے ان کے جو معدود تھے) ہجرت نہیں کی، اُسے ایمان کی دولت سے محروم قرار دیا گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے۔ قریش کی مزاحمت اور ظلم و ستم کی انتہاء ہو چکی تھی، جس سے عاجز آ کر اسلام قبول کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ملک چھوڑ کر جہش میں مقیم ہو چکی تھی۔ ابو طالب ؓ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد یہ دُنیاوی سہارا بھی ختم ہو چکا تھا اور آپ ﷺ شدید مزاحموں کے مقابلے میں تبلیغِ رسالت کا فرضِ انجام دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کی تبلیغ کے اثر سے مکہ اور گردونواح کے قبیلوں کے صالح افراد پے در پے اسلام قبول کرتے جا رہے تھے، لیکن بھیتیتِ قوم اُن کو طعن و ملامت، جسمانی اذیت اور معاشی و معاشرتی مقاطع سے اُن کا جینا دشوار بنارہے تھے۔ اس تاریک ماحول میں صرف ایک شعاعِ پیر کی طرف سے نمودار ہوئی تھی جہاں سے قبیلہ اوس اور خزر ج کے بااثر لوگ آ کر نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ وہاں کسی اندر وہی مزاحمت کے بغیر اسلام پھیلنا شروع ہو چکا تھا اور انہوں نے پیر کی طرف ہجرت کی درخواست بھی کر رکھی تھی۔

اہل مکہ کی اس شدید مخالفت کی رفتار تیز ہو گئی تو سرورِ عالم ﷺ نے محسوس کیا کہ ایسی فضا میں مسلمانوں کے لیے فرائضِ اسلام کا آزادی سے بجالانا ممکن نہیں رہا۔ اس لیے آپ ﷺ نے نبوت کے پانچویں سال ملک جہشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ عرب اس ملک سے واقف تھے۔ قریش کو اس ہجرت کا علم ہوا تو انہوں

نے مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی مسلمانوں کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ جب شہ کے حکمران نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور انہیں اپنے ہاں قیام کی اجازت دی۔

جب شہ میں مسلمانوں کی تعداد 83 تک پہنچ چکی تھی کہ وہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ تمام اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سب نے خوش ہو کر جب شہ سے مکہ معظمه کی راہ اختیار کی مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ قربش نے واپس آنے والوں پر مظالم کے پھاڑ توڑے۔ اس لیے مسلمانوں نے اسی میں عافیت جانی کہ وہ جب شہ کی طرف دوبارہ ہجرت کر جائیں۔ اس مرتبہ 102 مسلمانوں نے ہجرت کی جن میں 82 مرد اور 20 عورتیں تھیں۔

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ وہ حج کے زمانے میں مختلف قافلوں میں جا کر اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے 10 نبوی میں آپ ﷺ نے عقبہ کے مقام پر بنو خزر کے کچھ لوگوں کو دعوتِ اسلام دی اور قرآن حکیم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ یہ سرمدی پیغام سنتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ کہیں یہود اس معاملہ میں ہم پر بازی نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ دوسرے سال مدینے سے آنے والے بارہ افراد مشرف باسلام ہوئے اور مصعب بن عمير ﷺ کو معلم بنا کر ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ اس طرح مدینہ (یثرب) میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا عملی آغاز ہوا۔ تیسرا سال بہتر افراد نے اسلام قبول کیا اور عقبہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ میں اسلام کی پشت پناہ جماعت تیار ہو گئی۔ سرورِ دو عالم ﷺ بھی کسی ایسے پر امن مقام کی ضرورت محسوس فرماتے تھے جہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کے دین کو آزادی اور وسعت سے پھیلا سکیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اسلام کا مرکز دعوت مدینہ منتقل کرنے کا عزم فرمایا۔ ہجرتِ مدینہ کی وجہ مختصر الفاظ میں یوں بیان کی جاسکتی ہیں:

-1 اسلام کی عالمگیر دعوت کا کام مکہ میں نہایت سست رفتاری سے جاری تھا جسے تیز کرنے کی اشد

ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور اہل مکہ سے امید نہیں تھی کہ وہ گمراہی کے قعرِ مذلت سے جلد نکل

سکیں گے۔ کیونکہ وہ پیغامِ الہی کو سمجھنے کی بجائے ہشت دھرمی سے نکل کر رہے تھے۔

-2 اہل مکہ نہ صرف دعوتِ اسلام قبول نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر وہ

مظالم ڈھائے جنہیں سن کر دل دہل جاتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ تھا اور مذہبی فرائض کی بجا آوری میں ان کے لیے قدم قدم پر مشکلات تھیں۔

-3 اہل مکہ ابھی اپنی ہٹ دھری پر ڈٹے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو اسلام کی روشنی سے منور کرنا شروع کر دیا تھا اور مصعب بن عمير رض کی رہنمائی میں اوس و خزر ج جو ق در جو ق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر اہل مدینہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منتقل ہونے کی التجا کی تھی اور ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا تھا، نیز مدینہ میں اسلام کی اشاعت کے روشن امکانات دکھائی دے رہے تھے۔

-4 اس سے پہلے مسلمان ہجرت جبشہ کے عملی فوائد سے آگاہ ہو چکے تھے یہاں مسلمان اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے، اس لیے وہ ہجرت کو قریش کی ایذا رسانی سے چھکارے کا ذریعہ تصور کرنے لگے تھے۔

-5 قبیلہ اوس کے سردار طفیل بن عمرو نے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مضبوط قلعہ میں قیام کرنے کی درخواست کی تھی لیکن نبی جس کا تعلق اپنے مولا سے بہت ہوتا ہے۔ وہ حکم اللہ کے منتظر تھے۔ جو ترمذی کی روایت کے مطابق ان الفاظ میں نازل ہوا:

﴿ وَقُلْ رَبِّ أَذْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَآخِرِ جَنْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ﴾ (بنی الاسراء (۲۷): ۸۰)

”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے سچائی کے ساتھ داخل ہونے والی جگہ میں داخل کر دے اور سچائی کے ساتھ نکلنے والی جگہ سے نکال اور کسی طاقت کو میرا مددگار بنا۔“

اس حکم کے نزول کے بعد مسلمانوں نے ہجرت شروع کر دی۔ جب اہل مکہ کو اس ہجرت کی خبر ہوئی تو انہوں نے دارالندوہ میں ایک اجلاس منعقد کیا، جس میں تمام قبائل کے سرداروں نے شرکت کی۔ اور فیصلہ ہوا کہ

نَعْوذُ بِاللّٰهِ نَبِيًّا اَكْرَمَهُ كَخَاتَمِهِ كَرِدِيَا جَاءَ - نَبِيًّا اَكْرَمَهُ كَوْكَفَارِ كَإِسْلَامِ قَتْلَ كَاعْلَمِهِ تَحْتَهُ، اَسْ لَيْهُ آپَ ﷺ نَے حَضْرَتْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَرِمَيَا کَہُ:

”مُجْهَے بَحْرَتْ كَحَكْمٍ هُوَ چَكَا ہے۔ تم مِيرے بُسْتَرِ پَر سُوجَاؤ اور مِيرے پَاس لَوَگُوں کَيْ جَو اَمْسَيْتِيں ہُيں وَهُ صَحْ لَوَگُوں کَو لَوَطًا كَرْمِيْنَے چَلَے آنَا۔“

اس طرح آپ ﷺ رات کے اندر ہیرے میں گھر سے نکلے، دشمنوں کے نزغے کو چیرتے ہوئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور وہاں سے روانہ ہو کر دونوں راتوں رات غارِ ثور میں پہنچ گئے۔ کفار نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا مگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ساتھ تھا، اس لیے ناکام رہے۔ آپ ﷺ نے غارِ ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف سفر جاری رکھا۔

اہل مدینہ کو آپ ﷺ کی روانگی کی علم ہو چکا تھا، اس لیے سارا شہر سراپا انتظار تھا اور آپ ﷺ کے قافلے کو دیکھ کر نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سفر میں ”قبا“ کے مقام پر چودہ دن قیام فرمایا اور وہاں اسلام کی پہلی مسجد ”مسجد قبا“ تعمیر فرمائی۔ دو ہفتے قیام کرنے کے بعد آپ ﷺ کی سواری شہر کے قریب پہنچی تو اہل مدینہ کی بیچیوں نے یہ گیت گا کر آپ ﷺ کا استقبال کیا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَبَاتٍ الْوَدَاعُ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَنَا لِلَّهِ دَاعِ

”وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک ایک دُعا مانگنے والا بھی موجود ہے، ہم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔“

ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا بالعموم اور عہد رسالت کا بالخصوص اہم ترین واقعہ ہے۔ اس نے حالات کی کاپیلٹ دی۔ مسلمانوں کے لیے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ دورِ ابتلاء سے سرخو ہو کر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فتح و کامرانی کے دروازے کھول دیئے ہجرت کے واقعے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے

کہ مسلمانوں کے سن ہجری کا آغاز اسی واقعے سے ہوتا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ پر درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

- 1 مدینہ میں آ کر مسلمانوں کی حیثیت حاکم قوم کی تھی۔ اس لیے اسلامی ریاست عالم وجود میں آئی۔ جہاں پہلی مرتبہ اسلامی دستور اور قانون کا آغاز ہوا، گویا دین اسلام کی تکمیل کا سامان مہیا ہوا۔
- 2 ہجرت مدینہ نے ایک مظلوم اقلیت کو ایک غالب اکثریت میں بدل دیا۔ یہاں مسلمانوں کو ایک ایسا ماحول میسر آیا جہاں وہ امن و سکون کی زندگی گزار سکتے تھے۔
- 3 ہجرت نے اشاعت اسلام کی نئی راہیں کھول دیں۔ مکہ میں تیرہ سال کی انٹھک کوشش کے باوجود سعادت اسلام صرف چند خوش نصیبوں کے حصے میں آئی تھی۔ مگر ہجرت کے بعد دس سال کے اندر اسلام کی روشنی عرب سے نکل کر ایران و روم تک پھیل گئی۔
- 4 ہجرت نے بعض اہم اسلامی خصوصیات کو اجاگر کیا۔ مہاجرین اور انصار میں جور و ابط قائم ہوئے اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان کے لیے زندگی کی عزیز ترین متناع اس کا دین ہے۔ جس کے سامنے دنیاوی ترغیبات ہیچ ہیں۔ دُنیا نے دیکھا کہ مسلم قومیت، وطن اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ اس لیے بلال جبشی (صلی اللہ علیہ وسلم)، سلمان فارسی (صلی اللہ علیہ وسلم)، صحیب رومی (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کی عدنانی اور مدینہ کی قحطانی آبادی اخوت کی ایک ہی لڑی میں مسلک ہیں۔

## 5۔ میثاقِ مدینہ اور مواہات

ہجرت کے بعد یہ رب مدینہ النبی ﷺ کے نام سے موسم ہوا۔ اس میں چار بڑی بڑی قومیں قیام پذیر تھیں، یعنی مہاجرین، انصار، منافقین اور یہود۔ یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں صاحبِ اقتدار تھے۔ یہود کے مشہور قبیلے ”بنو قیقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ“ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد یہود کا پہلا سا اقتدار قائم نہ رہا تھا، تاہم انصار کے مقابلہ میں انہیں اب بھی نمایاں مقام حاصل تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ ان کی طرف سے خطرات محسوس کیا کرتے تھے۔ مزید یہ کہ مدینہ جواب مرکز اسلام بن چکا تھا اس پر باہر کے خطرات کے بادل بھی منڈ لارہے تھے، کیونکہ بیرونی طور پر اہل مکہ اور اندر ورنی طور پر منافقین مدینہ کی طرف سے خدشہ تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد یہود اور انصارِ مدینہ سے ایک معاهدہ کیا۔ جسے تاریخ میں ”میثاقِ مدینہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاهدے کی تفاصیل سیرۃ ابن ہشام میں درج ہیں۔ معاهدے کی اہم شرائط یہ تھیں:

- 1- خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ جاری رہے گا۔
- 2- یہود کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
- 3- یہود اور مسلمانوں کے تعلقات دوستانہ ہوں گے اور اٹھائی کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
- 4- کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔
- 5- مدینے پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے اور صلح میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے۔
- 6- جھگڑوں اور اختلافات میں رسول اللہ ﷺ کو ثالث تسلیم کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا شرائطِ معاہدہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں، مہاجرین اور انصار کو غالب اکثریت حاصل ہو چکی تھی اور مدینے کے امور میں ان کا قول فیصلہ کن حیثیت کا حامل تھا کیونکہ اختلافات اور جھگڑوں کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کو ثالث تسلیم کرنے کا منشاء یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو مدینے کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو سیاسی قوت حاصل ہوئی جو بعد میں بہت سے امور میں مسلمانوں کی مددگار ثابت ہوئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مہاجرین مکہ سے اس حالت میں نکلتے تھے کہ اکثر کے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مزید یہ کہ مدینہ میں رہائش کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ کیونکہ مکہ سے آنے والے بے گھر مہاجرین اتنی استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ اپنے لیے علیحدہ علیحدہ مکانات تعمیر کر سکیں۔ نیز مہاجرین اور انصار کو باہم شیر و شکر کرنے کے لیے رحمتِ عالم ﷺ نے مواغات کا ادارہ قائم کیا اور اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا۔ مواغات کی اصل ”اخوة“ ہے اس لفظ کا معنی ”بھائی چارہ“ ہے۔

مواغات اپنی قسم کی بالکل نئی روایت تھی جو عرب کی جنگوں سے بھری ہوئی زندگی میں نبی رحمت ﷺ نے قائم فرمائی۔ مدینہ میں مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر ہو چکی تو آپ ﷺ نے ایک دن سب مسلمانوں کو طلب فرمایا۔ پھر مجلس میں باری باری ایک مہاجر اور ایک انصار کو علیحدہ کر کے فرماتے جاتے کہ تم آپس میں بھائی ہو۔ اس طرح یہ نیا رشته اخوت استوار ہوا جس کی دُنیا کے کسی مذهب یا معاشرے میں مثال نہیں ملتی۔ یہ رشتہ حقیقی اور خونی بھائیوں کے رشتے سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ ابتداء میں انصار بھائی کی وفات پر اس کے مہاجر بھائی کو حقیقی وارثوں کی طرح جائیداد سے حصہ ملتا تھا بعد میں جب مہاجرین کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی تو یہ طریقہ منسوخ کر دیا گیا۔ اسی رشتہ مواغات کا انصار نے عملی مظاہرہ کیا اور اصرار کیا کہ ان کی جائیداد کا نصف حصہ مہاجر بھائی لے لیں۔ بعض انصار نے اس حد تک قربانی پیش کی کہ اگر ان کی دو بیویاں تھیں تو انہوں نے پیش کش کی کہ ہم ایک کو طلاق دے دیتے ہیں اور مہاجر بھائی اس سے نکاح کر لیں۔ تاریخ عرب خصوصاً اور تاریخ عالم میں عموماً یہ پہلی برادری تھی جس کی بنیادخون کی بجائے مذهب پر استوار ہوتی تھی۔

## 6- فتح مکہ

بنو کبر اور بنو خزانہ کی باہمی لڑائی کے بعد قریش نے معاہدہ حدیبیہ توڑنے کی شرط منظور کر لی تو نبی اکرم ﷺ نے عسکری تیاری شروع کر دی اور جملہ امور کو جنگی حکمت عملی کے پیش نظر پوشیدہ رکھا گیا۔ ان تمام قبائل کو حالات سے مطلع کر دیا گیا جو اس وقت مسلمانوں کے حیف بن کر مدنی دولت مشترکہ میں شامل ہو چکے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ دس ہزار (10,000) کا عظیم لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ سے پچھڑو اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ سپہ سالار اسلامی فوج نے جنگی حکمت عملی کے پیش نظر فوج کو حکم دیا کہ فوج منتشر ہو کر پڑاؤ ڈالے اور تمام دستے الگ الگ آگ جلانیں۔

رات کے وقت جب اہل مکہ نے اس قدر وسیع علاقے میں آگ کی روشنی دیکھی تو وہ سراسیمہ ہو گئے۔ اہل مکہ کی طرف سے ابوسفیان تحقیق احوال کے لیے آیا تو اسے خیمه نبوی کے محافظوں نے گرفتار کر لیا جس نے دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح لشکر اسلام جنگ کے بغیر فاتحانہ انداز میں مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا۔

مکہ مکرمہ میں اسلامی لشکر کے داخلے سے پہلے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گایا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا، اسے امن دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد اسلامی لشکر مختلف دستوں کی شکل میں مختلف اطراف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو اہل مکہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ عکرمہ اور صفویان نے چند نوجوانوں کے ساتھ خالد بن ولید ﷺ کے دستے کو روکنا چاہا اور دو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس پر حضرت خالد بن ولید ﷺ نے مقابلے کا حکم دیا تو کفار مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد توحید کے داعی نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ خانہ کعبہ کو تین سو ساٹھ (360) بتوں سے پاک کر کے پوری انسانیت کے لیے خالص توحید کا محور اور مرکز بنادیا۔ جب آپ ﷺ خانہ کعبہ سے بت ہٹا رہے تھے تو اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر قرآن حکیم کی یہ آیت تھی:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ طَانَ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (الاسراء(۱۷):۸۱)

”حق آگیا اور باطل مت گیا۔ باطل اسی لیے ہے کہ وہ مٹا دیا جائے۔“

بیت اللہ کو بتوں کی آلاکشوں سے پاک کرنے کے بعد آپ ﷺ نے حرم کعبہ میں خطبہ دیا جس کا ایک حصہ

یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبد نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے کی مدد کی۔

تمام فوجوں کو شکست دی۔

جملہ مفاحیر، انقام اور خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کو پانی پلانے کا  
شعبہ اس سے مشتمل ہیں۔

خطبے کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا سامنے وہ لوگ تھے جن کے دامن پر عداوت اسلام کے  
سینکڑوں دھبے تھے۔ حضور ﷺ کا ایک اشارہ ان کی گردان اڑانے کے لیے کافی تھا۔ لیکن رحمتِ عالم ﷺ کے سیل  
کرم کی ایک ہی موج ان کی سیاہ کاریوں کو بہا کر لے گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آج کے دن تم پر کوئی ملامت  
نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔“

فتح مکہ سے عرب میں تبلیغ اسلام کی آخری رکاوٹ بھی ختم ہو گئی۔ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ کے فقید المثال  
حسن سلوک نے قریش کو اس قدر متأثر کیا کہ وہ حلقة گوش اسلام ہو گئے۔ دیگر قبائل عرب نے بھی ان کی تقلید کی  
اور لوگ جو حق در جو حق اسلام قبول کرنے لگے اور قمیل عرصے میں اسلام سارے عرب کا واحد دین بن گیا۔ اب  
خانہ کعبہ میں بتوں کی بجائے خدائے ذوالجلال وحدہ لا شریک کی عبادت ہوتی تھی اور انسانیت ایک طبعی دین کی  
پیروتھی۔

جب ہم نبی ﷺ کی کمی زندگی پر گاہ ڈالتے ہیں تو وہ دعوت اسلامی کے نقطہ نظر سے ہم کو چار بڑے بڑے  
نمایاں ادوار پر منقسم نظر آتی ہے:

-1 پہلا دور آغازِ بعثت سے لے کر اعلانِ نبوت تک تقریباً تین سال جس میں دعوت خفیہ طریقے سے خاص خاص آدمیوں کو دی جا رہی تھی اور عام اہل مکہ کو اس کا علم نہ تھا۔

-2 دوسرا دور اعلانِ نبوت سے لے کر ظلم و ستم اور فتنہ کے آغاز تک تقریباً دو سال جس میں پہلے مخالفت شروع ہوئی پھر اُس نے مزاحمت کی شکل اختیار کی۔ پھر تفحیک، استہزاء، الامات، سب و شتم، جھوٹ پروپیگنڈے اور مخالفانہ جھنہ بندی تک نوبت پہنچی۔ بالآخر ان مسلمانوں پر زیادتیاں شروع ہو گئیں جو نسبتاً زیادہ غریب، کمزور اور بے یار و مددگار تھے۔

-3 تیسرا دور آغازِ فتنہ 5 نبوی ﷺ سے لے کر ابو طالب ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات 10 نبوی ﷺ تک تقریباً پانچ چھ سال۔ اس میں مخالفت انتہائی شدت اختیار کرتی چلی گئی بہت سے مسلمان کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جوش کی طرف ہجرت کر گئے۔ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا معاشری و معاشرتی مقاطعہ کیا گیا۔ آپ ﷺ اپنے حامیوں اور ساتھیوں سمیت شعبابی طالب میں محصور کر دیئے گئے۔

-4 چوتھا دور 10 نبوی ﷺ سے لے کر 13 نبوی ﷺ تک تقریباً تین سال۔ یہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے لیے انتہائی سختی و مصیبت کا زمانہ تھا۔ مکہ میں آپ ﷺ کے لیے زندگی و بھر کر دی گئی تھی۔ طائف گئے تو وہاں بھی ناروا سلوک ہوا۔ حج کے موقع پر عرب کے ایک ایک قبیلہ سے آپ ﷺ اپیل کرتے رہے کہ وہ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرے اور آپ ﷺ کا ساتھ دے مگر ہر طرف سے کورا جواب ہی ملتا رہا۔ ادھر اہل مکہ بار بار یہ مشورے کرتے رہے کہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا اپنی بستی سے نکال دیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے انصار کے دل اسلام کے لیے کھل گئے اور ان کی دعوت پر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

مدینہ پہنچ کر اسلامی دعوت ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ مکہ میں تو معاملہ صرف اصول دین کی تبلیغ اور دین قبول کرنے والوں کی اخلاقی تربیت تک محدود تھا مگر جب ہجرت کے بعد عرب کے مختلف قبائل کے وہ سب

لوگ جو اسلام قبول کر چکے تھے ہر طرف سے سمت کر ایک جگہ جمع ہونے لگے اور انصار کی مدد سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمدن، معاشرت، معیشت، قانون اور سیاست کے متعلق بھی اصولی ہدایات نازل فرمانا شروع کیں اور یہ بتایا کہ اسلام کی اساس پر یہ نظام زندگی کس طرح تعمیر کیا جائے۔

ہجرت کے بعد اسلام اور کفر کی کش مکش بھی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ ہجرت سے پہلے اسلام کی دعوت خود کفر کے گھر میں دی جا رہی تھی اور متفرق قبائل سے جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے وہ اپنی اپنی جگہ رہ کر ہی دین کی تبلیغ کرتے اور اس کے جواب میں ظلم کا نشانہ بنتے تھے۔ مگر ہجرت کے بعد جب یہ منتشر مسلمان مدینہ میں جمع ہو کر ایک منظم جماعت بن گئے اور اپنے دین کی اساس پر ایک چھوٹی سی آزاد ریاست بھی قائم کر لی تو اس وقت نبی اکرم ﷺ کے سامنے جو کام تھا اسے تین بڑے بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) ایک اس نئی منظم اسلامی سوسائٹی کا نشوونما جس کی بناء پر ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف و جوانب میں پڑ چکی تھی۔ اس میں جاہلیت کے پرانے طریقوں کو مٹا کر اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور تدبیر مملکت کے نئے اصول راجح کیے جارہے تھے۔

(ب) دوسرے اس کش مکش کا مقابلہ جو مشرکین، عرب، یہودی قبائل اور منافقین کی مخالف اصلاحی طاقتوں کے ساتھ پوری شدت سے جاری تھی۔

(ج) تیسرا اسلام کی دعوت کو ان مزاحمتی طاقتوں کے باوجود پھیلانا اور مزید دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس موقع پر جتنے احکام نازل کیے گئے وہ سب ان ہی تین شعبوں سے متعلق ہیں۔

اسلامی سوسائٹی کی تنظیم کے لیے سورہ بقرہ میں جو ہدایات دی گئی تھیں اب یہ سوسائٹی ان سے زائد ہدایات کی طالب تھی، اس لیے سورہ نساء کے ان خطبوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ مسلمان اپنی اجتماعی زندگی کو اسلام کے طریق پر کس طرح درست کریں۔ خاندان کی تنظیم کے اصول بتائے گئے۔ نکاح کے لیے بعض شرائط عائد کی گئیں۔ معاشرت میں عورت اور مرد کے تعلقات کی حد بندی کی گئی۔ تیمبوں کے حقوق معین کیے گئے۔

واراثت کی تقسیم کا ضابطہ مقرر کیا گیا۔ معاشری معاملات کی درستی کے متعلق ہدایات دی گئیں، خانگی جھگڑوں کی اصلاح کا طریقہ سکھایا گیا۔ تعزیری قانون کی بناء ڈالی گئی، شراب نوشی پر پابندی عائد کی گئی، طہارت و پاکیزگی کے احکام دیئے گئے۔ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ایک صالح انسان کا طرزِ عمل اللہ تعالیٰ اور بندوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کے اندر جماعتی نظم و ضبط (ڈسپلن) قائم کرنے کے متعلق ہدایات دی گئیں۔ اہل کتاب کے اخلاقی و مذہبی رویے پر تبصرہ کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اپنی ان پیش رو امتوں کے نقش قدم پر چلنے سے پرہیز کریں۔ منافقین کے طرزِ عمل پر تقدیم کر کے پھر ایمانداری کے تقاضے واضح کیے گئے اور ایمان و نفاق کے امتیازی اوصاف کو بالکل نہایاں کر کے رکھ دیا گیا۔ (1)

مدنی زندگی میں ان قوانین و احکام کی تعلیم دی گئی جو آگے چل کر مسلم معاشرے میں نافذ ہونے والے تھے۔ تیس (23) سال کی قلیل مدت میں آپ ﷺ نے اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ قوم ایک سیسہ پلاٹی ہوئی دیوار بن گئی۔ یہ قوم صرف اپنے اندر متحدو منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ پوری انسانیت کو اتحاد و تنظیم اور امن کا پیغام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو گئی۔ اس کے اندر حکم اور اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ اہلیت پیدا ہو گئی کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں بلکہ واقعہ یہ قوم شتر بانی کے مقام سے اٹھ کر جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی جس نے ساری دُنیا کو سیاست و جہاں بانی کی صحیح روشنی دکھائی۔ آپ ﷺ کی تعلیم اور ہمہ پہلو تربیت نے دُنیا کی قوموں میں ایک قوم کا اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کے نتیجے میں ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف خالق کائنات نے یوں کی:

﴿كُنْتُمْ خَيْرًا مِّنْ أُخْرِ جَمِيعِ الْإِنْسَانِ تَأْمُرُونَ بِالْمُعْرُوفِ وَنَهَايُونَ عَنِ الْمُنْكَر﴾

(آل عمران (۳۰): ۱۱۰)

”تم انسانی معاشرے میں بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلانی کے لیے نکالی گئی ہو، اچھائی کا حکم دیتی ہے اور غلط بات سے روکتی ہے۔“

## 7- حجۃ الوداع

فتح مکہ اور تطہیر کعبہ کے بعد اگرچہ آپ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا تھا، لیکن ابھی تک باقاعدہ حج نہیں کیا تھا۔ وحی الہی کے لطیف اشاروں اور تکمیل دین کی خوشخبری سے یہ اندازہ ہو چلا تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی کامشن تکمیل پذیر ہو چکا ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ آپ ﷺ مجھے عام میں اسلام کے بنیادی اصول اور مسائل حج بیان فرمائیں۔ چنانچہ اعلان کردیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ اس سال حج میں شرکت فرمائیں گے۔ اس خبر کا پھیلنا تھا کہ ہر طرف سے مسلمانوں کا سیلاب اُمّہ آیا۔ اس حج اکبر میں کم و بیش 1,25,000 (ایک لاکھ پچیس ہزار) فرزندان توحید نے شمولیت کا شرف حاصل کیا۔

یہ حج 10 رہجري میں ادا ہوا اور تاریخ اسلام میں ”حجۃ الوداع“ کے نام سے موسم ہے۔ یہ وہ واحد اور منفرد حج ہے، جو فرضیت حج کے بعد حضور علیہ السلام نے ادا فرمایا۔ اسلام کا رکن ہونے کی حیثیت سے نہ اس سے پہلے حج کیا اور نہ بعد میں۔ ”حجۃ الوداع“ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ”منی“ اور ”یوم عرفہ“ کے خطبات میں مسلمانوں کو وداع (اللہ حافظ) کہہ دیا تھا۔

اسی حج کے دوران میں آپ ﷺ نے 9 رذوالحجہ کو ظہر کے بعد اٹٹی پر سوار ہو کر عرفات کے میدان میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ جسے ”خطبہ حجۃ الوداع“ کہا جاتا ہے۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور عطر ہے اور پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔

ذیل میں اس خطبے کے اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

- 1- جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں کے نیچے ہیں۔
- 2- عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔
- 3- ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تم مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو۔
- 4- جو خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ، جو خود پہنوا وہی انہیں پہناؤ۔
- 5- جاہلیت کے تمام خون اور انتقام باطل کر دیئے گئے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ربیعہ بن

حارت کا خون باطل کرتا ہوں۔

- 6- جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔
  - 7- عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔
  - 8- تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو قیامت تک اسی طرح محترم ہے جس طرح اس دن، اس مہینہ اور اس شہر میں محترم ہے۔
  - 9- میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں، تم نے اسے مضبوطی سے قبایل رکھا، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ چیز ”قرآن حکیم“ ہے۔
  - 10- اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا۔ اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔
  - 11- جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے۔ ”اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔“
  - 12- عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے۔
  - 13- امانت واپس کی جائے گی۔ عطیہ لوٹایا جائے گا۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔
  - 14- ہر مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔
  - 15- اگر جشی غلام تمہارا امیر ہو جائے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت کرو
  - 16- اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچوں وقت کی نماز ادا کرو۔ ایک ماہ کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔
- ان الفاظ کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ:

”میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟“

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

”جی ہاں!“

اس پر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر تین بار فرمایا:  
”اَللّٰهُ تَعَالٰی گواہ رہنا۔“

بلاشبہ یہ خطبہ انسانی تہذیب و تمدن کے اصول، انسانی حقوق کے تحفظ، عالمی امن کی تدابیر، رواداری اور بھائی چارے کے طریقوں، عدل و انصاف کی تجویزوں اور اخوت و مساوات کی ہدایتوں کا جامع اور مثالی منشور ہے۔ وقت اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے وضع کردہ قوانین، منشور اور اصلاحات بے اثر اور بے معنی ہو جاتی ہیں۔ حالات و واقعات کا تغیران میں شکست و ریخت کرتا رہتا ہے۔ بہتر سے بہتر قانون اور منشور اس کے بنانے والوں کو ایک دن بے فائدہ اور بے اثر دکھائی دیتا ہے، لیکن اس کے برعکس ہادی برحق کا عطا کردہ خطبہ جتنہ الوداع انسانی منشور کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تعلیمات ابدی اور پوری انسانیت کے لیے ہیں، جن کی حکمتیں ہر آنے والی نسل پر عیاں ہوتی رہیں گی۔

اس وقت دُنیا میں انسان باہم برس پیکار ہے اور تباہ کن ہتھیاروں کی وجہ سے انسانیت تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ اس لیے اس وقت حقوق انسانی، عالمی امن، بین الاقوامی رواداری اور قانون کی بالادستی جیسے اصول اپنا نے پر زور دیا جا رہا ہے۔ جبکہ نبی آخر الزمان ﷺ نے آج سے 1425 (چودہ سو چھپس) سال پہلے ایک ایسا انسانی منشور عطا فرمایا جس پر عمل کر کے ہم نے صرف آج کے مسائل حل کر سکتے ہیں، بلکہ بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی اسی میں موجود ہے۔

## 8 - وصالِ نبوی ﷺ

اللّٰهُ تَعَالٰی کے رسول ﷺ نے نبوت کا مشکل ترین مشن حسن و خوبی کے ساتھ مکمل کر دیا تھا، آپ کے مشن کا ہدف صرف عرب نہیں بلکہ ساری انسانیت تھی اور صرف عقائد و عبادات نہیں بلکہ آپ ﷺ نے زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل انقلاب پیدا کر دیا۔ تاریخ انسانی اس بات پر شاہد ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ سے بہتر تعلیمات آج تک کسی نے نہیں دیں۔ آپ ﷺ تبلیغ اسلام کے لیے تیس (23) سال تک انتحک کوشش کرتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کا طویل سفر کیا تاکہ فریضہ حج ادا کر سکیں۔ اسی سفر کے دوران میں اللّٰهُ تَعَالٰی کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا:

”آج میں نے تمہارے لیے دین کمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کی بھی تکمیل کر دی اور تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا۔“ (۳/۵)

یہ آپ ﷺ کی رخصت کا علان تھا جو آپ ﷺ کے لیے سرت و اطمینان کا باعث تھا۔ اس حج کے بعد جس میں آپ ﷺ نے رہتی دُنیا کے لیے انسانی حقوق کے عظیم منشور کا اعلان کیا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس پہنچے تو جلد ہی مرض الوفات نے آپ ﷺ کو آ لیا۔ مرض کا آغاز در دسر سے ہوا۔ جب مرض زیادہ بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ امامت کے فرائض سنبحال لیں۔ ایک مرتبہ طبیعت کچھ سنبحلی تو مسجد میں تشریف لائے اور پر اثر خطبہ دیا جسے سن کر صحابہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس خطبے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب آپ ﷺ اس دُنیا سے کنارہ کشی فرمانے والے ہیں۔ فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ تھا جسے اللہ نے انتخاب کا اختیار دیا اور اس نے رفیق اعلیٰ کا انتخاب کیا،“

اس عظیم خطبے میں آپ ﷺ نے قبروں کو پوچھنے کی سخت ممانعت فرمائی:

”جو لوگ پیغمبروں کی قبروں کو پوچھتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی مار ہے۔ میرے بعد میری قبر کو بت میں تبدیل نہ کر دینا جس کی لوگ پرستش کریں۔“

ایک دن طبیعت بہتر محسوس ہوئی تو حجرے سے باہر گئے اور یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ وصال سے قبل چہرے پر کچھ اطمینان کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور دین اسلام کے عظیم داعی نے تریسٹ سال کی عمر مبارک میں اس دُنیاۓ فانی سے کوچ فرمایا۔ (ﷺ)

## 9- خود آزمائی

1- درج ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجئے:

- (ا) سیرت طیبہ کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟
- (ب) حضور ﷺ کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے تصریح کیجئے۔

(ج) شقِ صدر کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجئے۔

(د) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد، والدہ اور دادا کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر تحریر کیجئے۔

(ھ) بحیرہ راہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں کیا کہا تھا؟

(و) حرب فغار پر نوٹ لکھیے۔

(ز) خانہ کعبہ میں جگر اسود نصب کرنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا حکمت عملی اپنائی؟

2- یونچ دیے گئے الفاظ میں سے صحیح جواب سے خالی جگہ پر کیجئے۔

(ا) جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کی پیدائش ..... کو ہوئی۔

8/ ربیع الاول 9/ ربیع الاول

(ب) آپ ﷺ کا اسم مبارک ..... نے رکھا۔

حضرت آمنہؓ حضرت عبدالمطلبؑ حضرت حمیمہ سعدیہؓ

(ج) آپ ﷺ کو سب سے پہلے ..... دودھ پلایا۔

حضرت حمیمہ سعدیہؓ حضرت آمنہؓ حضرت ثوبیہؓ

(د) رسول اللہ ﷺ بنی سعد میں ..... مقیم رہے۔

چھ سال تین سال چار سال

(ھ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت حضور ﷺ کی عمر ..... برس تھی۔

چالیس (40) سال پچس (25) سال تیرہ (13) سال

3- مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر فرمائیے:

(ا) پہلی وجہ کب اور کہاں نازل ہوئی؟

(ب) دارِ ا ROOM کو اسلام میں کیا اہمیت حاصل ہے؟

(ج) خفیہ تبلیغ کے دور میں کتنے خوش نصیبوں نے اسلام قبول کیا؟



(د) کوہ صفا کا واقعہ بیان کیجئے۔

(ھ) تبلیغ کے بنیادی اصول بیان کیجئے۔

4- مناسب جواب منتخب کیجئے

(ا) پہلی وحی کس مقام پر نازل ہوئی۔

غار حراء

بیت اللہ

(ب) خفیہ تبلیغ کے دور میں کس کے کردار سے بڑی مدد ملی۔

حضرت علیؑ

حضرت ابو بکر ؓ

(ج) قریش کی دعوت میں کس نے حضور ﷺ کی مدد کا وعدہ کیا؟

حضرت ابو بکر ؓ

حضرت علیؑ

5- مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات لکھیے:

(ا) ہجرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیجئے

(ب) ہجرت جسہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ج) ہجرت مدینہ کے فوری اسباب کیا تھے؟

(د) ہجرت مدینہ کے واقعات بیان کیجئے۔

(ھ) تاریخ اسلام میں ہجرت کی کیا اہمیت ہے؟

6- خالی جگہوں کو پر کیجئے

(ا) جسہ کی طرف دوسرا مرتبہ ..... افراد نے ہجرت کی۔

(ب) ہجرت کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ..... میں قیام کیا۔

(ج) اسلام کی پہلی مسجد ..... میں تعمیر ہوئی۔

7- سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(ا) بیثاق مدینہ کی وجہ تحریر کیجئے۔

(ب) بیثاقِ مدینہ میں کن شرائط کا ذکر ہے؟

(ج) مواخات سے کیا مراد ہے۔ یہ کس طرح سے عمل میں آئی؟

(د) بیثاقِ مدینہ کی رو سے کون ثالث مقرر ہوئے؟

8- سوالات کے جوابات تحریر کیجئے:

(ا) فتح مکہ کے وقت کن لوگوں کو امان دینے کا اعلان ہوا؟

(ب) فتح مکہ کے وقت نبی رحمت نے اہل مکہ کو کن الفاظ سے معاف فرمایا؟

(ج) حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے

(د) خطبہ حجۃ الوداع کا خلاصہ لکھیے۔

(ه) خطبہ حجۃ الوداع کو اسلامی منشور کہا جاتا ہے۔ وضاحت کیجئے۔

9- خالی جگہوں کو صحیح جواب سے پر کیجئے:

(ا) فتح مکہ کے وقت اسلامی لشکر ..... افراد پر مشتمل تھا۔

..... دس ہزار پندرہ ہزار پچیس ہزار

(ب) فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ میں ..... بت تھے

360 ..... 340 ..... 390

(ج) حجۃ الوداع میں شرکاء کی تعداد ..... افراد تھی۔

سو لاکھ ..... اڑھائی لاکھ ..... تین لاکھ

(د) خطبہ حجۃ الوداع ..... میں دیا گیا۔

خانہ کعبہ ..... میدانِ عرفات ..... جبل نور

پونٹ نمبر 7

# اسلام کی اخلاقی اقدار

(فضائل اخلاق)

تحریر : قاضی منیب احمد

نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

## فہرستِ مضمین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
○	پونٹ کا تعارف	194
○	پونٹ کے مقاصد	194
-1	اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف	195
1.1	اسلام میں اخلاق کی اہمیت	197
1.2	اسلامی تصور اخلاق کی خصوصیات	197
1.3	فضائل اخلاق	198
-2	تقویٰ	199
2.1	تقویٰ کے درجات	201
2.2	تقویٰ کے فوائد	202
-3	صدق	203
3.1	صدق کی اقسام	204
-4	ایفاۓ عہد	207
4.1	عہد کی اقسام	208
4.2	ایفاۓ عہد کے فضائل	209

210	عدل و انصاف	-5
211	عدل کی اقسام	5.1
214	عدل کے فوائد و ثمرات	5.2
215	احسان	-6
215	احسان کی اہمیت	6.1
216	مراتب احسان	6.2
217	فضائل احسان	6.3
219	صبر	-7
219	صبر کی قسمیں	7.1
221	صبر کی اہمیت	7.2
222	صبر کے فضائل و برکات	7.3
224	کسب حلال	-8
225	کسب حلال کے فرائض	8.1
227	والدین کا احترام	-9
230	جامع الاخلاق	-10
230	قرآن میں اصول اخلاق	10.1
231	احادیث میں اصول اخلاق	10.2
233	خود آزمائی	-11

## پونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

- کورس ہذا کی پونٹ نمبر 7 میں اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف پر مشتمل ہے۔ اس پونٹ میں درج ذیل نکات کو بیان کیا گیا ہے:
- 1 اخلاق کا مفہوم، اسلام میں اخلاق کی اہمیت، اسلامی تصور اخلاق کی خصوصیات اور فضائل اخلاق کی قدر و قیمت۔
  - 2 فضائل اخلاق میں سے تقویٰ، صدق، ایفائے عہد، عدل و انصاف، احسان، صبر، کسب حلال، والدین کا احترام اور جامع الاحقاق کے اہم متعلقات۔

## پونٹ کے مقاصد

عزیز طلبہ و طالبات!

- اس پونٹ نمبر 7 کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
- 1 اخلاق کے وسیع مفہوم، اہمیت اخلاق اور خصوصیاتِ اخلاق جان سکیں۔
  - 2 تقویٰ کے مفہوم، درجات اور فوائد و ثمرات سے آگاہ ہو سکیں۔
  - 3 صدق کے مفہوم اور اس کی اقسام سے واقف ہو سکیں۔
  - 4 ایفائے عہد کے مفہوم، اقسام اور فضائل کو جان سکیں۔
  - 5 عدل و انصاف کے مفہوم، عدل کی اقسام اور عدل کے فضائل و ثمرات سے آشنا ہو سکیں۔
  - 6 احسان کے مفہوم، احسان کی اہمیت، مراتب احسان اور فضائل احسان سے واقف ہو سکیں۔
  - 7 صبر کے مفہوم، صبر کی فوائد، اہمیت، صبر کے فضائل و برکات کو جان سکیں۔
  - 8 کسب حلال کے مفہوم اور فضائل سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
  - 9 والدین کے حقوق اور قرآن مجید و حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں اصول اخلاق کو جان سکیں۔

## 1- اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف

بقول ارسسطو:

”انسان ایک معاشرتی جانور ہے۔ ماں کے پیٹ سے لے کر موت تک اس کو زندگی گزارنے کے لیے مختلف رابطوں اور تعلقات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسے معاشرے کی حاجت نہ ہو وہ خدا ہے یا درندہ، انسان نہیں۔“

چنانچہ انسان حقوق و فراض کے ایک دائرے میں محصور اور مقید ہے۔ کسی بھی فرد کو دوسرے فرد یا معاشرے کے ساتھ تعلقات درست بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

قانون 2

اخلاق 1

ان دونوں میں زیادہ اہم چیز اخلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشرے میں جہاں اخلاق سے زیادہ قانون کا سہارا لیا جاتا ہے، وہاں اگر کسی وقت قانون کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے تو معاشرہ افراتغیری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ معاشرہ جس کی بنیادیں اپنے اخلاق پر قائم ہوں، وہاں قانون کے بغیر بھی لوگ برائیوں سے دور رہتے ہیں۔ آئیے اخلاق کے معنی پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ اپنے اور برے اخلاق کا معیار کیا ہے؟

اخلاق خلق کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ”عادت“ کے ہیں۔ اصطلاح میں اُس عادت کو کہتے ہیں جس میں چنگی پیدا ہو جائے، وہ اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی۔ امام غزالی ”احیاء العلوم“ میں اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خلق نفس کی اُس بیت راستہ کا نام ہے جس سے تمام افعال صادر ہوں۔ اگر افعال عقلًا و شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس بیت کو خلق حسن اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو بد خلقی کہتے ہیں۔“

اسلامی نقطہ نظر سے انسان اپنی پیدائش اور اصل فطرت کے لحاظ سے بد خلق اور گناہ گار نہیں بلکہ فطرتاً سادہ اور پاک ہے اور اس کی فطرت میں ہدایت اور راستی رکھی گئی ہے ارشادِ رباني ہے:

﴿فَطَرَ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰)

(اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس قابلیت و صلاحیت کی پیروی کرو جس قابلیت پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا)۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه))

(بخاری، کتاب الجنائز)

”ہر بچہ اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوہی بنا لیتے ہیں۔“

مذکورہ آیت اور حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان کے اندر اخلاقی اچھائی ایک فطری ملکہ ہے جس کی بناء پر وہ بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند۔ انسانوں کا تعلق خواہ کسی قوم یا مذہب سے ہوتا ہے انسانیت نے فطری شعور کے باعث بعض اخلاق پر ہمیشہ اچھائی کا اور بعض پر ہمیشہ برائی کا حکم لگایا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ظلم، جھوٹ، نا انصافی اور خیانت کو ہمیشہ بڑی نظر سے دیکھا گیا ہے، جبکہ عدل، سچائی، انصاف اور امانت داری کو ہمیشہ بنظر تحسین دیکھا گیا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انسانی اخلاقیات وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں جن کا تمام انسان اعتراف کرتے چلے آئے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات بھی اس حقیقت کا اظہار کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ رباني ہے:

﴿فَالْهَمَهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَهَا﴾ (اشمس: ۹۱)

(اللہ نے انسان کو برائی اور بھلائی سے الہامی طور پر واقف کر دیا ہے)۔

## 1.1 اسلام میں اخلاق کی اہمیت

دنیا کے تمام مذاہب نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے۔ لیکن اسلام نے اخلاقیات پر جتنا زور دیا ہے، دوسرے کسی مذہب میں نہیں دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اس دُنیا میں تشریف لائے۔ انہوں نے ہمیشہ اچھے اخلاق کی تعلیم دی اور بُرے اخلاق سے اپنی امت کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ عقائد و عبادات کے بعد تعلیمات اسلامی میں اخلاقیات کا درجہ آتا ہے بلکہ اخلاق کو بعض لحاظ سے عبادات سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد میں اخلاقی کوتاہی کی معافی اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے اُس بندے کے ہاتھ میں رکھی ہے جس کی حق تنفسی کی گئی ہو۔

## 1.2 اسلامی تصورِ اخلاق کی خصوصیات

اسلامی تصورِ اخلاق کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو اس کو دوسرے مذاہب کے تصورِ اخلاق سے ممتاز کرتی ہیں۔ ہم آپ کے لیے صرف دو اہم خصوصیات کا ذکر کریں گے:

(الف) اسلام اخلاص نیت اور رضائے الہی کو ہر صالح عمل کا محور اور مرکزی نکتہ قرار دیتا ہے یہی شرط اخلاقیات کو عبادات کے درجے تک پہنچاتی ہے اور انسان کے اندر قوانین اخلاق پر عمل کرنے کا حقیقی جذبہ پیدا کرتی ہے۔

(ب) اسلامی تصورِ اخلاق میں اتنی جامیت اور ہم گیری ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق اخلاقی تعلیمات موجود نہ ہوں۔

قرآن مجید علم و اخلاق کی ایک حکیمانہ کتاب ہے۔ اسلام نے اخلاق، فلسفہ اخلاق اور شخصی و قومی اخلاق پر مفصل بحث کی ہے اور تعلیم اخلاق کو حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد قرار دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی بعثت اخلاقیات میں بھی تکمیلی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن مجید اس کی شہادت ان الفاظ میں دیتا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (اقلم ۶۸:۲)

(بیشک آپ ﷺ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں)۔

خود آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”بعثت لا تمم مكارم الاخلاق“

(مجھے اخلاق کریمہ کی تکمیل کے لیے معبوث کیا گیا ہے)

ایک حدیث میں اچھے اخلاق کو ایمان کی تکمیل کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًاً أَحْسَنَهُمْ خُلُقًاً))

### 1.3 فضائل اخلاق

اس سلسلے میں چند احادیث مزید ملاحظہ کیجئے:

- ”لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔“
- ”قیامت کے دن مومن کے میزان عمل میں کوئی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ہوگی۔“
- ”اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو تم میں سب سے بہتر اخلاق کا حامل ہوگا۔“
- ”آدمی اپنے اچھے اخلاق کی بدولت بسا اوقات وہ درجہ پالیتا ہے جو دن میں روزہ رکھنے اور رات بھر کی نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔“

## -2 تقویٰ

لغت میں لفظ تقویٰ کے کئی معنی ہیں۔

-1 ڈرنا۔

-2 بچنا۔

-3 پر ہیز کرنا۔

اس کے ہم معنی لفظ اتقاء اور رتقہ ہیں۔

اصطلاح میں دل کی ایک خاص کیفیت کا نام تقویٰ ہے جس کی بناء پر انسان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نیک عمل کی رغبت اور برے عمل سے شدید نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں لفظ خشیت اور حدیث میں ورع کا لفظ اور اردو میں اللہ کا خوف اسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تقویٰ انسان کو ہر لمحے اللہ کا خوف پیدا کر کے برائی سے باز رکھتا ہے۔ حضرت عمر رض نے کعب احبار سے کہا کہ تقویٰ کی تعریف بتائیے۔

انھوں نے پوچھا کہ: آپ کبھی خاردار راستے پر چلے ہیں؟

فرمایا: ہاں

پھر پوچھا کہ آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا:

حضرت عمر رض نے کہا کہ میں نے حفاظت کی اور اپنے کپڑے سمیٹ کر چلا۔

حضرت کعب نے کہا کہ یہی تقویٰ ہے

اسی قسم کی روایت حضرت ابو ہریرہ رض سے بھی مروی ہے:

”ذینا وی زندگی ایک خاردار جنگل کی طرح ہے۔ اگر کوئی شخص خود کو غلط را ہوں سے بچاتا ہوا گزر جائے تو وہ متینی ہے۔“

تقویٰ کو اسلامی اخلاق میں بہت اہمیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں اصول تقویٰ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبادات کا مقصد اور غرض و غایت انسان میں تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں لگائیے:

-1      قرآن کریم متقيوں کے لیے ہدایت کی کنجی ہے۔ (ابقرہ)

-2      عبادات کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ (ابقرہ)

-3      روزے کا مقصود بھی حصول تقویٰ ہے۔ (ابقرہ)

-4      قربانی بھی تقویٰ کے حصول کے لیے ہے۔ (حج)

-5      شعائر حج کا احترام بھی تقویٰ کی دلیل ہے۔ (حج)

-6      لباسوں میں سب سے بہتر لباس بھی تقویٰ ہی کا ٹھہرا۔ (اعراف)

-7      عظمت و فضیلت کا معیار بھی تقویٰ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ (طور)

-8      جنت اور اُس کی نعمتوں کا وعدہ بھی اہل تقویٰ ہی کے لیے ہے۔ (زاریات)

حضور اکرم ﷺ نے بھی حصول تقویٰ پر بہت زور دیا ہے۔ آپ ﷺ کا شاید ہی کوئی خطبہ تقویٰ کی اہمیت سے خالی ہوتا ہو۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”خوب سن لو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو صرف تقویٰ کے سبب۔“ (بخاری)

## 2.1 تقویٰ کے درجات

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے تقویٰ کے تین مراتب ذکر کیے ہیں:

- ادنیٰ درجہ یہ ہے: اللہ کے عذاب سے ڈر کر خالص توحید اختیار کرنا اور شرک سے بچنا یعنی ایمان لانا۔
- متوسط درجہ یہ ہے: ہر کبیرہ و صغیرہ گناہ سے بچنا۔
- اعلیٰ درجہ یہ ہے: ہر اس چیز سے بچنا اور لاتعلق رہنا جو قلب کو یادِ الہی سے غافل کر دے۔

### مقام تقویٰ اور صفات متقین

تقویٰ کا گھر انسان کا دل ہے اور اعضاء و جوارح اس کے وجود یا عدم وجود کی دلیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”آگاہ ہو جاؤ کہ سینے میں گوشت کا ایک لوٹھڑا ہے، جب یہ تندرنست ہو تو تمام بدن تندرنست رہتا ہے اور اگر اس میں خرابی و فساد پیدا ہو جائے تو سارے بدن میں خرابی و فساد پیدا ہو جاتا ہے۔“

سورۃ البقرہ کی ایک آیت میں اہل تقویٰ کی یہ صفات بیان کی گئی ہے کہ وہ صاحب ایمان، نماز کے پابند، زکوٰۃ ادا کرنے والے، وعدے کے پابند اور صابر ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے:

”لیکن نیکی یہ ہے کہ اللہ پر، روزِ قیامت پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لانا اور مال کی محبت کے باوجود اُسے رشتہ داروں، تیمبوں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں پر اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کرنا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا، اور جو وعدہ کر کے پورا کرنے والے ہیں اور سختی و تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو چ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی ہیں۔“ (البقرہ: 22)

## 2.2 تقویٰ کے فوائد

تقویٰ دین اسلام کی روح اور تمام نیک کاموں کی غرض اور اصلی مقصد ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

- انسانی ذہن و فکر میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔
- عبادات میں دل لگتا ہے اور خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔
- حرام اور مشتبہ چیزوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر عظیم کا باعث ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی محبت، قرب اور حصول جنت کا ذریعہ ہے۔
- رزق میں وسعت پیدا کرتا ہے۔
- دُشمن کے خوف سے محفوظ رکھتا ہے۔

## 3 - صدق

صدق کے لغوی معنی ہیں سچ بولنا، سچ کر دکھانا۔ صادق پچے کو اور صدیق ہمیشہ سچ بولنے والے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں صدق ہر قسم کی سچائی کو کہتے ہیں، خواہ اُس کا تعلق زبان سے ہو، قلب سے ہو، یا عمل سے ہو۔ اسلام میں صفتِ صدق کو اخلاقیات کے اصول اور اساس میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے ماتحت اور بہت سی اخلاقی خوبیاں داخل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف صفتِ صدق اپنالے تو بہت سی اخلاقی براہیوں سے فیض سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ سچا ہونے کا ان الفاظ میں اعلان کرتا ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (النساء: ۲۷)

(اور بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا وصف بھی ہے۔ قرآن کریم میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کی اس صفت کو بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا حال بیان کرو کہ وہ بہت سچے بنی تھے۔“ (مریم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا:

” بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے۔“ (مریم)

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن برگزیدہ بندوں کو جنت کی بشارت دی ہے۔ وہ بھی اس صفت میں ممتاز تھے۔ ان کو الصادقین کے نام سے یاد کیا ہے۔

اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ: ”تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“ (توبہ)

### 3.1 صدق کی اقسام

سچائی سے ہم عام طور پر صرف حق بولنا مراد لیتے ہیں لیکن یہ لفظ اپنے اندر بہت وسعت لیے ہوئے ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ نے اس کی چھ اقسام بیان کی ہیں:

نیت کی سچائی	-2	بات کی سچائی	-1
عہد کی سچائی	-4	عزم کی سچائی	-3
دینداری میں سچائی	-6	عمل کی سچائی	-5

ان ہی اقسام کو مندرجہ ذیل تین قسموں میں سमویا جا سکتا ہے:

#### 1- زبان کی سچائی

زبان کی سچائی سے یہ مراد ہے کہ جو لفظ زبان سے نکالا جائے وہ حقیقت پر مبنی ہو۔ کلام کرنے والا دیانتاری سے اپنے ضمیر کی ترجیحی کر رہا ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”بیشک سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے، اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے، اور ایک شخص حق بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ”صدقیق“ لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی دوزخ کی راہ پر ڈال دیتی ہے، اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ”جھوٹا“ لکھ لیا جاتا ہے۔“ (مؤطرا)

اسلام میں ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو شخص اس لیے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے۔ اس کے لیے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔“ (ترمذی، ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

”یہی بہتیرا جھوٹ ہے کہ آدمی سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے آگے پہنچا دے۔“  
 (تذکرہ الحفاظ الذہبی)

## 2- دل کی سچائی

اس سے مراد ہے کہ آدمی مخلص اور بے لوث ہو، دل کی صداقت کو خلوص سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایمان قلبی صدق ہی کی ایک شکل ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:

”جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی صدقیت ہیں۔“ (حدیید: ۱۹)

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

”کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر پوچھا گیا، کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، پھر پوچھا گیا، کیا جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں (موطا)

کوئی بھی عمل اگر دل کی سچائی سے خالی ہے یعنی اگر اس میں اخلاص نہیں تو ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے وہ کتنا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو، اللہ کے نزدیک اُس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اندریشہ ہے کہ ریا کاری کے سبب وہی عمل الاثاب ایسا عذاب بن جائے۔

## 3- عمل کی سچائی

اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے اعضاء و جوارح اُس کے قول اور دل کی ترجمانی کر رہے ہوں اور اُس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ پھر اس ایمان میں انہیں

کوئی شک نہ رہا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کیا۔ صرف وہی صادق لوگ ہیں۔“ (الْجَرَاتُ: 10)

حضور اکرم ﷺ صدق کے پیکر تھے۔ دعویٰ نبوت سے قبل ہی کفار قریش میں آپ ﷺ کی صداقت مسلم تھی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم صداقت کے پیکر بنیں اور اپنے قول و عمل سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ کامیابی کا راز آج بھی صداقت ہی میں پوشیدہ ہے۔ بعض غیر مسلم اقوام نے چند دُنیاوی امور میں سچائی کو اپنارکھا ہے۔ اس کی بنیاد ہی پر معاشی میدان میں آگے نکل رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے دُنیاوی مفاد کی خاطر حق گوئی کو چھوڑ دیا۔ اسی وجہ سے اپنا اعتبار اور وقار کھو دیا۔ اخلاقیات کو پڑھنے پڑھانے کا مقصود ہی یہ ہے کہ ہم ان تمام اخلاقی صفات کا پیکر بنیں اور ظاہری طور پر جھوٹ میں خواہ کتنا ہی نفع نظر آ رہا ہو، اس بات کا یقین رکھیں کہ آخر کار کامیابی سچائی میں ہی ہے۔

## 4۔ ایفائے عہد

ایفائے عہد سے مراد ہے وعدے کا پورا کرنا یہ بھی عملی صدق کی ایک شکل ہے کہ جو بات کبی جائے، اپنے عمل سے اُس کی تصدیق کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں قول عمل کی مطابقت کو ایفائے عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک حقیقی مسلمان کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ جس بات کا وعدہ کرے، ہر صورت میں اس کا پاس رکھے۔

بقول سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ علیہ:

”سمندر اپنا رُخ پھیر دے تو پھیر دے، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے، مگر کسی مسلمان کی یہ شان نہ ہو کہ منہ سے جو کہے وہ اُس کو پورا نہ کرے، اور جو قول و قرار کرے اُس کا پابند نہ رہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے متعدد آیات میں ایفائے عہد کو اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ﴾ (آل جمع: ۳۹)

(اللہ اپنے وعدے کو ہرگز نہیں ٹالے گا۔)

﴿وَمَنْ أُوفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۱۲)

(اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے۔)

حضرور اکرم ﷺ کی ذاتِ بارکات میں دوسرے محسن اخلاق کی طرح یہ خلق بھی انتہائی درجے تک پہنچا ہوا تھا۔ جس کا دشمن بھی اعتراف کرتے تھے۔ اس کی تائید کے لیے نبوت سے پہلے کا ایک ہی واقعہ کافی ہے کہ:

”عبداللہ بن أبي العماء نے آپ ﷺ سے کوئی معاملہ کیا اور آپ ﷺ کو بھاکر چلے گئے کہ آ کر حساب دیتا ہوں۔ اتفاق سے انہیں خیال نہ رہا اور تین دن بعد آئے تو آپ ﷺ کو اُسی جگہ

تشریف فرمادیکھا۔ ان کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔” (صحیح بنواری، کتاب الشروط)

انسان چونکہ فطرتاً اجتماعیت پسند ہے، اس لیے معاشرے کے افراد کا ایک دوسراے کے ساتھ باہمی تعاون لازمی ہے اور یہ عہد کو پورا کیے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے اس کی تاکید متعدد جگہ کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَأُوفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: 34)

”اور وعدے کو پورا کرو بیشک وعدوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

ایک آیت میں حقیقی مومن کی نشانی یہ بتائی گئی کہ:

”وَهُوَ أَپَى إِلَيْهِ مَا يَنْتَوْنَ أَوْ رَأَبْنَوْنَ كَمَا يَأْتِيُنَّ إِلَيْهِ مَا يَعْدُونَ“ (المؤمنون: 8)

#### 4.1 عہد کی اقسام

بنیادی طور پر عہد کی دو قسمیں ہیں:

- 1- اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے۔

- 2- بندوں کے ساتھ کیے ہوئے وعدے۔

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ علیہ نے اس کو چار قسموں میں بیان کیا ہے:

- 1- وہ فطری عہد جو اللہ کے بندوں نے یوم الاست میں اپنے پروردگار کے ساتھ کیا۔ اس کا پورا کرنا تمام مسلمانوں کے لیے اولین فرض ہے۔

- 2- وہ عہد جو کسی بھی شخص کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے۔

صحابہ کرام ﷺ نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر وہ عہد کیا اور بعد میں آنے والے مسلمان کلمہ طیبہ پڑھ کر یہ عہد کرتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر دل و جان سے عمل کریں گے۔

3- اس میں وہ تمام عہود شامل ہیں جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ انہیں پورا کرنا بہر حال واجب ہے۔

4- چوتھا وہ عہد ہے جو اہل حقوق کے درمیان فطرتاً قائم ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایفائے عہد میں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو دل و جان سے قبول کرنا، حضور ﷺ کی تمام سن托ں پر پوری طرح عمل کرنا، رشته داروں کے حقوق کی ادائیگی اور افراد کے باہمی تعلقات اور معاملات کے طے شدہ شرائط کے مطابق پورا کرنا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی بھی چیز سے صرف نظر کرتا ہے تو وہ عہد کا پابند کھلانے کا مستحق نہیں۔

## 4.2 ایفائے عہد کے فضائل

قرآن و حدیث میں ایفائے عہد کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

”سچے اور پرہیزگار بندے وہ ہیں جو عہد کرنے کے بعد اس کو پورا کرتے ہیں۔“ (البقرة)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ:

”قرآن سے تو بس وہی لوگ نصیحت پڑتے ہیں جو سمجھدار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔“ (رعد)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص ایفائے عہد کرتا ہے، میں اس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔“

”تم میں سے کسی کے لیے روانیں کہ اپنے بچے سے کسی چیز کا وعدہ کرو پھر اسے پورا نہ کرو۔“

## 5۔ عدل و انصاف

لفظ عدل کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا، برابر کرنا، افراط و تفریط کے درمیان توازن قائم رکھنا۔

اصلاح میں عدل ”کسی چیز کو اُس کے صحیح مقام پر رکھنے“ کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں لفظ ”ظلم“ آتا ہے جس کے معنی ہیں ”وضع الشیء فی غیر محلہ“ (کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے کسی دوسری جگہ رکھ دینا)۔

اُردو میں ”النصاف“ کا لفظ بھی عدل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ اعتماد بھی اسی سے بناتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم میں اس کے لیے ”قسط“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

یہ ساری کائنات عدل کی بنیاد پر قائم ہے۔ اگر اس میں عدل و توازن باقی نہ رہے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت اس کا عادل ہونا ہے۔ اللہ کا کلام قرآن کریم خود بھی سراپا عدل ہے اور مخلوق خدا کو بھی عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ ارشادِ ربیٰ ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكُ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ (آل‌انعام: ۲) (۱۱۵)

(اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)۔

اسلام میں عدل و انصاف کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے عدل اجتماعی و انفرادی، معاشی اور معاشرتی، قانونی اور سیاسی، غرض عدل کے تمام پہلوؤں پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

## 5.1 عدل کی اقسام

بنیادی طور پر عدل کو دو بڑی قسموں یا شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

انفرادی عدل -1      اجتماعی عدل -2

### 1- انفرادی عدل

انسان کی انفرادی زندگی کی کامیابی کا مدار اس پر ہے کہ اس کے ہر کام میں اعتدال پایا جائے۔ صحت کی بقاء کے لیے کھانے پینے اور دوسرے امور میں اعتدال ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ اسلام دُنیاوی معاملات اور عبادات کے درمیان بھی توازن قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں وہ عبادات کا حکم دیتا ہے وہاں کسب حلال کو بھی انسانی فریضہ گردانتا ہے اور رہبانیت کی نفی کرتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے عبادات میں اعتدال کو اپنی صفت قرار دیا ہے۔ جب تین اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت میں سے ایک نے یہ عہد کیا کہ ساری رات عبادت کیا کروں گا سو یا نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ نکاح نہیں کروں گا، تو آپ ﷺ نے انہیں اس سے روکا اور فرمایا کہ：“میں رات کو عبادت کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔”

پھر فرمایا کہ：“وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنْنَتِي فَلَيْسَ مِنِّي”

(جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔) (بخاری)

### 2- اجتماعی عدل

اس میں عدل کی بہت سی صورتیں داخل ہیں۔ چند صورتیں درج ذیل ہیں:

### (الف) عدالتی امور میں عدل

عدالتی امور میں عدل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں عدالتی عدل کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دستاویز لکھنے کے متعلق فرمایا:

﴿وَلِيُكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ (ابقرہ ۲: ۲۸۲)

(اور دستاویز لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے)۔

عدالت میں گواہی دیتے وقت بہت سے لوگ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ خصوصاً جب اپنی ذات یا اپنے رشتہ داروں کا معاملہ ہو۔ اس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

”جب بات کو لوتو انصاف کا ساتھ دو، خواہ فریق مقدمہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔“ (انعام)

قانصیوں اور جھوٹ کو حکم ہوتا ہے کہ فیصلے کے وقت عدل کو پیش نظر رکھیں اور اس میں کسی قسم کی رُور عایت یا رخنہ اندازی نہ ہونے دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۲: ۵۸)

(جب لوگوں کے جھگڑے مٹانے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)۔

حضور اقدس ﷺ کی انصاف پروری اتنی مشہور تھی کہ غیر مسلم بھی اپنے معاملات کا انصاف کرانے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اسلامی عدل کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ یہاں فیصلہ رنگِ نسل، نمہب و قبلیہ، امیری اور غربت کی بنیادوں پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ مجرم چاہے کتنا ہی امیر و کبیر ہو، عزت و دولت کا مالک ہو، یا فقیر و مسکین ہو، معزز گھرانے کا جچشم و چراغ ہو، یا چھوٹی ذات کا، انصاف کے معاملے میں سب برابر ہیں۔

قریش کی ایک معزز خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا تو آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہادی۔ جب بعض

صحابہ کرام ﷺ نے سفارش کرنا چاہی تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ:  
 ”اگلی قومیں اسی لیے ملیا میرٹ ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو معاف کر دیتے اور  
 چھوٹا کرتا تو سزادے دیتے۔“

پھر فرمایا کہ:

”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری  
 کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

### ب۔ معاشرتی امور میں عدل

روزمرہ کے معاشرتی امور میں بھی عدل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر ایک پاکیزہ اور بلند اخلاق  
 معاشرہ تشكیل نہیں پاسکتا۔ چنانچہ ناپ قول کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

﴿وَأُوفُوا الْكِيلَ وَالْأَمْيَزَانِ بِالْقِسْطِ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

(اور ناپ قول میں پوری طرح انصاف کرو)۔

تیبیوں کے حقوق کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَمِّ بِالْقِسْطِ﴾ (النساء(۲): ۱۲۷)

(اور تیبیوں کے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھو)۔

ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ عدل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء(۲): ۳)

(اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک  
 ہی نکاح کرو)۔

## ج۔ معاشی امور میں عدل

معاشی عدل کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد اساسی حیثیت رکھتا ہے:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ (آل عمران: ۳۱)

(کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی سے بچو)۔

اسلام نے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام معيشت دیا ہے اس میں عدل کو بہت اہم مقام حاصل ہے چنانچہ جو لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں ان کو اللہ نے اپنے نیک بندوں میں شمار کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً﴾ (آل عمران: ۲۷)

(اللہ کے مقرب بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں، نہ بخل سے کام لیں بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کریں)۔

## 5.2 عدل کے فضائل و ثمرات

- عدل انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔
- عدل انسان کو بر بادی سے بچاتا ہے اور امن و امان کے قیام میں مدد دیتا ہے۔
- آخرت کی کامیابی اور فلاح کا ذریعہ ہے۔
- عادل ان سات خوش قسمت اشخاص میں سے ہے جو قیامت کے دن عرش کے سامنے میں ہوں گے۔ (ریاض الصالحین)
- وہ لوگ جو اپنے گھروں میں یا اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے بیناروں پر ہوں گے۔ (ریاض الصالحین)

## 6- احسان

احسان کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اچھے طریقے سے انجام دینا، خوبصورت بنادینا۔ اس کا مادہ حسن ہے۔  
قرآن کریم میں اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے ”حسنۃ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اُردو میں ”حسن سلوک“ اور ”مروت“ بھی یہی معنی دیتے ہیں۔

احسان کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی کام میں دل لگا کر عمدگی اور اچھے طریقہ سے انجام دینا۔

### 6.1 احسان کی اہمیت

احسان ایک ایسی جامع صفت ہے جو ہر نیکی کو محیط ہے۔ اسلام جہاں نیک کام کی طرف دعوت دیتا ہے۔  
اس میں کثرت کی رغبت دلاتا ہے، وہاں اس کو خوب سے خوب تر طریقے سے انجام دینے کی ہدایت کرتا ہے۔  
اگر عدل برابری اور مساوات کا تقاضا کرتا ہے تو احسان اس سے آگے نکل جانے کا نام ہے، جہاں حق دار کے حق  
سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ احسان اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت بھی ہے اور مخلوق کو بھی اپنے اندر یہ صفت  
پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشادِ رباني ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعُدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾  
(النحل: (۹۰): (۱۲))

(اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَأَخْسِنْ كَمَا أَخْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾  
(القصص: (۲۸): (۲۷))

(احسان کرو جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا)۔

## 6.2 مراتبِ احسان

احسان کے بہت سے درجات اور مراتب ہیں۔

- احسان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی صاحبِ ایمان ہو۔
- احسان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں سب سے بھلائی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرے اور نیکی کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔

### احسان کی فتحمیں

بنیادی طور پر احسان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

بندوں کے ساتھ احسان -2      عبادات میں احسان -1

### 1- عبادات میں احسان

عبادات میں احسان یہ ہے کہ آدمی عبادات کی تمام شروط و قیود کو مرد نظر رکھتے ہوئے انتہائی اخلاص اور دل جمعی کے ساتھ اس طرح عبادت کرے گویا اپنی زندگی کی آخری عبادت کر رہا ہے۔ احسان کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہیں تو یہ یقین

رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (حدیث جبریل)

یوں تو جو عبادت خشوع و خضوع سے کی جائے احسان کے درجے تک پہنچ سکتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ رات کی عبادت کو احسان شمار کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اُسی کا حصہ ہے جس کے دل میں اللہ کی حقیقی محبت جاگزیں ہو۔

## 2- بندوں کے ساتھ احسان

بندوں کے ساتھ احسان کا مطلب ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا اور نیکی کا بدلہ اس سے بڑھ کر دینا۔ احسان کی منزل عدل کے بعد آتی ہے۔ جو عادل نہیں وہ محسن نہیں ہو سکتا۔ احسان کی اس قسم میں بہت سی صورتیں داخل ہیں، جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

- کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دلانا۔
- قصور وار کو معاف کر دینا۔
- کسی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھانا بلکہ اس کی بقدر استطاعت مدد کرنا۔
- تنگ دست مقروض کو مہلت دینا۔
- دوسرے کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دینا۔
- کسی کو سزا کے طور پر قتل کرنا ہو، یا جانور ذبح کرنا ہو تو ضرورت سے زیادہ تکلیف نہ دینا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”جب تم کسی کو (جہاد میں) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو۔ اور تم میں سے کوئی آدمی جانور ذبح کرے تو پہلے اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبح کو راحت دے۔“ (مسلم)

## 6.3 فضائل احسان

قرآن و حدیث میں احسان کے فضائل بہت کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنة اور صحابہ کرام ﷺ کی زندگیاں احسان کی مثالوں سے بھری ہیں۔ ہم یہاں پر اختصار کی خاطر چند فضائل پر اکتفاء کرتے ہیں:

-1      اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے درجات بلند سے بلند کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَسَنَرِيْدُ الْمُحْسِنِينَ﴾ (البقرہ(۲):۵۸)

(اور ہم احسان کرنے والوں کو جلد مزید دیں گے)۔

-2      محسین کو سب سے بڑی نعمت یعنی اللہ کی رضا اور محبت حاصل ہوگی۔ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (البقرہ(۲):۹۵)

(یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

-3      حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”جو اپنے قرض دار کو مہلت دے گا، اس کا قرض معاف کر کے اس پر احسان کرے گا،  
تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سامنے میں ہو گا۔ (مسند احمد)

## 7۔ صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا، برداشت کرنا، ثابت قدم رہنا، باندھ دینا۔

دین کی اصطلاح میں ”صبر“ یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے لیے ہر قسم کی پریشانی اور مشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ استقامت، استقلال اور تحمل بھی صبر ہی کی چند صورتیں ہیں۔

صبر ان اخلاقی فاضلہ میں سے ہے جن کی انسان کو ہر لمحہ اور ہر حالت میں ضرورت پیش آتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ صبر کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بے اعمال کا ترک کر دینا ایک ایسا عمل ہے، جس کا شرہ ایک خاص کیفیت کی صورت میں رُونما ہوتا ہے۔ اس شرے کا نام صبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے خلاف خود کو تیار رکھنا صبر ہے۔“

صبر کا مفہوم اپنے اندر بہت وسعت لیے ہوئے ہے مثلاً:

- نفسانی خواہش کے خلاف صبر کرنے کا نام ”عفت“ ہے۔
- مصالح کے مقابلے میں صبر ”قوت برداشت“ ہے۔
- میدانِ جنگ میں صبر و برداشت کو ”شجاعت“ کہتے ہیں۔
- فضول خرچی کے مقابلے میں صبر کو ”زہد“ کہا جاتا ہے۔

### 7.1 صبر کی فوائد

بنیادی طور پر صبر کی تین فوائد ہیں:

### 1- صبر علی الطاعة

نیک کام کی ادائیگی میں مشکلات برداشت کرنا، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور کسی بھی نیکی کے کام میں جو وقت پیش آتی ہے، ایک مسلمان اس کو خوشی سے برداشت کرتا ہے اور اُس وقت کی وجہ سے نیک کام نہیں چھوڑتا۔ یہ اطاعت پر صبر ہے۔

### 2- صبر عن المعصية

گناہ سے باز رہنا۔ بعض اوقات انسان کافی و شیطان اس کو کسی برے کام پر آمادہ کر لیتے ہیں، لیکن ایک مسلمان محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے اُس برے کام کے قریب نہیں جاتا، خواہ اُس کو کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔

### 3- صبر علی المصيبة

کوئی پریشانی لاحق ہو جائے، خواہ مالی ہو یا جانی، اس پر کوئی بیماری آ جائے، یا کوئی بڑا صدمہ پہنچے، اس کو برداشت کرنا، اور اس پر چیخ و پکار اور شور و غوغائے کرنا، مصیبت پر صبر کرنا ہے۔

قرآن کریم میں صبر کا لفظ ستر سے زیادہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل مفہوم بھی داخل ہیں:

الف۔ مشکلات اور بے سرو سامانی کی حالت کو برداشت کرتے ہوئے مناسب وقت کا انتظار کرنا اس کا عملی نمونہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے دعوتِ اسلام کے آغاز پر پیش کیا۔ کفارِ قریش نے ایذا رسانی کا کوئی طریقہ اور موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر و تسلی کا حکم آتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ۵۲)

(ثابت قدیمی کے ساتھ منتظر ہیے کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے اس پر عمل کر کے صبر کی مثالیں قائم کیں۔

ب۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا  
یعنی میدانِ جنگ میں جب دشمن سے مقابلہ ہو تو وہاں شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ثابت  
قدمی سے بچے رہنا اور استقامت کا ثبوت دینا۔ ارشادِ ربانی ہے:

”اے ایمان والو! جب تم کسی دشمن سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو  
تاکہ فلاح پاؤ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمان برداری کرو۔ اور آپس میں جھگڑو  
نہیں ورنہ تم سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر  
کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (الآنفال(۸): ۲۵ تا ۳۶)

درگز رکرنا۔ یعنی براہی کرنے والوں کی براہی سے صرف نظر کرتے ہوئے انہیں معاف کر دینا۔

ارشادِ ربانی ہے:

”اور اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف دی گئی ہو اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں  
کے لیے بہتر ہے۔“ (سورۃ النحل)

## 7.2 صبر کی اہمیت

اسلامی اخلاقیات میں صبر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں صبر کی بہت تاکید آئی  
ہے اور مؤمن کے لیے اس دُنیا کو دارالامتحان یعنی آزمائش کا گھر قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَتُبْلُوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ (آل عمران(۳): ۱۸۶)

(تمہارے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمائش ہو گی)۔

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

”اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی) کی بشارت سنادو۔“ (ابقرہ)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا: ((الصَّابِرُ ضِيَاءٌ)) ”صبر روشی ہے۔“ (ترمذی)

مطلوب یہ ہے کہ صبر ہر حال میں امید کا چراغ ہے۔

علمی کاوشیں اور سائنسی تحقیقات کے لیے سالہا سال محنت اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے، تب کہیں جا کر کوئی نتیجہ نکلتا ہے۔ صبر نہ ہوتا انسان مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

((كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كَفُراً))

”یعنی فقر بعض وقت کفر کے قریب لے جاتا ہے۔“

دین پر استقامت کے لیے بھی صبر بہت ضروری ہے۔ ایک صحابی ﷺ نے حضور اکرم ﷺ سے نصیحت فرمانے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُلْ آمُنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقْمِمْ))

”کہو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لا یا، پھر ثابت قدم رہو۔“

### 7.3 صبر کے فضائل و برکات

صبر کی فضیلت میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُؤْوَى فِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (آل عمران: ۳۹)

(صبر والوں کو ان کا اجر بغیر حساب و کتاب کے ملتا ہے)۔

صبر کا میابی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرہ)

(بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

((ان النصر مع الصبر))

”اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہوتی ہے۔“

صبر گئنا ہوں کو ختم کرتا ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ:

”جب میں اپنے مومن بندے سے اس کی کوئی محبوب چیز لیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اُسے جنت سے نوازتا ہوں۔“ (ریاض الصالحین)

ایک حدیث میں فرمایا کہ:

”مومن پر مال و اولاد کی آزمائش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ کے پاس جاتا ہے تو اس کی خطاء باقی نہیں رہتی۔“

مختصر طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ:

”صبر عبادت ہے۔ صبر اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ صبر کا میابی کی ہمانت ہے۔ صبر مشکلات میں اللہ کی مدد کا سبب ہے۔ صابر جنت کا حق دار ہے۔“

## 8- کسبِ حلال

انسان کی زندگی رُوح اور جسم سے مرکب ہے جس طرح رُوح کے بغیر انسان کا وجود ممکن نہیں، اسی طرح انسانی جسم کو اپنی بقاء کے لیے پانی اور خوارک کی ضرورت ہے۔ خوارک انسانی مشینی کا ایندھن ہے، جو انسان کو ہر وقت متحرک رکھتی ہے۔ اسلام نے جہاں انسان کو زندگی کے دوسرے شعبوں کے لیے کچھ اصول اور ضوابط دیئے ہیں، وہاں روزی کمانے کے معاملے میں بھی انسان کی رہنمائی کی ہے۔ اسلام نے انسان کو حصول رزق کے معاملے میں بے مہار نہیں چھوڑ دیا کہ جو چیز چاہے کھائے اور جہاں سے اور جیسے حاصل کرنا چاہے کرے، بلکہ انسان کو اچھی اور پاکیزہ خوارک کے حصول کی تعلیم دی اور اس کے لیے اسباب پیدا کیے۔

تمام برگزیدہ بندوں کو کسبِ حلال کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (المونون: ۲۳) (۵۱)

”اے رسولِ کرام! حلال روزی کھاؤ اور نیک کام کرو۔“

پھر یہی حکم عام مسلمانوں کو دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (بقرہ: ۱۷۲)

”اے اہل ایمان! جو پاک چیزوں ہم نے تمہیں بخشی ہیں، انہیں تناول کرو۔“

جو چیزوں حرام اور ناپاک ہیں وہ انسانی اخلاق پر بے اثرات ڈالتی ہیں اور جسمانی و روحانی دونوں اعتبار سے انسان کے لیے مضر ہیں۔ ان چیزوں کے استعمال سے انسان اخلاقی احتطاط اور ذہنی پر گندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

## 8.1 کسبِ حلال کے فضائل

حلال روزی کی تلاش کو ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ تمام انبیاء کرام اور سلف صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ محنت مزدوروی کر کے اپنی روزی حاصل کرتے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”اپنے ہاتھ کی محنت سے کمائے ہوئے کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں۔“

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ:

”گناہوں میں بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے، نہ صدقہ ہے نہ حج ہے۔ اُن کا کفارہ طلبِ معیشت میں تکلیف اور پریشانی برداشت کرنا ہے۔“ (طرانی)

یاد رکھیے! جس طرح مردار اور ناپاک چیزیں حرام ہیں، اسی طرح ایسے مال و دولت کا استعمال بھی درست نہیں جو ناجائزِ ذرائع سے حاصل ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النساء (۲۹): (۳))

”اے ایمان والو! آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔“

اس میں مندرجہ ذیل صورتیں بھی داخل ہیں:

- ۱۔ رشوت کے ذریعے حاصل شدہ مال۔
- ۲۔ چوری، ڈیکتی، غصب اور دھنس کے ذریعے حاصل شدہ مال۔
- ۳۔ دیانت داری اور فرض شناسی کے بجائے کام چوری اور مفت خوری سے حاصل شدہ مال۔
- ۴۔ ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور ملاوٹ کے ذریعے سے حاصل شدہ مال۔
- ۵۔ ناپ تول میں کمی یا طے شدہ معابرے کے خلاف گھٹیا چیز دے کر حاصل شدہ مال۔

آنحضرتؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

”بہت سے لوگ طویل السفر پر اگنده حال اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب! یا رب! پکارتے ہیں مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام۔

ان حالات میں ان کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟“ (مسلم)

۶۔ حرام روزی کھانے والے کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

۷۔ کسب حلال کرو۔ دعا میں قبول ہوں گی۔

## 9۔ والدین کا احترام

والدین کے اولاد پر اس قدر احسانات ہوتے ہیں کہ اگر ان کی خدمت میں انسان ساری زندگی بھی گزار دے، تب بھی ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ان کے حقوق کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے ساتھ والدین کا ذکر کیا ہے ان کا شکر ادا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجئے۔

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدِينِ إِحْسَاناً﴾

(بني اسرائیل یا الیٰسراہ (۱۷: ۲۳))

(اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو)۔

سورۃلقمان میں فرمایا:

﴿أَنِ اشْكُرُ لِي وَلِوَالِدَيَكَ﴾ (لقمان (۱۳:۳۱))

(میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو)۔

والدین ہمارے محسن ہیں۔ وہ ہمارے وجود کا محسوس اور ظاہری سبب ہیں۔ انہوں نے ہمارے وجود، پرورش اور تربیت کی خاطر طرح طرح کی مشکلات اور پریشانیاں برداشت کیں، اور کسی فتنہ کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ والدین کے حقوق کا اعتراف تمام مذاہب کرتے ہیں لیکن اسلام نے خصوصیت سے اس پر بہت زور دیا ہے:

- ایک حدیث میں آپ ﷺ نے نماز کے بعد خدمتِ والدین کا درجہ بتایا ہے۔
- ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا، وہ ذلیل ہوا“، صحابہ کرام ﷺ نے

پوچھا: ”اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! کون آدمی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے ماں باپ یا اُن میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر (اُن کی خدمت نہ کر کے) جنت میں داخل نہیں ہوا۔“ (مسلم)

○ ایک موقع پر آپ ﷺ نے خدمتِ والدین کو جہاد جیسی عظیم عبادت پر بھی ترجیح دی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”تمہارے والدین زندہ ہیں؟“ اُس نے کہا ”بھی ہاں“۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جاوہ اُن کی خدمت کرتے رہو، یہی تمہارے لیے جہاد ہے۔“ (بخاری و مسلم)  
والدین اگر غیر مسلم ہوں تب بھی اُن کے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہیں آنی چاہیے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ”امورِ دین میں اُن کی اطاعت نہ کی جائے“، البتہ دُنیاوی معاملات میں اُن کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اُن کو دین اسلام کی دعوت دی جاتی رہے۔ یہی اُن کی بہت بڑی خدمت ہے۔

قرآن و حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی جوتا کید آئی ہے، اُس کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

- ۱۔ والدین کا ادب و احترام کیا جائے۔
- ۲۔ دل و جان سے اُن کی خدمت کی جائے۔
- ۳۔ ہمیشہ اُن کا شکرگزار رہا جائے۔
- ۴۔ اُن کی محبت کو باعث سعادت سمجھا جائے۔
- ۵۔ اُن کے ساتھ عاجزی اور انگساری سے پیش آیا جائے۔

- ۶۔ ہر جائز کام میں اُن کی اطاعت کی جائے۔
- ۷۔ غیر مسلم ہوں تب بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جائے۔
- ۸۔ اُن کے لیے دل سوزی سے برابر دعا کی جائے۔

اسلام نے والدین کے علاوہ دوسرے تمام رشته داروں اور بزرگوں کے ساتھ حسن معاملہ اور عزت و احترام پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے:

((من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيerna فلييس منا))

”جو بزرگوں کا احترام نہ کرے، بچوں پر حرم نہ کھائے، وہ ہم میں سے نہیں۔“

## 10- جامع الاخلاق

اس عنوان کے تحت ہم قرآن اور احادیث رسول ﷺ سے چند اخلاقی اصول پیش کریں گے، جن سے معلوم ہو گا کہ کتنے اہم اور بنیادی اصولوں کو کیسے مختصر اور جامع انداز میں بتا دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس میں یہ اصول پوری طرح جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ طالبانِ ہدایت آج بھی ان سے وہ روشنی حاصل کر سکتے ہیں جو آپ ﷺ کے دور میں آپ ﷺ پر ایمان لانے والی مقدس ہستیاں حاصل کیا کرتی تھیں۔

### 10.1 قرآن میں اصول اخلاق

- اللہ عدل و احسان اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق حاصل کرو۔ (الخل: 90)
- اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ نیک بر塔و کرو رشتہ داروں، تیبیوں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (النساء: 36)
- نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، اور گناہ و زیادتی میں تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو۔ (المائدہ: 2)
- برائی کی مدافعت ایسی بھلائی سے کرو جو بہترین ہو۔ (المونون: 96)
- اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی خاطر راستی پر رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو۔ (المائدہ: 8)
- جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو اور حد سے نہ گزر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ: 19)
- نصیحت تو داش مبدل لوگ ہی قبول کرتے ہیں جو اللہ کے عہد کو وفا کرتے ہیں اور معاهدے نہیں

- توڑتے، جوان روابط کو جوڑتے ہیں اللہ جنہیں جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ (الرعد: 19)
- اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کر دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ (النساء: 85)
  - اور خرچ کرو اس مال سے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے، قبل اس کے کتم میں سے کسی کو موت آجائے۔ وہ کہے کہ میرے رب! کاش تو مجھے تھوڑی سے مهلت دے دیتا کہ میں صدقہ دیتا اور صالحین میں سے ہو جاتا۔ (المنافقون: 10)
  - آپس کے معاملات میں فیاضی کونہ بھولو۔ (بقرہ: 237)
  - قرض دار تنگ دست ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک اُسے مهلت دو اور اگر صدقہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ (بقرہ: 280)

## 10.2 احادیث میں اصول اخلاق

- آدمی کو اس کی نیت کے مطابق ہی اُس کے عمل کا پہل ملتا ہے۔
- دُعا عبادت کا خلاصہ ہے۔
- جب تم کو اچھے عمل سے خوشی ہو اور برے عمل سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو۔
- خدا تمہاری صورت اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔
- تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشاتِ نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔
- کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی چیز عطا نہیں ہوئی۔
- ہر دین کا امتیازی وصف ہوتا ہے، اور اسلام کا امتیازی وصف حیاء ہے۔

- لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ۔
- اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے۔
- زمین پر لئنے والی مخلوق پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔
- سخت گا اور درشت خواہی جنت میں نہیں جائے گا۔
- اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اُسے عام کرو۔
- دُنیا میں اس طرح رہو گویا تم کوئی پردیسی یا مسافر ہو۔
- دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔
- میانہ روی اچھا عمل ہے۔
- آئیے ہم کوشش کریں کہ یہ تمام اخلاق حسنہ ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائیں۔

## 11 - خود آزمائی

- 1 اخلاق کے مفہوم کو واضح کیجئے، نیز اسلام کے تصور اخلاق کی دو خصوصیات کا ذکر کیجئے۔
- 2 تقویٰ کی اہمیت پر روشنی ڈالیے اور اس کے فوائد کا ذکر کیجئے۔
- 3 صدق کا مفہوم قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیجئے۔
- 4 ایفائے عہد سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ نیز اس کے فضائل بیان کیجئے۔
- 5 اجتماعی عدل کی چند صورتیں بیان کیجئے۔
- 6 احسان کی تعریف کیجئے اور اس کی اقسام بیان کیجئے۔
- 7 قرآن کریم میں لفظ صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ دلائل سے ثابت کیجئے۔
- 8 بتائیے وہ کون سی صورتیں ہیں جن کے ذریعے سے حاصل شدہ مال استعمال کرنا درست نہیں؟
- 9 والدین کے احترام کے موضوع پر دس سطروں کا ایک مضمون لکھیے۔
- 10 احادیث میں جو اخلاقی اصول بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایسے پانچ اصول لکھیں جن پر آپ عامل ہیں۔
- 11 مندرجہ ذیل آیات و احادیث کا اردو میں ترجمہ کیجئے۔

○ ان اشْكُرْلِي وَلَوَالدِيْكَ

○ يَايُهَا الَّذِينَ امْنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْسِكُمْ بِالْبَاطِلِ

○ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ..... الصبر ضیاء۔

○ بعثت لا تتم مکارم الاخلاق.

12- خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کجھے۔

-1 لوگوں کے ساتھ ..... سے پیش آؤ۔

-2 قرآن کریم ..... کے لیے ہدایت کی کنجی ہے۔

-3 عظمت و فضیلت کا معیار بھی ..... ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

-4 دُعا عبادت کا ..... ہے۔

-5 دُنیا آخرت کی ..... ہے۔

-6 اچھی اور میٹھی بات بھی ایک ..... ہے۔

# انسانی تہذیب کی تعمیر میں اسلام کا حصہ

تحریر: ڈاکٹر خالد مسعود

نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

## فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
○	پونٹ کا تعارف	238
○	پونٹ کے مقاصد	239
-1	درمیانی امت	240
-2	شرفِ انسانیت	243
2.1	شرفِ انسانیت کا قرآنی اصول	244
2.2	انسان اللہ کا نائب ہے	245
2.3	نزول آدم علیہ السلام	245
-3	وحدتِ انسانیت	247
3.1	غلامی کا تصور	248
3.2	عورتوں کے حقوق	251
3.3	منہجی آزادی	251
-4	اسلام کا تاریخی کردار	254
-5	اشاعتِ علوم	259

264	مسلمانوں کی علمی خدمات	-6
264	یونانی حکمت کی حفاظت اور نشوونما	6.1
264	علم ریاضی	6.2
265	کیمیا	6.3
265	طبعیات	6.4
266	متفرق	6.5
266	عربی سائنسی اصطلاحات	6.6
268	تاریخی کردار	-7
270	خود آزمائی نمبر	7.1



## یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اب تک آپ جو اس باق پڑھ چکے ہیں۔ ان سے آپ کو دین اسلام کے بارے میں بنیادی باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ اسلام نے کن عقائد کی تعلیم دی ہے اور کن عقائد سے روکا ہے، یہ بھی آپ جان چکے ہیں۔ یونٹ نمبر 7 میں آپ نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ اسلام نے سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے کیا اصول پیش کیے ہیں۔ اس سے پہلے یونٹ نمبر 1 اور یونٹ نمبر 2 میں آپ اسلامی تعلیمات کے دوسرا چشمou، قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ ان تمام معلومات کی روشنی میں آپ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اسلام صرف نظریات ہی پیش نہیں کرتا، بلکہ عمل کی راہیں بھی بتاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک نظریہ اور عمل کے درمیان جو رشتہ ہے وہ کبھی نہ ٹوٹنے والا ہے، اسی لیے اسلام میں رسالت مآب ﷺ کے اسوہ حسنہ کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام جن نظریات کی تعلیم دیتا ہے وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات میں خود عملی شکل میں موجود ہیں۔ نظریہ اور عمل کی اس مطابقت نے انسان کی فکری تاریخ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ فکر اور عمل کی اس ہم آہنگی کی بدولت مسلمانوں کو عالم انسانی کی بہترین امت کہا گیا، ایسی امت جو انسانیت کے قافلے میں ”درمیانی اُمت“ کے طور پر آئی اور قدیم و جدید کا سنگم بن گئی۔ اسی اُمت کے ذریعے سے انسانیت اپنے جدید دور میں داخل ہوئی، انسانی تاریخ میں اسلام کے کردار کا ایک رُخ تھا۔

○ اسلامی تعلیمات کے وہ کون سے پہلو تھے جو انسانیت کو قدیم دور سے نکال کر جدید دور میں لے آئے؟

○ روشنی کے اس سفر کے لیے اسلام نے کون سے رہنمای اصول دیئے؟

اس یونٹ میں آپ ان ہی سوالوں کے جواب معلوم کریں گے۔

## یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ سے آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ:

- 1 انسانی تاریخ میں اسلام کا کردار بیان کرنے کے لیے قرآن کریم نے درمیانی اُمت اور بہترین اُمت کی جو اصطلاحیں استعمال کی ہیں، ان کی تشریح کر سکیں۔
- 2 آپ ان اسلامی اصولوں کی توضیح کر سکیں گے جن کی بنیاد پر اسلام، انسان کو قدیم دوڑ سے نئے دوڑ میں لایا اور اس طرح ”درمیانی اُمت“ اور ”بہترین اُمت“ کا وہ کردار ادا کیا جو قرآن کریم کی رو سے اس پر فرض کیا گیا تھا۔
- 3 تاریخ میں اسلام کے کردار کو متعین کر سکیں گے۔ آپ ماضی میں بھی اس کے کردار کے بارے میں معلوم کریں گے اور حال اور مستقبل میں اسلام کے کردار کی نشاندہی کر سکیں گے۔

## ① درمیانی اُمت

تہذیب کے سفر میں، دین اسلام کا ظہور انسانی تاریخ کے سب سے اہم موڑ پر ہوا۔ یہ وہ موڑ ہے جہاں انسانیت قدیم دور سے نکل کر جدید دور میں داخل ہوئی۔ انسان کی ہدایت کے لیے وحی والہام کا سلسلہ مکمل ہوا، آخری رسول ﷺ تشریف لے آئے، انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچ گیا، انسانیت اپنے بچپن کے دور سے نکل آئی، جہاں اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھانا ضروری تھا، اب وہ اپنی عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی، جہاں اسے اس کے بُرے بھلے کی ساری باتیں سمجھا کر سیدھی راہ دکھادی گئی تھی، تہذیب کا باقی سفر اسے اب خود اپنے پاؤں پر کرنا تھا۔ یہ انسانی شرف و عزت کی بلندی تھی، یہی وہ مرحلہ تھا جہاں انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان کامل حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا اور آپ ﷺ کی اُمت کو انسانوں کی رہنمائی کا شرف عطا ہوا۔

تاریخ انسانی میں اسلام کا کردار کیا ہے؟

آئیے اس سوال کے جواب کے لیے ہم اسلامی تعلیمات کے سرچشمے قرآن کریم کی طرف رجوع کریں۔  
قرآن کریم نے اُمتِ مسلمہ کے تاریخی کردار کا تعین کرنے کے لیے دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں:

الف۔ درمیانی اُمت

﴿ وَكَذِلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونُنَّ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾ (بقرہ: 142)

(اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی اُمت بنایا تا کہ تم انسانیت پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ بنیں)۔

ب۔ بہترین امت

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: 11)

(تم ان تمام امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں پیدا ہوئیں کہ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو)۔

علامہ اقبال نے اسی آیت کے حوالے سے اسلامی تہذیب کے اصول اور عناصر پر بحث کی ہے۔ ”درمیانی امت“ کے معنی کی مزید توضیح کرتے ہوئے علامہ اپنے خطبات میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تاریخ میں قدیم دور اور جدید دور کے درمیان تشریف لائے۔ قدیم دور میں یونانی فکر اور فلسفے کا ذور دورہ تھا۔ اس فلسفے کا تعلق ایسی دنیا سے تھا جو حقائق کی دنیا نہیں بلکہ محس فکر و خیال کی دنیا تھی۔ چنانچہ انسانی فکر اکثر غلطی کر جاتی تھی۔ اسی لیے ضروری تھا کہ انسانی رہنمائی کے لیے وحی کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی تجربے اور تاریخ کے علم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ اسلام نے وحی کے علاوہ فطرت اور تاریخ کے مطالعے کی دعوت دے کر ایسے سرچشمتوں کا پتہ دیا جو حقائق کی دنیا سے تعلق رکھتے تھے اور انسان کے بس میں بھی تھے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اس کی ابتدائی تربیت مکمل کر کے اسے اپنے وسائل پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ اسلام نے نبوت کا سلسلہ ختم کرنے کا اعلان کیا، اس کے ساتھ ہی موروثی باشابت اور مذہبی پیشوا کا بھی خاتمه کر دیا۔ انسان کو عقل اور تجربے کے استعمال کی دعوت دی اور یوں اسلام کا وہ تاریخی کردار مقرر کیا جہاں ایک طرف اس کا رشتہ وحی کے ذریعے قدیم دنیا سے قائم تھا اور دوسری طرف وحی کی روح نے اس کا رابطہ جدید دور سے قائم کر دیا تھا۔

علامہ اقبال کی اس توضیح سے آپ ”درمیانی امت“ کی اصطلاح کا مفہوم سمجھ گئے ہوں گے۔ اب ایک مرتبہ پھر اوپر دی ہوئی آیت پر غور فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ امت مسلمہ کا مقام مقرر کرنے کے بعد اس کے کردار کی بھی توضیح کر دی گئی:

”تاکہ تم انسانیت پر گواہ بنو اور رسول اکرم ﷺ تم پر گواہ بنیں۔“

اس گواہی سے کیا مراد ہے؟ اسے ایک اور آیت کے ذریعے سمجھیے جہاں قرآن کریم نے امتِ مسلمہ کے کردار کو کھول کر بیان کیا:

”تمام انسانوں میں سے تم بہترین امت پنچے گئے ہو۔ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ (آل عمران: 110)

آپ اس آیت پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ انسانوں کی رہنمائی کا جو فرض مختلف انبیاء ادا کرتے آئے تھے۔ اب وہی فرض امتِ مسلمہ کے لیے مقرر ہوا۔ پہلے جو کردار علائقوں اور قوموں تک محدود تھا، اب ساری انسانیت کے لیے عام کر دیا گیا۔ اس آیت میں تین اصول کا فرمان نظر آتے ہیں:

1- انسان فطری طور پر بُرانیں۔ اسے بُرے بھلے دونوں کا علم بھی ہے اور اختیار بھی۔ اور یہ کہ اسے علم ہوتا ہے تو اس کے عمل پر اس کا اثر بھی ہوتا ہے، ورنہ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا بے معنی ہو جاتا۔ یہی بات اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ نیکی اور بدی کا علم بھی رکھتا ہے اور اس کا عمل اس علم کے زیر اثر ہوتا ہے۔ دوسری مخلوقات پر اسے اسی درجہ سے برتری حاصل ہے۔ آپ اسی اصول کو ”شرفِ انسانیت“ کا اسلامی اصول کہہ سکتے ہیں۔

2- اسی آیت کا دوسرا پہلو اس کی عالمگیریت ہے یعنی اسلام کا پیغام کسی ایک قوم یا علاقے تک محدود نہیں بلکہ یہ سارے انسانوں کے لیے ہے۔ یہاں اسلام کا ”وحدتِ انسانیت“ کا اصول کا فرمان نظر آتا ہے کہ سب انسان اپنی فطرت اور اصل میں ایک جیسے ہیں اور علم اور ہدایت پر ان سب کا برابر حق ہے۔

3- اسی آیت سے تیسرا بات یہ معلوم ہوئی کہ نیکی اور بدی کے بارے میں جو علم امتِ مسلمہ کو حاصل ہوا، اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے۔ علم کی اشاعت کا وہ تیسرا اصول ہے جو اس آیت میں ملتا ہے۔ اس کی توضیح آپ آگے چل کر پڑھیں گے۔

## ② شرفِ انسانیت

شرف سے مراد ”عزت، برتری اور فضیلت“ ہے۔ ”شرفِ انسانیت“ کا مطلب ”انسان کی عزت اور بُراٰئی“ ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ انسان اشرفِ الخلق ہے۔ یعنی اس کو دوسری تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ انسان صرف اس لیے بھی قابل عزت ہے کہ وہ انسان ہے۔ عزت کے لیے انسان کا رنگ، خاندان اور نسل معیار نہیں۔ اس کا انسان ہونا کافی ہے۔ یہ اصول اسلام ہی نے دیا ہے۔ آئیے اب اس کو تفصیل سے پڑھتے ہیں۔

○ انسان جب سے دُنیا میں آیا ہے، یہ سوچتا رہا ہے کہ جس دُنیا میں وہ زندگی گزار رہا ہے، اسے کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟

○ انسان کا اس کائنات میں کیا مقام ہے؟

○ وہ کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا؟

آپ انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو بہت سے فلسفیوں اور مذہبوں نے ان سوالات کے جواب دیئے ہیں۔ لیکن اکثر جوابات مایوسی پر مبنی ہیں۔ زیادہ تر یہی کہا گیا کہ انسان فطری طور پر ہی رُوا ہے اور اس دُنیا کی زندگی اس کے لیے سزا اور قید کی جیشیت رکھتی ہے۔

یوں تو اکثر مذاہب میں انسان کو فطری طور پر رُوا کہا گیا ہے لیکن بعض مذاہب نے یہ تعلیم بھی دی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، چنانچہ سزا کے طور پر انہیں اور ان کی بیوی کو زمین پر اُتار دیا گیا۔ اس نافرمانی کی سزا حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو ملتی رہے گی۔ ہر انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے اور اس کی فطرت میں بُراٰئی غالب ہے۔

اسلام نے اس قسم کے تمام تصورات کی تردید کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ وہ اپنی پیدائش اور فطرت کے اعتبار سے ہی عزت و شرف کا مالک

ہے اور یہ شرف ہر انسان کو حاصل ہے۔ رنگ، نسل، علاقہ، خاندان غرض کوئی چیز ایسی نہیں جس کی وجہ سے ایک انسان کو دوسرے پر برتری حاصل ہو۔ اگر برتری کا کوئی معیار ہو سکتا ہے تو وہ مقصد کے حاصل کرنے کے سلسلے میں ذمہ داری کا احساس یا تقویٰ ہے۔

آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو اس میں ”شرفِ انسانیت“ کا اصول درج ذیل تین پہلوؤں سے واضح کیا گیا ہے۔

(الف) کئی آیات میں انسان کے شرف اور تکریم کے اصول کا ذکر کیا گیا ہے۔

(ب) کئی اور آیات میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نسب مقرر کیا ہے۔

(ج) حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اُتارے جانے کے واقعے میں انسان کی فطری براہی کی بجائے اس کی فطری اچھائی کے پہلو کو سامنے لایا گیا۔

آئیے اب ان نکات کو ذرا واضح طریقے سے دیکھتے ہیں:

## 2.1 شرفِ انسانیت کا قرآنی اصول

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں اس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا:

-1 ”هم نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت اور بڑائی بخشی۔ ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی۔ اپنی مخلوقات میں سے اکثر پر اسے فضیلت دی،“ (بنی اسرائیل: 70)

-2 ”هم نے انسان کو سب سے بہتر تناسب سے پیدا کیا اور پھر اسے انتہائی پستی میں پھینک دیا۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (وہ پستیوں سے بچ گئے اور) ان کے لیے بے انتہاء اجر ہے۔“ (آلین: 6-4)

آپ ان آیات سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت دی، اسے عزت و شرف عطا کیا۔ اس میں کمزوری ضرور ہے اور وہ اس کمزوری کی وجہ سے انتہائی پستیوں تک اُتر سکتا ہے لیکن یہ براہی فطری نہیں اختیاری ہے فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔

## 2.2 انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب مقرر کیا ہے اس کی تفصیل قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوتی ہے ”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کیا آپ اسے بنارہے ہیں جو زمین پر فساد کرے گا اور خون بھائے گا، جبکہ ہم تیری تسبیح، حمد اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں۔“ (آل بقرہ: 30)

انہی آیات میں آگے چل کر بیان کیا گیا کہ انسان کو فرشتوں پر جو برتری حاصل ہے اس کی بنیاد اس کے علم حاصل کرنے کی قابلیت اور نیکی بدی کا اختیار ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے نائب مقرر کرنے کے اس واقعے کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مختلف چیزوں کے نام پوچھئے تو انہوں نے کہا ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے دیا ہے۔ لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے تمام چیزوں کے نام بتلا دیئے۔ یوں حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی استعداد ظاہر ہوتی۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر کے اس کی برتری کو تسلیم کریں۔

## 2.3 نزولِ آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اُتارے جانے کا قصہ تقریباً تمام مذاہب نے بیان کیا ہے، لیکن جیسا کہ چارٹ میں دیئے گئے تقابلی مطالعے سے آپ اندازہ لگائیں گے، بعض مذاہب نے اسی قصے کی بنیاد پر انسان کے ازلی اور فطری طور پر بُرا ہونے کا تصور پیش کیا اور اسے عقیدے کی حیثیت دی۔ قرآن کریم نے اسی قصے کو مختلف انداز سے پیش کیا اور دکھلایا کہ انسان فطری طور پر اچھا ہے، اس لیے نافرمانی پر اسے پچھتاوا بھی ہوا اور وہ اپنی اصل فطرت یعنی اچھائی کی طرف لوٹ آیا۔

## آدم علیہ السلام کی کہانی ..... بائیبل اور قرآن کریم کا تقابی مطالعہ قرآن کریم بائیبل

قرآن کریم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور تمام جانداروں پر اسے کیا اور اکثر مخلوقات پر اسے فضیلت دی۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور عورت دونوں کو بہکایا اور منع کیے ہوئے درخت کا پھل کھلا دیا۔

قرآن کریم میں عورت کے لیے اس قسم کی سزا کا ذکر نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اس قسم کی سزا کا ذکر نہیں۔

قرآن کریم کے نزدیک زمین آرام کے لیے ٹھکانا اور نفع حاصل کرنے کی جگہ۔

قرآن کریم کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام دونوں کو زمین پر اس لیے بھیجا گیا کہ وہ آزمائش کی زندگی سے گزریں اور اپنے اختیار اور علم کو آزمائیں۔

بائیبل کے مطابق خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور تمام جانداروں پر اسے اختیار دیا۔

سانپ نے عورت کو جنت کا ممنوعہ پھل کھانے کے لیے بہکایا اور عورت نے حضرت آدم علیہ السلام کو وہ پھل کھلا دیا۔

اس نافرمانی کی عورت کو یہ سزا دی گئی کہ وہ درد کے ساتھ پچے بننے کی اور شوہر عورت پر حکومت کرے گا حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سزا ملی کہ وہ مشقت کے ساتھ زمین کی پیداوار کھائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نافرمانی کے باعث زمین لعنی ٹھہری۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اس لیے جنت سے نکال دیا گیا کہ وہ کہیں حیات کے درخت کا پھل کھا کر ہمیشہ کے لیے جیتنا نہ رہے

بانگل میں حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے قرآنِ کریم نے بتایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اور خدا کے معاف کر دینے کا ذکر نہیں۔ اسے معاف کر دیا۔

ماخذ۔ قرآنِ کریم۔ سورۃ البقرہ  
ماخذ بانگل کتاب مقدس۔ کتاب پیدائش

### ③ وَحدتِ انسانیت

وَحدت سے مراد ”اکائی یا ایک ہونا“ ہے۔ ”وَحدتِ انسانیت“ کے معنی تمام انسانوں کا ایک ہونا ہے۔ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان ایک جیسے ہیں اور سب آپس میں برابر ہیں۔

اسلام سے پہلے ایک طرف تو انسان کو فطری طور پر برائی کا پُتلا سمجھا جاتا تھا اور دوسرا طرف انسانوں میں آپس میں بھی تفریق اور امتیاز رکھا جاتا تھا۔ رنگ، نسل، زبان اور مذہب کی بنیاد پر بعض انسانوں کو دوسروں پر برتری دی جاتی تھی۔ مذہب کے نام پر انسانی خداوں کی پوجا کرائی جاتی تھی۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے رموزِ بے خودی میں لکھا ہے کہ:

”انسان انسان کا محتاج ہو کر رہ گیا تھا۔ قیصر و کسری کی طاقت و شوکت اس کی آزادی پر ڈال کے ڈال رہی تھی۔ انسان کے ہاتھ بند ہے ہوئے تھے۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق تھا۔ یہ ایک شکار تھا اور کاہن، پادری، سلطان اور امیر کے روپ میں اس کے کئی شکاری تھے۔“

مختصر یہ کہ انسان کی فطرت غلامی کے بوجھ سے پست ہو گئی تھی۔ اسلام نے ان سب تصورات کے مقابلے میں وَحدتِ انسانیت کی تعلیم دی۔ سب انسانوں کو پیدا کرنے والا ایک ہے۔ سب ایک حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ کسی کو کسی پر برتری نہیں۔ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزد یک تم میں سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی جانے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔“ (الجبرات: 49)

آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم نے کس طرح توضیح سے بتایا کہ سب انسانوں کی اصل ایک ہے۔ قومیں اور قبیلے پہچان کا معیار تو ہو سکتے ہیں، برتری کی بنیاد نہیں ہو سکتے۔

رسول اکرم ﷺ نے آخری حج کے موقع پر عالمی اہمیت کے جواہلان فرمائے ان میں ایک یہ بھی تھا:

”اے انسانو! تم سب کا رب ایک ہے؛ تم سب کا باپ ایک ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر برتری ہے، نہ کالے کو گورے پر ہے، اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر۔“

### 3.1 غلامی کا تصور

انسانی شرف و مساوات کی پیشانی پر سب سے بڑا داغ غلامی کا تھا۔ بعض قومیں دُوسروں پر غلبہ پا کر انہیں غلام بنا لیتی تھیں اور ان کے ساتھ جانوروں کا سامسلوک کرتی تھیں۔ غلاموں کو سرے سے کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے تھے، ان سے محنت مزدوری اور ہر طرح کے کام لیے جاتے تھے لیکن انہیں اچھے سلوک کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا، مالک اسے بلا وجہ قتل کر دینے کا بھی اختیار رکھتا تھا۔ یہ صورتِ حال اتنی عام تھی کہ ارسطو جیسے دانشور غلامی کو قادر تی بات سمجھتے تھے۔ ارسطو اپنی کتاب ”سیاسیات“ میں لکھتا ہے:

”اتنا بہر حال ماننا پڑتا ہے کہ بعض لوگ کہیں بھی ہوں ہمیشہ غلام رہیں گے۔ لیکن بعض کسی حالت میں بھی غلام نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حسب و نسب میں شریف ہیں ان کی اپنے وطن میں بھی عزت ہوتی ہے اور جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں بھی عزت کی نظر سے

دیکھے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر متمدن قوموں کی صرف ان کے وطن میں عزت ہوتی ہے۔” (سیاست، اردو ترجمہ، ص 32)

اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کچھ لوگ چونکہ باطیع غلام پیدا ہوتے ہیں اور کچھ آزاد۔ اس لیے ظاہر ہے جس کسی کو غلامی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے اسے غلام بنالینا ہی بہتر ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔“

غلامی کا یہ تصور اسلام کے وحدت انسانیت کے اصول کے خلاف تھا، چنانچہ اسلام نے ایسے اقدامات کے کو غلامی دُنیا سے آہستہ آہستہ ختم ہو جائے۔ ان میں سے چند اقدامات یہ تھے:

- 1 غلامی کی ایک صورت کے علاوہ باقی تمام صورتوں کو منع کر دیا تھا۔ یہ صورت جنگی قیدیوں کی تھی۔ ان کے بارے میں بھی حکم دیا گیا کہ معاوضہ لے کر یا خیر سگالی کے طور پر ان کر رہا کر دیا جائے۔
- 2 غلاموں کے حقوق مقرر کیے گئے۔
- 3 مختلف کوتا ہیوں اور غلطیوں کے جرمانے یا کفارے کی صورت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ غلام آزاد کریں۔ اس کے علاوہ بھی زیادہ سے زیادہ غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی اور یوں آہستہ آہستہ غلاموں کی تعداد کم ہوتی گئی۔
- 4 غلاموں کو روزی کمانے کا حق دیا گیا اور یہ حق بھی تسلیم کروایا گیا کہ وہ اس کمانی سے اپنی آزادی خرید سکتے ہیں۔
- 5 اسلام نے ایک طرف تو غلامی کے خاتمے کے لیے یہ اقدامات کیے، دوسری طرف غلاموں کو معاشرے میں وہ عزت و شرف بخشنا جو انسان ہونے کی وجہ سے ان کا حق تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے ساتھیوں میں حضرت بلال ﷺ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما اور ان کے بیٹے اُسامہ ﷺ کے نام مثال کے طور پر لیے جاسکتے ہیں۔ لوگ ان کے ساتھ تعلق اور رشتہ داری کو فخر خیال کرتے تھے۔

حضرت بلال رض کو اذان کا اہم فریضہ سونپا گیا، جس کی آوازن کر بڑے چھوٹے اپنے امتیازات کو ختم کر کے اس فریضے کی ادائیگی کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ نماز میں گورے و کالے، امیر و غریب، حاکم اور رعایا سب ایک صفت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت اُسامہ بن زید رض کو شتر کا سردار بنایا گیا۔ جس میں عرب کے وہ لوگ ان کے ماتحت تھے جو اسلام سے پہلے حسب و نسب اور شان و شوکت میں ان سے کہیں بڑے سمجھے جاتے تھے۔ اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے سپہ سالاروں، حاکموں، بادشاہوں، عالموں اور وزیروں کے نام میں گے جو خود غلام تھے یا غلام خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں بر صغیر پاک و ہند کا خاندانِ غلام اور مصر کے مملوک (غلام) سلاطین کے نام مثال کے طور پر لیے جاسکتے ہیں۔

6- اسلام نے اس سلسلے میں ایک انقلاب اور برپا کیا۔ غلاموں کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے تھے اسلام نے ان کے معنی بدل کر رکھ دیئے اور اس طرح غلامی کے تصور میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کر دی۔ عربی میں غلام کے لیے ”عبد“ کا لفظ بولا جاتا تھا۔ اسلام نے ”عبد“ کو اللہ اور انسان کے درمیان رشتہ کا نام دیا اور یہ رشتہ انسان کے لیے ناجائز ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے لیے بھی ”عبد“ کا لفظ استعمال کیا۔ اس طرح ”عبدیت“، ”عبادت“ اور ”عبدیت“ وغیرہ کی اصطلاحیں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب بھی ہے اور ”عبد“ بھی۔ معنی کی اس تبدیلی کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے ذہن میں کسی انسان کے لیے دوسرے کا ”عبد“ ہونا ناممکن بن گیا اور یوں انسانی خدائی کے نظریے اسلام سے خارج ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی کہ غلاموں کو ”عبد“ کہہ کرنے پکارا جائے بلکہ بیٹا یا بیٹی کہہ کر پکارو۔ عربی میں اڑ کے یا بیٹے کو ”غلام“ کہا جاتا ہے۔ آپ غور کریں کہ اردو زبان میں غلامی کے رشتے کے لیے ”غلام“ کا لفظ ہی بولا جاتا ہے۔ ایک اور لفظ ”بندہ“ جو غلام کے معنوں میں بولا جاتا تھا اس کے معنی بھی اسلامی تعلیمات کے اثر سے تبدیل ہوتے گئے حتیٰ کہ اب اس کے معنی ”آدمی“ اور ”شخص“ کے ہو گئے ہیں۔

### 3.2 عورتوں کے حقوق

انسانی مساوات کی سب سے زیادہ نفعی غلامی کے تصور سے ہوتی تھی، اس سلسلے میں اسلام نے جو اقدامات کیے ان کا ذکر آپ نے پڑھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تصورات اور تعصبات تھے، جن کی بنیاد پر انسانوں کو برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان سب کا ذکر تو ممکن نہیں، البتہ اشارے کیے جاسکتے ہیں۔ نابرابری کی ان مثالوں میں سے عورت بھی تھی۔ اسے مردوں کے مقابلے میں حقوق حاصل نہیں تھے، جیسا کہ آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں پڑھا، عورت کو برائی کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ اسے قانون اور معاشرے کی نظر میں کوئی مقام حاصل نہیں تھا، حتیٰ کہ اکثر علاقوں اور قوموں میں لڑکی کی پیدائش کو شرم کا باعث سمجھا جاتا تھا اور بعض قبائل اسے اتنا منحوس خیال کرتے تھے کہ اسے پیدا ہوتے ہی زندہ دُن کر دیتے تھے۔

اسلام نے بتایا کہ شریعت اور قانون کی نظر میں مرد اور عورت برابر ہیں اور ان کو ایک جیسے حقوق حاصل ہیں اسلام نے نکاح اور طلاق کے قانون مقرر کیے، اور جہاں جہاں عورت کے ساتھ زیادتی تھی اس کی تلافی کی۔ عورت کو خاوند سے علیحدگی کا حق دیا، جائیداد میں حصہ مقرر کیا، عورت سے اچھے سلوک کا حکم دیا، بچیوں کی تعلیم و تربیت کا حکم دیا۔ اس طرح عورتوں کو معاشرے میں ان کا مقام ملا۔ عورت کو جو آزادی ملی اس کا نتیجہ تھا کہ ہمیں تاریخ میں عورتیں حکومت، علم، ادب اور تصوف غرض تقریباً ہر میدان میں بیش بہا کارنا مے سرانجام دیتی نظر آتی ہیں۔

### 3.3 مذہبی آزادی

انسانوں میں تفریق کی ایک بنیاد مذہب بھی بن چکا تھا۔ تفریق دو طریقے سے کی جاتی تھی:

(۱) ایک مذہب کے ماننے والے اپنے آپ کو دوسرے مذہب کے پیروکاروں سے برتر سمجھتے تھے، اور حاکم ہونے کی صورت میں غیر مذہب کے لوگوں کو برابر کے حقوق نہیں دیتے تھے، بلکہ بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھتے تھے۔ اسلام نے نظری اور عملی طور پر اس تفریق کو ختم کیا۔ مسلمان

حکومتوں نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا۔ ان کو برابر کے حقوق دیئے، مکمل آزادی دی اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں ان کو برابر کا شریک رکھا گیا۔

ب) ایک ہی مذہب کے ماننے والے آپس میں بھی تفریق روا رکھتے تھے۔ ہر مذہب میں دینی پیشواؤں کا ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا تھا جو خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین ہونے کا دعویٰ کرتے اور معاشرے میں سب سے بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کو ہر قسم کی مراجعات حاصل تھیں۔

مذہبی پیشواؤں کے اس طبقے نے مذہب اور علم دونوں پر اجارہ داری قائم کی ہوئی تھی۔ ان کے بغیر کوئی انسان اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طریقے صرف ان ہی کو معلوم تھے۔ مختلف مذہبی رسموم کو اتنا پیچیدہ بنادیا تھا کہ ان کے بغیر کوئی عبادت ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ اکثر مذاہب میں ان کا یہ مقام موروثی اور خاندانی تھا۔ ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جا سکتی تھی۔ اگر کوئی جرأت کر بیٹھتا تو اسے مختلف طریقوں سے خاموش کرا دیا جاتا، حتیٰ کے بعض اوقات اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا، یا زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی جب یورپ میں کوپرنیکس اور گلیلیو نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے، تو کلیسا نے اسے بانہیل کی تعلیمات کے خلاف قرار دیا اور ان سائنس دانوں پر پابندیاں لگا کر خاموش کر دیا۔

اسلام نے مذہبی پیشواؤں کے تصور کو توحید کے عقیدے اور وحدتِ انسانیت کے اصول کے ذریعے سے ختم کر دیا۔ اسلام نے ہر انسان کو اپنے فعل کا ذمہ دار خود ٹھہرایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

”کہو کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، وہی تو ہر چیز کا رب ہے۔ ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اس کا نتیجہ اسی کو پیش آتا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

(انعام: 165)

چونکہ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں ارشاد ہوا:

”انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبد بنا لیا۔ حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبد نہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جو شریک مقرر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔“ (توبہ: 31)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں علماء اور مشائخ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو دوسرے مذاہب میں پادری یا برہمن کو حاصل ہے۔ قرآنِ کریم ایسے تصور کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام میں انسان کا اللہ تعالیٰ سے براء راست واسطہ اور رابطہ قائم ہے۔ البتہ علماء کرام سے دین کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے رابطہ قائم رکھنا ضروری ہے، خاص طور پر اُن لوگوں کے لیے جو ان پڑھ ہیں یا کم پڑھ لکھے ہیں، عربی زبان سے ناواقف ہیں اور قرآن و حدیث اور فقہ کو اپنے طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ ایسے لوگوں کو دین پر عمل کرنے کے لیے علماء سے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَسُئِلُوا أَهْلَ الدِّينَ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورة الانبیاء: 7)

”اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھلو۔“

## ④ اسلام کا تاریخی کردار

آپ نے دیکھا کہ اسلام نے پرانے تھببات کا خاتمہ کرتے ہوئے ”شرفِ انسانیت“ اور ”وَحدتِ انسانیت“ کی تعلیم دی۔ اس سے ان تمام معاشروں میں انقلاب آگیا جہاں اسلامی تعلیمات پہنچیں۔ برصغیر پاک و ہند میں انسان کی ذات پاٹ کی تقسیم اور چھوت چھات کا شکار تھا۔ یہاں جب اسلام کی روشنی آئی تو صرف ان لوگوں میں ہی تبدیلی نہیں آئی جنہوں نے اسلام قبول کیا بلکہ خود ہندو معاشرے پر بھی اس کے ثابت اثرات پڑے۔ ان اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:

”اگر ہندوستان کی اقتصادی زندگی میں پیدا شدہ تبدیلیاں قابل توجہ تھیں تو معاشرتی اور سیاسی زندگی میں عظیم تر تھیں۔ معاشرتی زندگی کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر جمہوریت پسندانہ تھا۔ اسلام نے موروٹی اور نسلی امتیازات کو زیادہ قبل قد رہنیں سمجھا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ ہندو مت میں معاشرتی مساوات کا احساس زندہ ہوا اور یہ مذہب سماجی حد بندیوں کو توڑنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔“ (ڈاکٹر تارا چند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، اردو ترجمہ، ص 231)

اسلامی تعلیمات سے برصغیر کی سماجی، سیاسی اور مذہبی زندگی میں بہت بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اسلام کے زیر اثر ہندو مت میں وحدانیت کی تحریکیں اٹھیں۔ حکومت کے ابتدائی دور میں بھلکتی تحریک اور سکھ مذہب کا ظہور اسی اثر کے تحت ہوا۔ دو ریجسٹریڈ میں آریہ سماج فاؤنڈیشن کی تحریکیں بھی ان ہی اثرات کا نتیجہ تھیں۔ ان تمام تحریکوں نے توحید اور انسانی مساوات پر زور دیا۔ سکھ مذہب کی مقدس کتاب ”گرنتھ“ اور ستر ہویں صدی کے مرہٹہ رشی ہنکارام کی دُعائیں ان اثرات کی بہترین مثالیں ہیں:

"اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے"۔	"اساۓ اعظم میں پہلا نام اللہ کا ہے"۔
اے بابا! خالق، سب پر زبردست ہے۔	اسے بار بار لینا ہرگز نہ بھول۔
دوست، مویشی، باغات اور ساز و سامان سب رہ جاتا ہے۔	بلاشبہ اللہ ایک ہے۔ اور بے شک نبی اکرم ﷺ ایک ہے۔
اے بابا! میرا دل تو اپنے صاحب دل سے لگا رہتا ہے۔	اے بابا! ہاں اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ نہ تو ہے اور نہ میں۔
ہاں وہی خالق ہے۔	
اے بابا! اللہ تعالیٰ کا ذکر جو ہر جگہ جلوہ گر ہے۔	
تکارام۔ ابھنگ، حوالہ ڈاکٹر تارا چندس ۳۵۹۔	تکارام۔ ابھنگ، حوالہ ڈاکٹر تارا چندس ۳۵۹۔
تکا کہتا ہے جو شخص حقیقت سمجھ جاتا ہے وہ درویش ہو جاتا ہے۔ تکارام ابھنگ۔ حوالہ تارا چند۔	

آج کے معاشرے ماضی کی نسبت ترقی یافتہ ضرور ہیں، لیکن ان میں بھی رنگ و نسل کی تمیز ختم نہیں ہوئی۔ دُنیا میں جمہوریت، مساوات اور انسانی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار امریکی معاشرے میں گورے اور کالے کی تفریق اب بھی باقی ہے۔ امریکہ کے سیاہ فام لوگ اپنے حقوق کے لیے بہت عرصے سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے اپنی مشکلات کا حل اسلام میں ڈھونڈا لیکن ان کے ساتھ نا انصافی اتنی زیادہ ہوئی تھی کہ گوروں سے نفرت ختم نہ ہو سکی۔ ان سیاہ فام مسلمانوں نے جب امریکہ سے باہر مسلمان ملکوں کا سفر کیا تو انہیں انسانی مساوات نظر آئی۔ انہیں پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ گوروں اور کالوں میں برابری ممکن ہے۔

امریکی سیاہ فام مسلمانوں کے ایک رہنمای میلکم ایکس نے 1964ء میں فریضہ حج کے لیے جاز کا سفر کیا۔ یہاں وہ قدم قدم پر حیران ہوا کہ کالے اور گورے دونوں ایک دوسرے سے کندھے سے کندھا ملائے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دے رہے ہیں۔ اپنے اثرات بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا:

”یہاں لاکھوں کی تعداد میں حاجی تھے جو دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے تھے۔ وہ ہر رنگ کے تھے۔ نیلی آنکھوں والے سفید فام لوگوں سے لے کر فریقہ کے سیاہ فام انسانوں تک۔ لیکن ہم سب ایک ہی عبادت میں مشغول تھے۔ ہم لوگ وحدت و اخوت کا ایسا مظاہرہ کر رہے تھے کہ امریکہ میں میری زندگی کے جو تجربات رہے ہیں، ان کی بناء پر میں کبھی یقین بھی نہیں کر سکتا تھا کہ گوروں اور کالوں کے درمیان ایسا اتحاد ممکن بھی ہے۔“

ضرورت ہے کہ امریکہ اسلام کو پوری طرح سمجھے کیوں کہ صرف یہی ایک مذہب ہے جس نے اپنے معاشرے سے نسلی امتیاز کا مسئلہ ختم کر دیا ہے۔ مسلمان ملکوں میں سفر کے دوران میری ملاقات ایسے بہت سے لوگوں سے ہوئی، بلکہ ان کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا، جنہیں امریکہ میں ”گورا“، سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے ان لوگوں کے دماغوں سے ”گوری ذہنیت“، ختم کر دی ہے۔ میں نے اخلاص سے اس قدر بھرپور اور بھائی چارے کے جذبے کی اتنی سچی مثال کبھی نہیں دیکھی۔ جہاں کسی قسم کے امتیاز کے سمجھنا کہ لوگ اس رشتے میں برابر کے شریک ہوں۔“ (میلکم ایکس، خودنوشت سوانح عمری، ص 340)

اسلام کی یہی تعلیمات دنیا کے کونے کونے میں پہنچیں۔ انسان کو انسانی خداوں سے نجات ملی۔ انسانیت کو اس کے حقوق ملے۔ ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ بادشاہوں کو آئین کا پابند بنانے کی تحریکیں چلیں اور سیاسی میدان میں دنیا جمہوریت کی طرف گامزن ہوئی۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کے لیے تحریکیں چلیں اور آخر بیسویں صدی میں عالمی برادری انسانی حقوق کے منشور کا اعلان کرنے میں کامیاب ہوئی۔

اسلامی تعلیمات میں عمل کی انفرادی ذمہ داری کے تصور سے مذہبی پیشوائی کا بھی خاتمه ہوا۔ ان تعلیمات کے اثرات اندرس اور شام کے راستے یورپ میں پہنچے۔ یہ وہ زمانہ ہے جسے یورپ کی تاریخ ”تاریکی کے عہد“ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ دراصل یونانی تہذیب کے عہد اور عیسائیت کے دور کے بعد یورپ میں کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ خاموشی کے ساتھ ساتھ اپنی ہمسایہ اسلامی تہذیب سے استفادہ تو کر رہا تھا لیکن عیسائی مذہبی طبقوں کے ڈر سے اس کا اعتراف نہیں کرتا تھا۔ اسی لیے اسے ”خلاء“ یا ”تاریک دوز“ کہا گیا۔ درحقیقت یہ وہ زمانہ ہے جب اسلامی علوم کی کتابیں یورپ کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر یورپی اہل علم تک پہنچ رہی تھیں اور یورپ میں علم کا چرچا ہو رہا تھا۔

ایک طرف ان علوم کا چرچا تھا تو دوسری طرف مذہبی طبقے اسے تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اس بیداری پر طرح طرح سے پابندیاں لگائی جا رہی تھیں۔ کلیسا نے اپنے اختیارات میں بے پناہ اضافہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ان اختیارات کے خلاف جو تحریکیں اٹھیں ان میں بھی اسلامی روح کا فرمانظر آتی ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں جب عیسائیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی تو روم کے کلیسا کے بڑے پادری کو ”پوپ“ کا لقب دیا گیا۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد جب اٹلی کے وسطی علاقے میں مقدس سلطنت روما کا قیام عمل میں آیا۔ یورپ کے بادشاہ اس مقدس سلطنت سے برکت حاصل کرتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے تمام حکمران کلیسا کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ تمام بادشاہ پاپائے روم کے حکم کی پابندی کرتے تھے۔ اس کی نافرمانی کا نتیجہ اکثر خوفناک ہوتا تھا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاپائے روم کا عمل دخل سیاست اور علم کے ہر میدان میں بڑھتا گیا۔ ان کے فیصلوں کی خلاف ورزی پر لوگ زندہ جلا دیے جاتے اور اختلاف رکھنے والوں پر کفر کے فتوے لگائے جاتے۔

مذہبی معاملات میں تو ان کو ہر طرح کے اختیارات حاصل تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے تھے، وہ گناہ معاف کر سکتے تھے، نئے حکم جاری کر سکتے تھے۔ پندرہویں صدی میں تو یہ اختیارات یہاں تک جا پہنچ کے انہوں نے مغفرت کے پروانے اور جنت کے اجازت نامے فروخت کرنے شروع کر دیے۔

جرمنی کے ایک عیسائی عالم مارٹن لوٹھر (وفات 1546ء) نے ان زیادتیوں پر شدید احتجاج کیا اور ایک تحریک کی بنیاد رکھی جو بعد میں اصلاح کلیسا اور اصلاح مذہب کے نام سے یاد کی گئی۔ اس نے تعلیم دی کہ:

”اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں امیر و غریب سب برابر ہیں۔ ہدایت کا سرچشمہ ”کتاب مقدس“ ہے اور انسان کو اس کتاب تک براہ راست رسائی کا حق حاصل ہے۔ اس کا عام فہم زبانوں میں ترجمہ ضروری ہے۔ مذہبی رسم کے لیے پوپ، یا اس کے نمائندے کی موجودگی ضروری نہیں۔ ہر انسان اپنے فعل کے لیے خود ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی کا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔“

آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ اصلاح کلیسا کی اس تحریک کے پیچھے اسلام کی شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت کی تعلیمات کا فرمان نظر آتی ہیں۔

اصلاح کلیسا کی تحریک سے یورپ میں مذہبی اور فکری آزادی کا دور شروع ہوا۔ اس سے علمی اور ثقافتی نشاطِ ثانیہ کی ابتداء ہوئی اور احیائے علوم کی تحریکیں شروع ہو گئیں۔

## ⑤ اشاعت علوم

آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انسان کو دوسری مخلوقات پر جو برتری حاصل ہے، قرآن کریم کے نزدیک اس کی نشانیاں وجہ انسان کی علم حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ چونکہ انسان کو دوسری اکثر مخلوقات کے مقابلے میں سوچنے، سمجھنے اور اپنی مرضی سے عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اسی لیے اسے اپنے فعل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا کہ دُنیا میں جو فساد ہے وہ انسان کے فعل سے وجود میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت نہیں بدلتی۔

انسان کو کائنات کے بارے میں غور و فکر اور تحقیق و جستجو کی آزادی بلکہ دعوت دی گئی ہے۔ اور آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ علامہ اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کے درمیانی امت کی ایک بنیادی یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسے وحی کے علاوہ زندگی کے تجربات، فطرت اور تاریخ سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدل بدل کرانے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے نفع کی چیزیں لے کر چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اُتارتا ہے اور جس سے زمین مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاتی ہے اور زمین ہر قسم کے جانوروں کے پائے جانے میں ہواں کے چلانے میں اور ان بادلوں میں جوز میں اور آسمانوں کے درمیان اٹکے رہتے ہیں۔ ایسی نشانیاں ہیں جن پر عقل مند لوگ غور کرتے ہیں۔“ (البقرہ: 164)

ان عقلمندوں کو غور و فکر سے کیا حاصل ہوتا ہے، اس کے بارے میں ایک اور آیت میں بتا دیا گیا:

”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے، پیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ آسمان اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں تو پاکارا ہٹتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تو پاک ہے۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

(آل عمران: 191)

کائنات پر غور و فکر کی یہ دعوت قرآن کریم میں بار بار ملتی ہے۔ اس دعوت کے کئی پہلو ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں:

1- قرآن تصورات اور خیالات کی دُنیا سے نکال کر ٹھوس حقائق کی دُنیا میں لاتا ہے اور ان پر غور کی دعوت دیتا ہے۔ اس طرح یونانی علم و فکر اس تصوراتی دُنیا سے انسان کو باہر نکالتا ہے جہاں تجربہ کی بجائے فکر اور تصور پر اور عمل کی جگہ نظریے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، اسی لیے سائنس کا راستہ رکا رہا۔ اسلام نے جب تجرباتی طریق فکر کی طرف دعوت دی تو سائنس کو ترقی اور نشوونما پانے کا موقع ملا۔

2- قرآن نے کائنات کے غور کا مقصد بھی بتایا کہ اس سے انسان کو معلوم ہو سکے گا کہ اس کائنات میں ایک نظام کا فرماء ہے۔ یہ کسی ضابطے اور قانون کے تحت چل رہی ہے اور ان سب کے پیچے اللہ تعالیٰ کی طاقت اور مشیت کام کر رہی ہے۔ توحید کا یہ تصور دراصل علم کی صحیح راہ ہموار کرتا ہے۔ شرک کا عقیدہ علم اور سائنس کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اوہاں اور خرافات شرک کی پیداوار ہیں۔ ایک سے زیادہ خداوں کا تصور کائنات میں نظم و ضبط کی نفی کرتا ہے اور اس طرح کائنات میں کسی قسم کے قوانین فطرت کا انکار کرتا ہے۔ ان قوانین اور اصول کے نہ ہونے کا عقیدہ ہی مختلف خداوں کی پوجا پر مجبور کرتا ہے اور انسان کو کائنات کی تہییر سے روکتا ہے۔

3- قرآنی تعلیمات سے علم کی صحیح تعریف بھی سامنے آئی۔ اوہام و خرافات کو علم نہیں کہا جا سکتا۔ علم حقائق کا نام ہے اور یہ حقائق انسانی حواس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ انسان کی ذمہ داری ہے کہ ان حواس سے کام لے اور جب تک کسی بات کا اسے صحیح علم نہ ہو۔ اس کی پیروی نہ کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

”جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کی پیروی نہ کر۔ کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں تجھ سے باز پرس ہوگی۔“ (بنی اسرائیل: 36)

قرآن کریم میں علم کا تصور بہت وسیع ہے۔ اس میں دینی علوم کے ساتھ کائنات کے تمام علوم بھی شامل ہیں بلکہ اصل علم ان سب کے مجموعے کا نام ہے۔ چنانچہ یہ علم و حکمت جہاں سے بھی ملے مسلمانوں پر اس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی ملے وہ اسے لے لے، کیونکہ وہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔“

4- اسلام میں علم پر کسی خاص فرد یا گروہ کی اجازہ داری نہیں۔ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے اسلام میں کوئی پروہت یا کاہن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت علم حاصل کرے۔

قرآن کریم نے فرمایا کہ: ”علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔“ (المر: 9)

علم کسی کے لیے مخصوص نہیں اور نہ کوئی دوسراں کو اپنی رائے یا علم کا پابند کر سکتا ہے۔ علم کے بارے میں ان تعلیمات کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی علم کی دُنیا میں جیسے سیلا ب آ گیا، اوہام و خرافات کے بند ٹوٹ گئے، پیاسی انسانیت سیراب ہوئی۔ جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی، انسان کی علم حاصل کرنے کی خواہش نے کروٹ لی، علم کے سوتے پھوٹ پڑے۔ کئی شاندار ثقافتیں کاظہور ہوا۔ علم کی دُنیا میں اسلام نے چار بنیادی کارنامے سرانجام دیے:

1- اسلام نے تجرباتی طریق تحقیق و استدلال کی بنیاد رکھی، جس میں استخراج کی بجائے استقرائے کام لیا جاتا تھا۔

2- اسلام نے پچھلی تہذیبوں کے علوم کو عربی زبان میں محفوظ کر کے ساری دُنیا میں پھیلا دیا۔ پچھلی قوموں کی ایجادت جیسے کاغذ کی صنعت، بارود، قطب نما وغیرہ مسلمانوں کے ذریعے سے دوسرے لوگوں تک پہنچیں۔

3- اسلام نے ان علوم پر مزید تحقیق کر کے ان کو ترقی دی۔

4- اسلام نے دُنیا کو کئی نئے علوم دیے جیسے تفسیر، اصول حدیث، علم الرجال، علم فقہ، فلسفہ تاریخ، علم تجوید اور تصوف وغیرہ۔

اسلامی تمدن میں علم کو نہایت اہم مقام حاصل تھا۔ مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں سے ہر دور کے موئیین متأثر نظر آتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کے اقوال نقل کرتے ہیں:

فلپ حتی نے لکھا:

”اس زمانے میں جب عرب علماء ارسطو کا مطالعہ کر رہے تھے، یورپ میں شارلیئن اور اس کے امراء اپنے نام کے بھی سیکھ رہے تھے..... ایسے زمانے میں جامعہ آکسفورڈ کے عالم غسل کرنے کو بے دینوں کی رسم بتاتے تھے، قرطبه کے مسلمان سائنس دان پر تکلف اور عطر بیز حماموں کا لطف اٹھا رہے تھے۔“ (تاریخ عرب، اردو ترجمہ، ص: 11)

جارج سارٹن کا کہنا ہے:

”آٹھویں صدی کے نصف آخر سے گیارہویں صدی کے اختتام تک عربی ہی بنی نوع آدم کی سائنسی اور ترقی پسندانہ زبان تھی..... سب سے زیادہ گراں قدر، سب سے زیادہ اچھوتی اور سب سے بڑھ کر پُرمغز کتابیں عربی زبان میں لکھی گئیں۔ (تاریخ سائنس)

ولیم ڈپر لکھتا ہے:

”جب عیسائی دُنیا زوال پڑھی، اسلامی دُنیا میں علوم کی نشوونما اپنے عروج پڑھی۔ آٹھویں صدی کے آخری نصف میں علم کے میدان میں برتری یورپ کی بجائے یقیناً مشرق قریب کو حاصل ہو چکی تھی۔“ (تاریخ سائنس، ص: 72)

بریفائلٹ نے تسلیم کیا کہ:

”یورپ کے احیاء اور ارتقاء کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر اسلامی تہذیب کے گھرے اثرات نہ پائے جاتے ہوں۔“ (تشکیل انسانیت، اردو ترجمہ، ص: 190)

## ⑥ مسلمانوں کی علمی خدمات

### 6.1 یونانی حکمت کی حفاظت اور نشوونما

ولیم ڈریپر نے یورپ کے ذہنی ارتقاء کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا:

”عیسائی حکومت نے اسے (مصر کو) جس بھیانک مذہبی جنون، جہالت اور بربادیت کے گڑھے میں دھکیلا تھا، اسلام نے اسے اس میں سے نکالا۔ انہوں نے نہ صرف قدیم یونانی حکماء کی تالیفات جمع اور محفوظ کیں، بلکہ ان پر تفصیلی تبصرے کیے، اور ان کی اصلاح کی۔ جدید یورپ کے بانیوں کو افلاطون، ارسطو، اقیلیدس، بطیموس، بقراط اور جالینوس کے کلیات فاضلانہ شرحوں کے ساتھ عربی میں ہی دستیاب تھے،“ (حوالہ مسلمانوں کے تہذیبی کارناٹے، ص: 25-26)

### 6.2 علم ریاضی

ریاضی میں مسلمانوں نے یونانی اور ہندوستانی علوم سے استفادہ کرتے ہوئے ان پر بیش بہا اضافے کیے۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی، عمر خیام، نصیر الدین طوسی، ابن الهیثم اور کمال الدین فارسی کے نام ان خدمات میں نمایاں ہیں۔ خوارزمی نے سب سے پہلے اعشاری علامات کا استعمال کیا۔ ہندسوں کی قدری درجہ بندی بھی اسی نے کی۔ الجبراء پر سب سے پہلا کام بھی اسی کا ہے۔ اس کی کتاب حساب الجبر والمقابلہ بارہویں صدی میں عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئی اور سواہویں صدی تک یورپ میں یہ کتاب نصاب کے طور پر راجح رہی۔ عربی ہند سے اور ان کی قدری ترتیب اسی کتاب کے ذریعے یورپ میں عام ہوئی اور آہستہ آہستہ رومن ہندسوں کا رواج ختم ہو گیا۔ چنانچہ آپ غور کریں یورپی زبانیں تقریباً ساری کی ساری بائیں سے دائیں طرف لکھی جاتی ہیں لیکن ہندسوں کی قدری ترتیب یعنی اکائی، دہائی، سینکڑہ وغیرہ کی ترتیب ان یورپی زبانوں میں آج بھی دائیں سے دائیں طرف چلتی ہے۔

## 6.3 کیمیا

سلطنت روما کے مورخ گبن کا کہنا ہے کہ:

”علم کیمیا کی ابتداء اور اصلاح کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ مسلمانوں نے پہلی مرتبہ کیمیا گری کو کیمیا بنایا اور اسے سائنسی بنیادیں عطا کیں۔ مسلمان کیمیا دانوں میں خالد بن یزید، امام جعفر صادق اور جابر بن حیان کے نام نہیاں ہیں۔ جابر بن حیان نے کئی کیمیائی مرکبات دریافت کیے۔ اس نے لیڈ کاربونیٹ تیار کیا، گندھک کے مرکبات میں سے زہر یہ اجزاء علیحدہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس نے کئی کیمیائی عمل مثلاً آس کسائیڈ تیار کرنا، تبخیر، تقطیر اور تقصید کے طریقے دریافت کیے۔ وھاتوں پر کیمیائی عمل کی تحقیق کی۔ کئی تیزاب دریافت کیے۔“

ولیم ڈپر نے لکھا ہے کہ:

”مسلمانوں نے تقریباً سات سو (700) سال کیمیاء کا مطالعہ کیا، ان کی تحقیقات کے اولين مراکز عراق میں تھے، وہاں سے اندلس آئے، جہاں سے یہ علم یورپ میں پہنچا۔“

## 6.4 طبیعتیات

علم طبیعتیات کے نظری شعبے میں فارابی، بوعلی سینا، محمد بن زکریا اور کئی اور علماء نے کام کیا، لیکن اس کا دلچسپ پہلو اخلاقی طبیعتیات یا میکانیات کا تھا۔ اس موضوع پر دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔

○ ایک بدائع الزمان الجزری کی کتاب ”فی معرفة الحیل الهندسية“

○ دوسری الخزینی کی ”میزان الحکمة“

ان کتابوں میں پیسے، دُھرے، پھرکی، دندانہ دار پیسے خصوصاً پنچھی پر بہت تحقیقات درج ہیں۔ ان کے مطالعے سے انسان کا ذہن فوراً گلگلیو، اور لیونارڈو ڈونوچی کی طرف جاتا ہے اور مسلمان ان ایجادات میں ان یورپی سائنس دانوں کے پیش رونظر آتے ہیں۔

## 6.5 متفرق

اسی طرح مسلمانوں نے علم طب، جغرافیہ بلکہ تمام علوم میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ علم طب میں ابن سینا کی کتاب ”القانون“، لاطینی میں ترجمہ ہو کر ستر ہویں صدی تک نصاب میں شامل رہی۔ علم جغرافیہ میں شریف الادریسی نے پہلی مرتبہ سائنسی طریقے پر دُنیا کا نقشہ تیار کیا۔ ابن ماجد نے سمندروں کے بارے میں تحقیقات کیں اور اس پر کئی کتابیں لکھیں، واسکو ڈے گاما، اسی کی رہنمائی میں کالی کٹ پہنچا تھا۔

ہندوستان کے راستے کی تلاش یورپ کا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ واسکو ڈے گاما کی کامیابی نے اور ملاحوں کو اسی قسم کی مہموں پر آمادہ کیا، چنانچہ اس طرح جغرافیائی دریافتوں کا آغاز ہوا۔

## 6.6 عربی سائنسی اصطلاحات

مسلمانوں نے ہر علم میں تحقیق اور ترقی کا کام جاری رکھا۔ ان سب علوم کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ یہی علوم ترجمے کے ذریعے سے یورپ تک پہنچا اور یورپ میں علم کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ان اثرات کی ایک ہلکی سی جملک ان الفاظ میں بھی ملتی ہے جو سائنسی علوم میں یورپ میں آج بھی رائج ہیں۔ ان کا عربی الفاظ سے موازنہ کرنے سے فوراً پتہ چلتا ہے کہ یہ عربی زبان سے لیے گئے ہیں۔

یورپ کی زبانوں میں عربی سائنسی اصطلاحات کے الفاظ بعضی موجود ہیں:

ALKALI	العُنْصَرِي
ALAMBIC	الآنْبِيق
COTTON	قطن (روئی)
MUSLIN	موھلی (کپڑے کا نام)
DAMASCENE	ڈمشقی (کپڑے کا نام)
SATIN	زیتونی (کپڑے کا نام)
SUGAR	شکر (السُّكَر)
TARIFF	تعريف (ٹیکس)
ALCOHAL	الکھل
CARAFE	غرافہ (شیشے کی بوتل)
SYRUP	شرب
CABLE	الْجَمَل (رسی)
ARSENAL	دار الصناعہ
ADMIRAL	امیر البحار
LOGARITHM	الخوارزمی
ZERO	صفر
REAM	ریزمه

## 7۔ تاریخی کردار

مسلمانوں کی تحقیقات لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر یورپ پہنچ رہی تھیں۔ خود یورپ کے طالب علم مسلمان مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ اس کے علاوہ یورپ میں بھی اسلامی علوم کے مرکز قائم کیے گئے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں لی انج اور لورین کے شہروں میں عربی تعلیم کے مرکز قائم تھے۔ یہاں سے یہ تعلیم فرانس، جرمنی اور انگلستان تک پھیلی۔ 1180ء میں راجہ ہیری فورڈ نے انگلستان میں عربی تعلیم کا مرکز قائم کیا۔ ان مرکز میں علم طب، علم نجوم، فلسفہ اور کئی دوسرے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ ان علوم کے ساتھ سائنس کا تحقیقی طریقہ بھی یورپ میں پہنچا۔ فلپ حتیٰ لکھتا ہے:

”تیرہویں صدی کے آخر تک عربی، سائنس اور فلسفہ دونوں یورپ میں منتقل ہو چکے تھے۔ وہ ہنی راستہ جو طلیطلہ کے چھاؤں سے شروع ہو کر پیر نیز کے پہاڑی سلسلوں سے گزرتا ہوا فرانس پہنچتا تھا، وہ جنوبی فرانس میں پراوس اور الپائن کے دروں سے گزرتا ہوا جرمنی اور وسطیٰ یورپ سے ہوتا ہوا انگلستان پہنچ گیا تھا۔“ (تاریخ عرب، ص: 185)

اسلامی علوم دُنیا میں ہر علاقے میں پھیل رہے تھے، یورپ کی طرح برصغیر میں بھی اس کے اثرات پہنچ۔ ڈاکٹر تارا چند اسلامی اثرات کے اس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہندو ماہرین فلکیات نے مسلمانوں سے بہت سی فنی اصطلاحات، عرض بلد اور طول بلد کے متعلق مسلمانوں کے حسابات، تقویم اور زیج کے بہت سے موضوع اخذ کیے۔ علم جوش کی ایک پوری شاخ اپنائی جسے عرب تاجیک کہتے تھے۔ مہاراجہ جے سنگھ (1643-1746) ہندو تقویم کی اصلاح میں مشغول ہوا تو اس نے جے پور، متحرا، والی اور بنارس میں رصدگاہیں قائم کیں۔ اس کے پنڈتوں نے المجسٹی کا عربی سے سنکریت میں ترجمہ کیا۔ مہاراجہ نے

اپنی زندگی کی تیاری میں الوغ بیگ، نصیر الدین طوی، گورگان، ایلخانی وغیرہ کے زانچے استعمال کیے۔ ہندو طب نے مسلمانوں سے فلزاتی تیزاب، علم کیمیا اور دوسرا بہت سی چیزوں سیکھیں۔ جوفن اور حرفت مسلمان ہندوستان میں لائے تھے ان میں کاغذ کی صنعت، صیقل کاری، روغنی ظروف سازی، دھات پر سونے چاندی کی پچکاری اور فولاد پر جو ہر ڈالنے کا فن قابل ذکر ہیں۔“ (تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص: 231)

اسلامی اثرات کے ماتحت علم کی اشاعت و ترقی کی رفتار تیز ہوئی۔ چنانچہ چودھویں صدی عیسوی تک ان اثرات کا مجموعی دباؤ اس قدر ہو چکا تھا کہ دُنیا کے مختلف علاقوں میں علمی تحریکیں شروع ہوئیں۔ ان میں یورپ میں احیائے علوم کی تحریک خاص طور پر بے حد اہم ہے، کیونکہ اسی تحریک سے یورپ کی نشأۃ ثانیۃ ہوئی اور یہیں سے یورپ بلکہ عالم انسانیت دورِ جدید میں داخل ہوا۔

یورپ میں احیائے علوم کی تحریک کا آغاز 1453ء سے شمار کیا جاتا ہے۔ یہ وہ عہد ہے جب قسطنطینیہ فتح ہو کر مسلمانوں کی سلطنت میں یورپ کے کئی علاقوں کے شامل ہو گئے۔ ان علاقوں کے علماء یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ دوسری طرف اندرس میں عیسائیوں کی فتوحیات جاری تھیں، چنانچہ یہودی علماء عیسائیوں کے خوف سے بھاگ کر یورپ کے شہروں میں پناہ لے رہے تھے۔ ان لوگوں کے ذریعے اسلامی علوم یورپ میں بہت تیزی سے پھیلنا شروع ہوئے۔ جلد ہی ان کا نتیجہ احیائے علوم کی تحریکوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

یہی وہ دور ہے جب اصلاح کلیسا کی تحریک بھی زوروں پر تھی۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ کلیسا کہ صاحب اقتدار لوگوں کو علم کی نئی تحریکوں سے مذہب خطرے میں نظر آ رہا تھا، چنانچہ انہوں نے نئی فکر پر پھرے بٹھانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلاح کلیسا اور احیائے علوم کی تحریکوں نے ایک دوسرے کو مدد دی اور مذہبی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی اور یوں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، اس کا سہرا اسلام کے اشاعت علوم کے سر ہے۔

## 7.1 خود آزمائی نمبر

- قرآن کریم کی نظر میں امتِ مسلمہ کو کون سا تاریخی کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے؟ اور وہ اس کردار میں کس حد تک کامیاب رہی ہے؟
- قرآنی تعلیمات کی روشنی میں انسانیت کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے اسلام نے کون سے اصول عطا فرمائے ہیں۔
- ”شرفِ انسانیت“ اور ”وحدتِ انسانیت“ کے اصول کی بنیاد ”عقیدہ توحید ہے“ تو پڑھ کیجئے۔
- آج کے مسلم معاشروں کا دوسرا معاشروں سے مقابلہ کر کے بتلائیے کہ شرفِ انسانیت کا اصول کن معاشروں میں زیادہ بہتر طریقے پر کار فرما ہے اور اس کی وجہات کیا ہیں؟
- آدم علیہ السلام کے نزول کا قصہ کو با بل اور قرآن مجید کی روشنی میں تقابی انداز میں بیان کیجئے۔
- علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اسلام میں ریاست اور کلیسا کی دولت موجود نہیں۔ اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیجئے
- ایسے علوم کی فہرست دیجئے جس میں مسلمانوں نے بیش بہا خدمات سرانجام دی ہیں ان میں چند ایک کے بارے میں تفصیلی وضاحت بھی فراہم کیجئے۔
- یورپ کی اصلاح کلیسا اور احیائے علوم کی تحریکوں کا اسلامی تمدن سے کیا تعلق تھا اور کون سے اسلامی اصول ان اثرات کے پیچھے کار فرماتے؟
- قرونِ وسطی میں مسلمانوں نے فکری اور عملی طور پر ساری دُنیا کی رہنمائی کی۔ کیا اب بھی وہ یہ کردار ادا کر رہے ہیں؟ تفصیل کے ساتھ اپنی رائے بیان کیجئے۔

پونٹ نمبر ۹

# ہمارا مستقبل

ہمارے مسائل اور آن کا حل

تحریر: ڈاکٹر طفیل ہاشمی

نظر ثانی: عبدالحمید خان عباسی

## فہرستِ مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفہ نمبر
○	لیونٹ کا تعارف	273
○	لیونٹ کے مقاصد	274
-1	اسلامی شخص	275
	1. انسانی ہدایت اور ہماری ذمہ داری	275
	1.2 تبلیغ اور جہاد کا باہمی تعلق	276
	1.3 اسلامی شخص کی بنیاد	277
-2	سیاسی مسائل	280
	2. اتحاد عالم اسلامی	280
	2.2 حکوم ممالک اور قیلیتیں	282
	2.3 تجاویز	283
-3	اقتصادی مسائل	285
	3. عالم اسلام کے معاشی حالات	287
	3.2 زراعت	288
	3.3 قومی معيشت کی بیماریاں	291
-4	تعلیمی مسائل	294
	4.1 پست شرح خوانندگی	294
	4.2 متوازی تعلیمی نظام	297
	4.3 ہمہ گیر اصلاح کی ضرورت	297
	4.4 اصلاح کے لیے عملی تجاویز	299
	خود آزمائی نمبر 1	303
	خود آزمائی نمبر 2	304

## یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

زیرِ مطالعہ یونٹ میں ان مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے جو اسلامی ملک کو بالعموم اور پاکستان کو بالخصوص درپیش ہیں۔

بنیادی طور پر اس یونٹ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلے حصے میں اسلامی شخص کی ضرورت و اہمیت اور ان امور پر بحث کی گئی ہے، جو اسلامی شخص کو بحال رکھنے میں معاون ہیں۔ اس کے علاوہ ان بنیادوں کا تذکرہ ہے جو ہمارے بہتر مسئلے کی ضامن ہیں۔

دوسرے حصے سیاسی اور اقتصادی مسائل کے لیے وقف ہے۔ اس میں اتحاد عالم اسلامی کی ضرورت و اہمیت پر بحث کی گئی ہے اور غیر مسلم سامراجی طاقتوں کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے تباہی پیش کی گئی ہیں۔ عالم اسلام کے معاشی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ان امور کی نشان دہی کی گئی ہے جو ہماری قومی معیشت کی تباہی کا باعث ہیں۔ اس حصے میں ہم نے اقتصادی مسائل کو بالعموم پاکستان کے نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔

تیسرا حصہ تعلیمی مسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں تعلیمی مسائل کی پچیدگیوں پر بحث کی گئی ہے۔

زیرِ نظر یونٹ میں ہم نے مستقبل کے حوالے سے بعض اہم مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے مناسب تباہی پیش کی ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ جل اسلامی تعلیمات کی عکاسی کریں تا کہ ان کی بنیاد پر جو معاشرہ تشكیل پائے وہ ایک ترقی یافتہ اسلامی معاشرہ ہو، اس کے افراد اپنے ملک اور اسلامی نظریے کے وفادار ہیں۔

## پوینٹ کے مقاصد

عزیز طلباء طالبات!

یہ پوینٹ پڑھنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- 1 قومی مسائل کی نوعیت کو جان سکیں۔
- 2 قومی مسائل کو حل کرنے کی راہ میں رکاوٹوں سے آگاہ ہو سکیں۔
- 3 مسائل کو حل کرنے میں اسلام کے طریقہ کار سے آشنا ہو سکیں۔
- 4 اپنے قومی اور ملیٰ مستقبل کو سنوارنے کے لیے اپنے روئیوں میں تبدیلی کی کیفیت سے آگاہ ہو سکیں۔

## 1 - اسلامی تشخّص

اسلام ایک تبلیغی دین ہے جس کی بنیاد عقائد اور اعمال پر ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص قوم، نسل، گروہ، خطے، تاریخی یا جغرافیائی وحدت سے نہیں ہے۔ ایک شخص خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کہیں کا بھی رہنے والا ہو جب ”لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ اسلامی برادری کا ایک معزز فرد ہو جاتا ہے۔

جس طرح ایک فرد کی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اندرونی بیماریوں اور بیرونی خطرات سے محفوظ ہو، اسی طرح ایک نظریہ کی بقاء کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اندرونی طور پر صحت مند اور تو انا ہو اور بیرونی حملوں کے خلاف قوتِ مدافعت رکھتا ہو۔ اسلامی نظریہ کی بقاء کے لیے ہر دو تقاضوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے، وہ یوں کہ اسلامی برادری کو تازہ خون فراہم کرنے کے لیے دعوت و تبلیغ کو عام کیا جائے تاکہ نئے افراد اور نئی اقوام اس میں شریک ہو سکیں اور مسلمانوں میں مروج غیر اسلامی افکار اور روایات ختم کر کے ان کے اسلامی تشخّص کو اجاگر کیا جائے۔ مسلمانوں کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے جہاد فرض قرار دیا گیا ہے اور جس نوعیت کے حملے کا خطرہ ہو اسی کے مطابق دفاع کیا جائے۔ اگر غیر اسلامی افکار و نظریات، تہذیب و ثقافت کی لیگار ہوگی تو اس کا مقابلہ اسلامی افکار و نظریات اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے ذریعے کیا جائے گا۔ اگر بیرونی حملہ اسلحہ اور جنگی آلات سے ہو تو مقابلہ بھی اسی طرح کیا جائے گا۔ الغرض جس نوعیت کا خطرہ ہوگا اسی قسم کی دفاعی تیاریاں ضروری ہیں۔

### 1.1 انسانی ہدایت اور ہماری ذمہ داری

انسانوں کی ہدایت کے لیے ابتداء ہی سے انبیاء اور رسول علیہم السلام بھیجنے کا سلسلہ جاری رہا اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بتا دیا کہ:

﴿فَإِنَّمَا يَأْتِينَكُمْ مِنْيَ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدًى فَلَا حُرْقَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْرَنُونَ﴾

(البقرہ (۲): ۳۸)

(جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے گی تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا انہیں نہ تو خوف ہو گا اور نہ وہ غمکھیں ہوں گے)۔

آسمانی ہدایت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر رسول کریم ﷺ پر آ کر مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کام جس کے لیے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے امت مسلمہ کے سپرد کر دیا گیا اور فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران (۳): ۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دو، برے کاموں سے روکو اور اللہ پر ایمان لاو)۔

اس آیت میں قرآن کریم نے ہماری ذمہ داری متعین کر دی ہے کہ جب تک دنیا میں ایک فرد بھی ایسا موجود ہے جس تک اللہ کی ہدایت نہ پہنچی ہو تو ہماری ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کے تمام انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں۔ یہی ہماری اصل ذمہ داری ہے۔

## 1.2 تبلیغ اور جہاد کا باہمی تعلق

اگر ہم غور کریں تو تبلیغ اور جہاد میں ہمیں ایک گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ لوگوں کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے، یا جو اسلام قبول نہ کرے اس سے قوال کیا جائے، بلکہ اسلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں تک اسلام کا پیغام اپنی اصل شکل میں پہنچ جائے، اور اگر وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوں تو کوئی شخص انہیں اس سے روکنے کی جرأت نہ کرے۔ عام طور پر بعض معاشروں میں کچھ لوگ بہت بااثر ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر عام لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو ان کا اقتدار باقی نہیں رہے گا اور سب مسلمان آپس میں

اخوت اور بھائی چارے کے رشتے میں مسلک ہو جائیں گے۔ یہ لوگ اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے اسلام کی مخالفت پر کربستہ ہو جاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ جو اسلام کو عام لوگوں تک پہنچنے سے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں ان کو ہٹا دینا ضروری ہوتا ہے اور یہی جہاد یا قتال ہے۔ اس کو ہم اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کسی انسان کے بدن کا کوئی حصہ گل سڑ جائے اور یہ خطرہ پیدا ہو جائے کہ اگر اسے کاٹ کر بدن سے الگ نہ کیا گیا تو اس کا زہر سارے بدن میں پھیل جائے گا اور اس کی موت واقع ہو جائے گی تو انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ گلاسر اعضو کاٹ کر اس شخص کی زندگی بچائی جائے۔ اسی طرح اگر انسانی معاشرے کے کچھ افراد اس قدر گل سڑ جائیں کہ ان کے وجود سے معاشرے کی تباہی کا خطرہ ہو تو جہاد کے آپریشن کے ذریعے معاشرے کو ان سے پاک کرنا اور معاشرے کو تباہی سے بچانا ضروری ہے۔

### 1.3 اسلامی تشخیص کی بنیاد

اسلامی تشخیص کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے۔ توحید کے معنی یہ ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی قوت کو کار ساز اور حاجت روانہ مانے اور نہ ہی کسی کے ہاتھ میں اپنا نفع و ضرر سمجھے۔ زندگی اور موت، صحت اور بیماری، نفع اور نقصان سب اسی کے اختیار میں ہے۔ ان امور میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں۔ اس تصور سے انسان ہر قسم کی غلامی اور عبودیت سے آزاد ہو جاتا ہے، توحید درحقیقت انسانی شرف و عظمت کا سنگ بنیاد ہے۔ شرک کی ابتداء اس سے ہوئی کہ انسان نے مختلف چیزوں سے نفع یا نقصان پہنچنے کا تصور قائم کر لیا، یا بڑی اور بزرگ نزدیک شخصیتوں کے ساتھ حد سے زیادہ عقیدت و احترام کا اظہار کیا۔ اس لیے ان کی خوشنودی اور رضا جوئی اور فخر و غضب سے بچنے کے لیے ان کی پرستش کرنے لگا۔

اسلام نے واضح طور پر اس تصور کی تردید کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوانہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔

﴿مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ﴾

مِنْ بَعْدِهِ ط (فاطر: ۲۵)

(اللَّهُ تَعَالَى لَوْغُوں کے لیے رحمت کا جو دروازہ کھول دے اسے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جسے بند کر دے اسے اس کے بعد کوئی کھول نہیں سکتا)۔

تو حید کا لازمی نتیجہ تھا کہ انسان دُنیا کی ہر غلامی سے آزاد ہو گیا اور کسی طاقت کا بندہ اور غلام نہیں رہا۔ اسلام نے انسان کو اشرف الخلوقات قرار دیا اور اسے پوری کائنات پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمَنَا بَنَى اَدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ (بنی اسرائیل (۱۷): ۴۰)

(ہم نے بنی آدم کو بزرگی اور برتری عطا کی اور خشکی و تری کی طاقتیں اس کے تابع کر دیں جو اس کو اٹھائے پھرتی ہیں اور پا کیزہ چیزیں اس کو کھانے کو دیں اور بہت سی مخلوقات پر ہم نے اس کو فضیلت اور برتری عطا کی)۔

زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے، دریا، سمندر، خشکی اور تری سب کچھ انسان کے لفظ اور خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، انسان کو ان کی خدمت کے لیے نہیں۔

اسلام سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مخلوق رنگِ نسل، حسب و نسب، ملک و وطن، دولت و وجہت اور پیشوں کے اعتبار سے اور ادنیٰ اور اعلیٰ طبقوں میں بھی ہوئی تھی، ذاتی استعداد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ادنیٰ طبقوں پر ترقی کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند تھے۔ اسلام نے ان سارے امتیازات کو ختم کر کے سب کو ایک انسانی برادری قرار دیا اور عزت و شرف کے سب جعلی معیار ختم کر دیے۔

اسلام کا تعلق کسی خاص نسل، قوم، برادری، تاریخی اور جغرافیائی وحدت یا زبان اور خطے سے نہیں بلکہ یہ سارے عالم کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے آیا ہے۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَةً لِلنَّاسِ بَشِّرُوا وَنَذِرُوا وَلِكُنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سما (۲۸): ۳۲)

(اے محمد ﷺ، ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے)۔

دین اسلام، عدل، تقویٰ اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ دشمنوں سے بھی رحم اور عفو و درگز رکا معاملہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ظلم، بد دینتی، خیانت اور ہر طرح کی برائی سے باز رہنے اور اس سے روکنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی وہ امور ہیں جو اسلامی شخص کو اجاگر کرتے ہیں۔ درحقیقت اسلام، ایمان اور عمل صالح کا نام ہے۔ اگر کسی شخص یا قوم کی زندگی اسلام کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے تو محض مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے سے اسے ہرگز اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس عزت و شرف کا استحقاق نہیں مل سکتا جس کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہمارے بہتر مستقبل کا دار و مدار صرف ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

## 2- سیاسی مسائل

### 2.1 اتحادِ عالمِ اسلامی

دُنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ بیشتر اسلامی ممالک جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ لیکن یہ امر انتہائی افسوس ناک ہے کہ سیاسی اعتبار سے یہ ممالک منقسم ہیں۔ اس کے نتیجے میں گاہے گاہے باہم برس رپیکار بھی ہو جاتے ہیں اور بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے۔ ایک مسلم ملک کے تمام تر وسائل دوسرے مسلم ملک کے خلاف استعمال ہوتے ہیں اور انجام کار دنوں متحارب ملک جانی، مالی اور عسکری نقصان اٹھا کر بین الاقوامی برادری میں کمزور اور دوسروں کے دست نگر ہو جاتے ہیں۔

اسلامی ممالک اپنی عدی کثرت اور وسائل کی گوناگونی کے باوجود تاریخ عالم میں کوئی مؤثر اور ثابت کردار ادا کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف مجاز آرائی میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اپنے دشمنوں کے آله کار بن کر مسلمانوں کی اپنی قوت کمزور کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشِلُوا وَ تَدْهَبَ وَ يَحْكُمُ﴾ (الأنفال: ٨) (٣٦: ٨)

(باہمی نزاع نہ کرو ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)۔

قرآن حکیم جو کہ مکمل نظام حیات ہے اور ہر طرح کے حالات میں رہنمائی کرتا ہے، مسلمانوں کے انفرادی یا قومی جھگڑوں اور لڑائیوں کے بارے میں ہمیں واضح پالیسی اختیار کرنے کی ہدایت دیتا ہے جو آپ اپنی کتاب کے پونٹ نمبر 1 (سورۃ الحجرات) میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں اسے پھر دہرا لیں۔

﴿وَإِنْ طَآئِفَتِنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَفْسَلُوا فَأَصْلِحُوهَا بَيْنَهُمَا حٰفٰنْ بَعْثٰتِ احْدَهُمَا عَلَى الْأَخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبَغِي حَتَّىٰ تَفَهَّمَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ حٰفٰنْ فَإِنْ قَاءَتْ فَأَصْلِحُوهَا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَفْسِطُوا طِاً إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اخْوَةٌ بَيْنَ أَخْوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾ (الحجرات: ۲۹-۳۰)

(اور اگر مونوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ گروہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف سے صلح کرادو اور عدل سے کام لو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کتم پر رحمت کی جائے)۔

اسلام تفریق رنگ و نسل کا قائل نہیں بلکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعْبَارَ فُرُوا طِاً أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتُقْلِكُمْ ۝﴾ (الحجرات: ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔)

اسلام ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد کو ایک عالمگیر برادری کی شکل میں متحداً اور منظم کرتا ہے اور تفرقہ بازی اور گروہ بندی سے گریز کرنے کا حکم دیتا ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَجْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَنْفَرُوا ۝﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

(اللہ کی رسی کو مضبوطی سے کپڑو اور فرقوں میں نہ بٹو)۔

ارشادِ نبوي ﷺ ہے:

”تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا شَتَّكَيْ  
عُضُوٌ مِنْهُ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسِّهْرِ وَالْحُمْمِ“

(تم مونوں کو باہمی رحمت، محبت اور شفقت میں اس طرح پاؤ جیسے ایک بدن ہوتا ہے جب ایک عضو بخار ہو جائے تو سارا بدن بیدار رہ کر اور بخار میں تپ کر اس کی یمارداری کرتا ہے)۔

اسلام نے ملت کے اتحاد کے لیے وسیع بنیادیں فراہم کی ہیں۔ وہ نسل، وطن، زبان، رنگ، معاشی یا سیاسی اغراض کے اشتراک میں سے کسی چیز کو قومیت کی بنیاد تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں اور قبل اور خاندانوں کی تقسیم صرف باہمی تعارف کے لیے ہے۔ پوری کائنات بنی نوع انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور پورا روئے زمین انسان کا وطن ہے، عربی کو عجمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔

اسلام کی ان ہی تعلیمات کی اساس پر رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کی ریاست کی بنیاد رکھی تھی اور ان ہی تعلیمات کے مطابق پاکستان معرض وجود میں آیا۔ دُنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان موجود ہیں ان کے باہمی رشتے کی مضبوطی کے لیے یہی اصول ہیں اور اگر اسلامی ممالک ان اصولوں کو اپنالیں تو ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔

## 2.2 مُحْكُمٌ مَمَالِكٌ أَوْ أَقْلِيَتٍ

مسلم اکثریت کے کئی علاقوں ابھی تک استعماری طاقتوں کے تسلط میں ہیں اور ان میں سے بیشتر طاقتیں اسلام کی بخش کرنی اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشته کرنے کے لیے دن رات مصروف جہد عمل ہیں۔

ان کے علاوہ دُنیا کے کئی ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور اکثریت کے رحم و کرم پر ہیں۔ وہ اپنی مذہبی

تقریبات، دینی شعائر اور اسلامی تعلیمات پر آزادانہ عمل نہیں کر سکتے۔ اگر مسلمان ممالک اپنی آزادانہ حیثیت برقرار رکھ سکیں اور قوموں کی برا دری میں وقار اور احترام حاصل کر لیں تو دنیا بھر کے مسلمان اقویتوں کو عزت، تحفظ اور اسلامی تعلیمات پر عمل کی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان دنیا کی آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی ہیں اور اکثر ممالک اقوام متحده کے رکن ہیں۔ اقوام متحده کے کل ارکان کا ایک تھائی مسلم ممالک پر مشتمل ہے۔ لیکن عملی طور پر ان کی آواز غیر موثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم ممالک میں باہمی اتحاد مفقود ہے اور بڑی طاقتون کی امداد کے محتاج ہونے کی وجہ سے ان کی مرضی کے پابند ہیں۔

اس کا واحد حل یہ ہے کہ مسلمان ممالک باہمی اتحاد و یگانگت کو فروغ دیں اور غیر مسلم سامراجی طاقتون کے تسلط سے نجات حاصل کریں۔ اس ضمن میں درج ذیل تجویز پیش کی جاتی ہیں۔

### 2.3 تجاویز

#### 1- مقصد کا تعین

مسلمان حکومتوں کو اپنے اقتدار کے لیے مقصد کا تعین کرنا چاہیے کہ ان کی حکومت کا مقصد اللہ تعالیٰ کے قانون کی بالاتری، اسلام کا تفوق اور خلق خدا کی خیر خواہی ہے۔ چنانچہ ان کے تمام اقدامات اس مقصد کے پیش نظر ہونے چاہیں۔

#### 2- اعلیٰ تعلیمی معیار کا حصول

اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہاں اعلیٰ تعلیم کے لیے معیاری ادارے قائم کریں جہاں تحقیق و تجربات کی ہر سہولت میسر ہو اور جدید علوم کے حصول کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جائیں۔

### 3۔ علمی تجربات کا تبادلہ

ہر ملک کے علماء اور سائنس دان اپنے علمی و فنی تجربات سے دوسرے ممالک کے علماء اور سائنس دانوں کو آگاہ کریں اور علمی و سائنسی میدان میں مشترکہ کوششیں کی جائیں۔

### 4۔ اعلیٰ دفاعی سامان کی تیاری

اسلامی ممالک کو اپنے علمی اور مادی وسائل جمع کر کے اعلیٰ دفاعی سامان تیار کرنا چاہیے۔ اسلام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسلمان جنگی اعتبار سے اس قدر مضبوط ہوں کہ دُنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاعِدْ وَالْهُمْ مَا أَسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوُّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ حَلَّا تَعْلَمُونَهُمْ حَلَّ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ط ﴾ (الأنفال: ۲۰: ۸)

(جتنی قوت تم مہیا کر سکتے ہو اور جتنے گھوڑے باندھ سکتے ہو، تیار کرو جن سے تم اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو ہراساں کرو اور ان دوسرے لوگوں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے)۔

### 5۔ مشترکہ دفاعی معابدے

اسلامی ممالک آپس میں دفاعی معابدے کریں اور اگر کسی ایک مسلم ملک پر حملہ ہو تو دوسرے ممالک خاموش تماشائی نہ بنے رہیں۔ وہ نہ صرف زبانی اور اخلاقی مدد کریں بلکہ دفاعی معابدوں کے مطابق فوجی مدد بھی پہنچائیں۔ کسی ایک ملک پر حملہ پورے عالم اسلام پر حملہ متصور ہو۔

اگر مسلمان ممالک اپنے آپ کو متحکم بنالیں تو نہ صرف مقبوضہ اسلامی ممالک کی آزادی کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں بلکہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، انہیں بھی تحفظ مل سکتا ہے۔

## 3- اقتصادی مسائل

اقتصادی خوش حالی کو انسانی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ معاشری طور پر خوش حال قوموں میں کئی الیٰ اخلاقی برائیاں نہیں ہوتیں جو مفلس اور غریب قوموں کا ورثہ ہیں، معاشری ترقی ہی سیاسی قوت واستحکام کی ضامن ہے۔ اسی لیے اسلام نے فقر و فاقہ کے خلاف باقاعدہ جہاد کا اعلان کیا ہے تاکہ وہ انسان کے عقیدہ، اخلاق و کردار، عائلی زندگی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہو کر کوئی خطرناک صورت حال پیدا نہ کر دے۔ اس لیے اسلام نے یہ اہتمام کیا ہے کہ اسلامی ریاست کی حدود میں رہنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل کی جائے۔ یہ اہتمام اس درجے تک ہونا چاہیے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان، علاج اور تعلیم شامل ہیں۔

اسلام نے فقر و فاقہ کو ختم کرنے اور انفرادی و قومی معیشت کے استحکام کی طرف بار بار توجہ مبذول کرائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَأَنْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ (الجمع: ۲۲)

”جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ﴾  
(اعنكبوت: ۲۹)

(اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہارے لیے رزق کا اختیار نہیں رکھتے۔  
پس اللہ تعالیٰ سے ہی رزق طلب کیا کرو)۔

﴿وَقَدَ رَفِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ طَسَوَّاءً لِلْسَّائِلِينَ ۝﴾ (حم السجدہ: ۳۱)

(زمیں میں غذاؤں کے خزانے رکھ دیتے چار دن میں جو مساوی ہیں تلاش اور جستجو کرنے والوں کے لیے)۔

﴿وَالْخَرُوْنَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَتَعْجَلُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ (المزمل: ۲۰)

”اور کتنے اور لوگ ہیں جو پھرتے ہیں ملک میں اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرتے ہوئے۔“

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

” طَلَبُ كَسَبِ الْحَالَلِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ فَرِيْضَةٍ إِذَا صَلَيْتُمُ الْفَجَرِ فَلَا تَنْوُمُوا عَنْ طَلَبِ أَرْزَاقِكُمُ الْذَّنْوَبُ ذُنُوبُ لَا يُكَفِّرُهَا إِلَّا اللَّهُمَّ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ ”

(فرائض کی ادائیگی کے بعد حلال رزق کمانا فرض ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر طلب رزق سے غافل ہو کر سونہ رہو۔ کچھ گناہ ایسے ہیں جو صرف غم روزگار سے دھلتے ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے پھر یہ کہنے لگے کہ میں متوكل ہوں، کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش نہیں ہوتی۔“

اسلام دولت مندری کو، بشرطیکہ وہ حلال ذرائع سے ہو، اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتا ہے اور فقر و فاقہ کو ایک ایسی مصیبت اور اللہ تعالیٰ کا عذاب کہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ بلاشبہ فقر و فاقہ انسان کے عقیدہ اور ایمان کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے، خاص طور پر وہ تنگ دستی جس کے پہلو بہ پہلو بعض لوگ بے حد مال دار ہوں اور بے چارہ غریب اور تنگ دست تو محنت مزدوری کر رہا ہو اور سرمایہ دار بیکار بیٹھا ہوا یہیے حالات میں فقر و فاقہ انسان کو کائنات کی خدائی تنظیم کی حکمت کے بارے میں اور دولت کی خدائی تقسیم کے منی بر انصاف ہونے کے بارے میں شک و شبہ میں ڈال دیتا ہے۔

فقر و فاقہ اخلاق و کردار کے لیے بھی کچھ کم خطرناک نہیں اور کسی غریب اور تنگ دست کو اس کی بدحالی اور محرومی بعض دینی اور دنیوی معاملات میں غیر شریفانہ اور اخلاق سے گرا ہوا رو یہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، اسی لیے تو کہتے ہیں کہ:

”معدے کی آواز ضمیر کی آواز سے زیادہ طاقت ور ہے۔“

ایک قرض دار پر اس کا قرض اخلاقی اعتبار سے کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب کوئی شخص قرض لیتا ہے تو وہ بات کرنے میں جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔“

فقر و فاقہ انسان کے فکر و فہم کی صلاحیتوں کو بھی مفلوج کر دیتا ہے ایک تنگ دست آدمی جسے اپنے اہل و عیال کے لیے ضروریات زندگی میسر نہیں کس طرح گھری بات سوچ سکتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”جس کے گھر میں آٹا نہ ہو، اس سے مشورہ مت طلب کرو، کیونکہ وہ شخص پر یثان فکر ہوتا ہے، اس کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔“

فقر و فاقہ عالمی زندگی کی تشكیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور عسرت و تنگ دستی بسا اوقات میاں بیوی میں تفریق کا باعث بن جاتی ہے۔ عرب میں جاہلی دور میں والدین تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے جس سے قرآن حکیم نے منع کیا ہے۔

الغرض اسلام غربت اور افلاس کو ایک لعنت سمجھتا ہے جس سے اسلامی معاشرے کا پاک ہونا ضروری ہے۔

### 3.1 عالم اسلام کے معاشی حالات

دنیا کے بیشتر مسلم ممالک کے معاشی حالات خاصے بہتر ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بعض مسلم ممالک ایسے

بھی ہیں جو دنیا کے انہائی غریب ممالک میں شمار ہوتے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان کا شمار بھی ان ہی ممالک سے ہے۔

پاکستان کے لیے غربت ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہم قرضوں میں اس بڑی طرح جگڑے ہوئے ہیں کہ ہمیں اپنے زرِ مبادلہ کا بیشتر حصہ قرضوں اور سود کی ادائیگی میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود ادائیگیوں کا توازن درست رکھنے کے لیے مزید قرض لینا پڑتا ہے۔ اس سنگین صورت حال سے نجات کے لیے انقلابی معاشری اقدامات کی ضرورت ہے۔

### 3.2 زراعت

خوارک انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ جب تک ہمیں پیٹ بھر کے کھانے کونہ ملے ہمارے لیے اخلاقی اقدار، مذہبی روایات، دینی تقاضے، سیاسی ذمہ داریاں، عملی نظریات اور سائنسی افکار ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے۔ ایک خالی پیٹ انسان یہ سوچنے لگ جاتا ہے کہ رب العالمین کی ہستی کہیں ہے بھی یا نہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ انسان کی اس نفسیاتی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

”كَادَ الْفَقْرُؤْنُ يَكُونُ كُفُراً“

(فقر آدمی کو کفر کے قریب لا کھڑا کرتا ہے)۔

اور آپ نے کفر اور فقر کو ایک ہی سیاق میں ذکر فرمایا کہ دونوں سے پناہ مانگی ہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ“

(اے اللہ تعالیٰ میں کفر اور فقر دونوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں)۔

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ ہر شخص کو پیٹ بھر کر خوارک مہیا کی جائے، بغیر اس بات کا لحاظ کیے کہ وہ خود

اپنے مال سے یا اپنی محنت کے ذریعے سے اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ البتہ ایسے افراد جو کسی بیماری، معدوری، بڑھاپے، تینی، بیوگی یا کسی اور سبب سے اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہ رہیں تو اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ ان کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کرے۔

اسلام نے زیادہ سے زیادہ غذا پیدا کرنے کی بہت تاکید کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”أُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي حَبَائِيَا لِلْأَرْضِ“

(رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو)۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے جرف کے مقام پر کاشت کاری کی اور قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں آپ نے کھیتوں اور نخلستان میں ک DAL اور پھاڑے سے کام کرنے کی وجہ سے گئے پڑے ہوئے دیکھے تو آپ ان کے دونوں ہاتھوں کو چوتے جاتے اور فرماتے:

”یہ دونوں ہتھیلیاں اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔“

اسلامی ممالک اپنی وسیع اور زرخیز اراضی کی بدولت اس قابل ہیں کہ نہ صرف اپنی غدائی ضروریات کو پورا کریں بلکہ اتنا اور غلہ پیدا کر سکتے ہیں کہ دوسرے ممالک کو برآمد کیا جائے لیکن دوسرے معاشی ترقی کے شعبوں کی طرح زراعت کی طرف بھی بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان میں 20.33 ملین ایکڑ رقبہ زیر کاشت ہے۔ جب کہ 10.80 ملین ایکڑ قابل کاشت اراضی بخوبی ہوئی ہے گویا قابل کاشت رقبہ میں سے ایک تہائی بخوبی ہے اور زیر کاشت اراضی میں بھی زرعی پیداوار کا معیار پست اور فی ایکڑ پیداوار کم ہے، جس کے کئی اسباب ہیں:

- 1 - کسانوں کی اکثریت پرانے طریقے سے کھیتی باڑی کرتی ہے جس میں ہل اور مویشیوں کے ذریعے کاشتکاری کی جاتی ہے۔ زراعت کے میدان میں جدید سائنسی ٹکنالوجی کو بہت کم استعمال میں لا یا جاتا ہے۔

- 2 کیمیاوی کھاد کے استعمال اور عمدہ قسم کے بچ کے حصول کی طرف کسان کی توجہ نہیں ہوتی۔
- 3 زمینداری نظام نے زراعت کی ترقی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ زمیندار زرعی ترقی پر کوئی توجہ نہیں دیتا، اسے صرف بٹائی سے غرض ہوتی ہے جو وہ فصل کی کٹائی کے موقع پر ایک دانہ وصول کر لیتا ہے اور مزارعین بھی زراعت کو ترقی دینے پر زیادہ محنت نہیں کرتے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محنت کا بڑا حصہ تو زمیندار لے جائے گا۔
- 4 خبر رقبے بالعموم بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیت ہوتے ہیں جو خود انہیں آباد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اگر کوئی مزارع اسے آباد کرنے کے لیے تیار ہو تو اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ آباد ہونے کے بعد وہ رقبہ اسی مزارع کے پاس رہے گا اور زمیندار اس سے لے کر کسی دوسرے کو نہیں دے گا۔

اسلام نے ان تمام مسائل کا حل بتایا ہے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے جس زمین سے مثلاً دس من پیداوار نکالنے کی صلاحیت ہو لیکن غفلت اور کاہلی کی وجہ سے بجائے دس من کے نو من پیدا ہو تو جس شخص کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہوئی وہ قیامت کے دن ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا کہ مخلوق خدا اس کی وجہ سے اس روزی سے محروم ہو گئی جو اسے مل سکتی تھی۔

**حضرت عمر بن عبد العزیز ﷺ نے پوری اسلامی ریاست میں یہ شستی فرمان جاری کیا تھا کہ:**

”زمین کو غیر آباد ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ اگر کوئی کاشت کا رنصف حصہ کی بٹائی پر اسے آباد کرنے پر تیار نہ ہو تو تہائی پر دے دو۔ اگر پھر بھی آباد نہ ہو تو دسویں حصے کی شرط پر دے دو۔ پھر بھی کوئی کسی زمین کو آباد نہ کرے تو لوگوں کو یوں ہی مفت آباد کرنے کے لیے دے دو اور اگر پھر بھی آباد نہ ہو تو حکومت کے خزانے سے خرچ کر کے غیر آباد زمینوں کو آباد کرو۔“

اسلام نے زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدامات کیے، پاکستان میں مزارعت کی جو ظالمانہ صورتیں راجح ہیں ان کے جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بخبر زمینوں کی آبادی کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتَأً فِيهِ لَهُ“

(جس نے بخبر زمین کو آباد کیا وہ اس کی زمین ہے)۔

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس کے پاس زمین ہو، اسے خود کاشت کرے، ورنہ اپنے کسی بھائی کو کاشت کرنے کے لیے بلا معاوضہ دے دے۔“

اور اگر کوئی شخص نہ تو خود کاشت کرتا ہو نہ کاشت کرواتا ہو بلکہ اس نے اپنی مملوکہ زمین بخبر رکھ چھوڑی ہو تو اس کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”بے کاشت روک رکھنے والے کا حق تین سال کے بعد ساقط ہو جاتا ہے۔“

گویا جو زمین تین سال تک بخبر پڑی رہے گی، اس پر سے ملکیت کا حق ختم ہو جائے گا اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ کسی بے زمین کاشت کار کو آباد کرنے کے لیے دے دے۔

اگر ہم اسلام کے ان اصولوں کے مطابق اپنے زرعی نظام کو از سر نو استوار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی ضرورت سے زائد غلہ پیدا کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

### 3.3 قومی معیشت کی بیماریاں

اس کے علاوہ کئی بیماریاں ہیں جو ہماری قومی معیشت کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں مثلاً:

-1 کاروباری بد دینتی۔

-2 ذخیرہ اندوزی۔

-3 سٹے بازی۔

-4 سمجھنگ۔

کاروبار میں بد دینتی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ پرچون فروختی سے لے کر بین الاقوامی تجارت تک پھیلا ہوا ہے۔ بہت چھوٹے پیمانے پر خرید و فروخت میں ناپ تول میں کمی، اشیاء میں ملاوٹ اور عدمہ مال کے ساتھ ناقابل استعمال اشیاء ملائکر فروخت کر دینے کا رجحان بہت عام ہے۔ بد دینتی کا عمل بین الاقوامی تجارت میں بھی کافرما ہے جہاں نمونے کے مطابق مال کی ترسیل نہیں کی جاتی یا تدریجیاً معیار کم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری سودوں میں کمیشن، رشوت اور دوسرا ایسے ذرائع استعمال کیے جاتے رہے ہیں جو معاشی زندگی کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طرح کا کام ہماری اخلاقی، معاشی اور دینی زندگی کے لیے پیغام موت ہیں۔ ان میں سے صرف ایک جرم، ناپ تول میں کمی، قوم حضرت شعیب علیہ السلام میں پائی جاتی تھی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہو گیا۔

ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی وافر مقدار خرید کر اپنے گوداموں میں جمع کر لی جائے اور جب ان اشیاء کی قلت پیدا ہو جائے تو مہنگے داموں فروخت کر کے زیادہ منافع کمایا جائے۔

اسلامی نقطہ نظر سے یہ عمل لعنت کا موجب ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ“

(بازار میں چیزیں لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔)

ہمارے ہاں تجارت کا ایک یہ طریقہ رائج ہے کہ کچھ لوگ متوقع سامان تجارت کو آگے فروخت کرنے کا

ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس طرح مال درآمد کرنے والے اور حقیقی تاجر کے درمیان کئی کئی واسطے پیدا ہو جاتے ہیں جو ایک طرف تو ایسے مال کا سودا کرتے ہیں جو ابھی تک موجود ہی نہیں ہے۔ اسے نہ تو دیکھا جا سکتا ہے اور نہ اس کی کیفیت جانی جا سکتی ہے۔ یہ تجارت کی ایسی صورت ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے اور دوسری طرف وہ مال تجارت میں اپنا منافع شامل کر کے اس کی گرانی کا موجب بنتے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کے لیے کوئی مشقت نہیں اٹھائی ہوتی۔

سمگلنگ سے مراد سرکاری اجازت کے بغیر مال کی برآمد یا درآمد کرنا۔ اس میں سمگلنگ کرنے والا اس محصول کی ادائیگی سے پچنا چاہتا ہے جو حکومت کا جائز حق ہے۔ نیز حکومت یرو�ی تجارت کے لیے بہت سے عوامل کو مد نظر رکھتی ہے، مثلاً، کوئی چیز اتنی مقدار میں برآمد نہ کر دی جائے جس سے ملکی ضروریات کے لیے قلت کا سامان کرنا پڑے یا کوئی ایسی چیز درآمد نہ کی جائے جس سے ملکی صنعت کو نقصان پہنچے جبکہ اسمگلنگ ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنے منافع کے لیے قومی معیشت کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ یہ طریق کارنہ صرف خیانت بلکہ قومی مفاد سے غداری کے متراوِف ہے۔

اگر ہم پاکستان میں اقتصادی نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کر سکیں تو اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ وہ آسمان و زمین سے رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دے گا اور اللہ تعالیٰ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

## 4۔ تعلیمی مسائل

جو مسائل ہماری قومی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں ان میں سے ایک اہم مسئلہ تعلیم سے متعلق ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیمی مسائل کی پیچیدگیاں کئی قسم کی ہیں۔ آئیے ہم ان کا مختصرًا جائزہ لیں۔

### 4.1 پست شرح خواندگی

حکومتِ پاکستان اپنی تاسیس کے وقت سے ہی تعلیمی شرح کو بہتر بنانے کے لیے بھرپور سعی کر رہی ہے۔ ہر سال ہمارے بجٹ کا معدہ حصہ تعلیمی اخراجات کے لیے وقف ہوتا ہے۔ حکومت کی یہ کوشش رہی ہے کہ ہر آبادی کے لیے سکول اور ہر تحصیل ہیڈکوارٹر پر کالج کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اور حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہی۔ لیکن تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح آبادی کی وجہ سے خواندگی کے تناسب میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا۔

قوموں کی برادری میں یہ امر ہمارے لیے انتہائی شرمندگی کا باعث ہے کہ ہمارے ہاں شرح خواندگی انتہائی پست ہے۔ آبادی کی بھاری اکثریت پڑھنے لکھنے سے عاری ہے۔ اگرچہ حکومت نے ہر دور میں شرح خواندگی میں اضافے کے لیے متعدد اقدامات کیے ہیں لیکن اس سارے عمل میں ایک کڑی مفقود ہے جس کے بغیر بہتر نتائج کی توقع رکھنا بے سود ہے۔ اور وہ ہے ناخواندہ لوگوں میں حصول علم کا شوق پیدا کرنا۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک لوگوں کو یہ یقین نہ ہو کہ تعلیم ان کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں ٹھوس اور ثابت انقلاب لاسکتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ بالخصوص ریڈ یو ہیلپویژن کے ذریعے سے تعلیم کی افادیت موثر انداز سے ذہن نشین کرائی جائے۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہمیشہ تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ ہربستی، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس میں لازماً مسجد ہوتی تھی اور ہر مسجد میں تعلیم کا انتظام ضرور ہوتا تھا۔ بچوں کو ابتداء سے ہی کلمہ طیبہ، نماز،

ادعیہ ماثورہ، ناظرہ قرآن حکیم کے علاوہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے بارے میں دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ بعض مساجد میں اعلیٰ تعلیم کا بھی انظام تھا۔ مساجد کے علاوہ پورے عالم اسلام میں مدارس، کلیات اور جامعات کا جال بچھا ہوا تھا جن کے دروازے نہ صرف مسلم آبادی بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی کھلے تھے۔ یہ اسلام کی تعلیمات کا اثر تھا کہ عالم اسلام میں تقریباً ہر جگہ خواندگی کا تناسب بہت زیادہ تھا، حتیٰ کہ اندرس کے بارے میں ایک غیر مسلم مورخ ڈوزی (Dozy) لکھتا ہے:

”پسین کے تقریباً ہر آدمی کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب سیجی یورپ بس علم کی مبادیات ہی جانتا تھا اور یہ مبادیات بھی بڑی حد تک گنتی کے اراکین کلیسا جانتے تھے۔“

پس شرح خواندگی میں اضافے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ابتدائی درجے میں تعلیم لازمی قرار دی جائے، ہر بچے کے سکول میں داخلے کی ضمانت دی جائے، بالغوں کو تعلیم کی افادیت سے روشناس کرایا جائے اور انہیں اس نوع کی تعلیم دی جائے جو ان کی معاشی اور سماجی زندگی کے لیے سودمند ہو، نیز انہیں یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرے۔

عوام کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں ناخواندگی کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ رسالت ماب ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی یعنی:

﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلْقٍ ۝ إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝  
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلْمَنِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (اعلن(۹۶):۱-۵)

(اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا انسان کو مجحد خون سے۔ پڑھ اور تیرا عزت والا رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے سے انسان کو وہ بتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا)۔

اس میں پہلے ”لطف“ میں ہی پڑھنے کا حکم دیا گیا اور پڑھنے، لکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی۔ قرآن حکیم نے حضرت آدم علیہ السلام کے خلافت ارضی کے استحقاق کا سبب یہی بتایا کہ وہ علم میں فرشتوں پر فوقيت رکھتے تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَكَةِ لَا فَقَالَ أَنْبِئْنِي بِاسْمَاءِ هُوَ لَاءٍ إِنْ كُتُمْ صَدِيقِينَ قَالُوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴾ قَالَ يَآدُمُ أَنْبِئْهُمْ بِاسْمَاءِ هُمْ فَلِمَا أَنْبَاهُمْ بِاسْمَاهُمْ لَا قَالَ إِنَّمَا أَقْلِلُ لَكُمْ أَنَّمَا أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا وَاعْلَمُ مَا تَبْدُونَ وَمَا كُتُمْ تَكْتُمُونَ ﴾ (البقرہ (۲۲: ۳۲-۳۳))

(اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جوز میں میں فساد پھیلائے گا اور خون بھائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام سکھا دیے۔ پھر انہیں فرشتوں پر پیش کیا پھر کہا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے ہم تو ہی چیزیں جانتے ہیں جو تو نے ہمیں سکھائیں۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اے حضرت آدم علیہ السلام ان کو ان چیزوں کے نام بتا دے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے نام بتا دیے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے مخفی امور جانتا ہوں اور وہ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو)۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات و تعلیمات میں حصول علم کو اس قدر اہمیت دی کہ آپ نے مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ ہی سب سے پہلی اسلامی درس گاہ ”صفہ“ کی بنیاد رکھی اور آپ ﷺ نے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے حصول علم کو فرض قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(( طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ))

(علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے)

## 4.2 متوازی تعلیمی نظام

ہمارے ملک میں ایک مدت سے دو متوازی نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک دینی مدارس کا نظام اور دوسرے مربجہ تعلیمی نظام۔ یہ تعلیمی نظام بھی دو عملی کا شکار ہے۔ اس میں ایک طرف عوام کے بچوں کے لیے عام تعلیمی ادارے ہیں جن میں ٹیکسٹ اور ڈیسک سے لے کر تربیت یافتہ اساتذہ تک ہر چیز کی کمی ہے اور دوسری طرف انگلش میڈیم سکول ہیں جن کے بھاری اخراجات صرف امیر خاندان ہی برداشت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ امراء کے بچے ان سکولوں میں تعلیم حاصل کر کے شروع سے ہی انگریزی بولنے اور لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور سرکاری زبان انگریزی ہونے کی وجہ سے آگے چل کر کلیدی اسامیوں پر بھی طبقہ فائز ہو جاتا ہے۔ ان تین متوازی نظام ہائے تعلیم کی وجہ سے ہمارا تعلیم یافہ طبقہ تین مختلف طبقات میں تقسیم ہو گیا۔

جب برصغیر پر انگریزی استعماریت کا تسلط مضبوط ہو گیا اور انگریزوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو یکسر نظر انداز کر کے اپنا نظام تعلیم رائج کیا، جس سے علوم اسلامیہ کو بے دخل کر دیا گیا، تو علماء اسلام نے دین کو ان کی دست برد سے بچانے کے لیے دینی مدارس کے قیام کی طرف توجہ دی، جن میں قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔ یہ عمل یقیناً وقت کی اہم ترین ضرورت تھی اور ان مدارس نے مسلمانوں کی سیاسی بیداری، دینی تعلیم اور علماء و فقہاء کی ایک بھاری تعداد پیدا کرنے میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

لیکن بد قسمتی سے یہ نظام تعلیم حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کر سکا جس سے ایسے افراد تیار ہو سکتے جو مک کی آزادی کے بعد نظام حکومت چلانے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوتے۔ دوسرا طرف انگریزوں کے رائج کردہ نظام تعلیم نے بلاشبہ ایسے افراد مہیا کیے جو متواتر نظام حکومت چلانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے لیکن علوم اسلامیہ سے نابلد ہونے کی وجہ سے وہ ایک نظریاتی ریاست کو اسلام کے انقلابی اصولوں کے مطابق تعمیر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ نیتیجاً نظریات اور ریاست میں صرف لفظی رابطہ برقرار رہا۔ قومی تغیر و ترقی کی بنیاد نظام تعلیم پر ہے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد اتنے طویل عرصے میں نہ تو دینی مدارس قومی تیادت فراہم کر سکے اور نہ ہی جدید مروجہ نظام تعلیم سے، اصلاحی اقدامات کے باوجود، متوقع تباہ برآمد ہو سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نظام ہائے تعلیم میں کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور ہیں۔ ایک ریاست میں دو متوازی نظام تعلیم بجائے خود ایک بہت بڑی خامی ہے، اس کی کسی حالت میں اجازت نہیں ہوئی چاہیے۔

### 4.3 ہمہ گیر اصلاح کی ضرورت

اوپر کی بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالاعلمی نظام ایک نظریاتی ریاست کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ ایک نظام صرف دینی امور کے چند پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے اور نظام حکومت چلانے کی صلاحیت پیدا کرنے سے انماض بر ت رہا ہے اور دوسرا صرف معاشی ضروریات کسی حد تک پوری کر سکتا ہے اور اصلاح احوال کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہے۔ اس لیے یہ امر بدیہی ہے کہ ان میں سے کسی ایک نظام کو کلینٹ اپنا لینا نہ تو ہمارے ملی تقاضوں کے لیے مفید ہے اور نہ قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ اگر حالات کی نگینہ کا صحیح طور پر اندازہ کیا جائے تو آج قوم بے اطمینانی اور بے یقینی کی جس یہجانی کیفیت سے گزر رہی ہے اس کا بروقت اور صحیح تدارک نہ کیا گیا، تو کسی بھی انقلاب کو آنے سے نہیں روکا جاسکتا اور اس انقلاب کے نتائج کیا ہوں گے، اس کی پیش گوئی کرنے کے لیے کسی پیغمبرانہ بصیرت کی ضرورت نہیں۔ نیز اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں ہے جس میں دین و دُنیا کی دوئی کا کوئی تصور ہو۔ اسلام نے ہمیں دُنیا کو صحیح طریقے سے برتنے، حکومت کرنے، نظام

چلانے بلکہ قوموں کی امامت کرنے کے اصول دیئے ہیں۔ جنہیں نظر انداز کر کے ہم کبھی کامیابی سے ہم کنارہ بیس ہو سکتے۔ کسی بھی نظام کی اصلاح کا آغاز ہمیشہ تعلیمی نظام سے کیا جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم کی ہمہ گیر اصلاح کے لیے انقلابی اقدامات کریں۔

#### 4.4 اصلاح کے لیے عملی تجویز

۱۔ نصاب تعلیم سے قدیم و جدید اور دینی و دنیاوی خود ساختہ تقسیم ختم کر کے ثانوی تعلیم کی سطح تک نصاب میں یکسانیت پیدا کی جائے اور دونوں نظام ہائے تعلیم کا تفصیلی جائزہ لے کر ایک ایسا متوازن نصاب مرتب کیا جائے جو ایک آزاد نظریاتی اور ترقی پسند مسلمان قوم کے ملی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ اس نصاب تعلیم میں قرآن، حدیث، فقہ اور عربی زبان کو شامل کیا جائے اور سکولوں میں پڑھائے جانے والے مضامین کا بوجھ نسبتاً کم کر کے علوم اسلامیہ کے لیے زیادہ گنجائش پیدا کی جائے اور ہر دو (2) طرح کے اداروں میں یہی نصاب لازمی قرار دے دیا جائے۔

۲۔ تمام دینی مکاتب، مدارس، دارالعلوم اور جامعات کی مدارج تعلیم، معیار تعلیم اور نصاب کے اعتبار سے درجہ بندی کر کے ان کو ابتدائی، ثانوی، کلیاتی اور جامعی درجات میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کی پراستمی ، مڈل، ہائی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ درجاتی ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

۳۔ انٹر کے درجہ میں جس طرح علم و ادب، پری میڈیاکل، پری انجینئرنگ اور کامرس وغیرہ کے الگ الگ گروپ ہیں، اسی طرح اسلامک سٹڈیز گروپ قائم کیا جائے جس کے لیے خصوصی نصاب تیار کیا جائے۔ جس طرح دیگر گروپوں کے طلبہ اپنے اپنے شعبے کے مضامین میں کامیابی کے بعد فنی یا پیشہ وارانہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخل ہونے کے اہل ہوتے ہیں اسی طرح اسلامک سٹڈیز گروپ سے کامیاب ہونے والے طلبہ الکلیہ الشریعہ یا الجامعۃ الاسلامیہ میں داخل ہونے کے اہل قرار پائیں۔

۴۔ اسلامی یونیورسٹی میں انٹر کے بعد چھ سالہ کورس رکھا جائے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اسلام، تقابل ادیان، عربی زبان و ادب، علم معانی و بیان، اسلام کے اقتصادی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی نظام اور منطق، فلسفہ اور سائنسی علوم کی تعلیم دی جائے۔

۵۔ سائنسی تعلیم کے لیے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی تحقیقات سے اسی طرح فائدہ اٹھایا جائے جیسے مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں محض چند برسوں میں ساری دنیا سے سائنسی علوم کی تالیفات اور ماہرین کو جمع کر کے ایسے اعلیٰ پیمانے کے سائنسی ادارے قائم کیے جن کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کا تقریباً ایک ہزار سال تک شہرہ رہا اور آج کی ماڈرن سائنس کی بنیاد ان ہی تحقیقات پر ہے۔

۶۔ اساتذہ کے انتخاب کے لیے سخت ترین معیار مقرر کیا جائے تاکہ صرف باصلاحیت، محنتی، باکردار اور پیشے سے لگن رکھنے والے افراد ہی اس پیشے سے مسلک ہو سکیں۔ اس ضمن میں ان کی سیرت اور اخلاق کی پیچگی اور اسلامی طرزِ زندگی کو ان کی علمی قابلیت کے برابر اہمیت دی جائے۔ نیز پرائزمری اساتذہ سے لے کر یونیورسٹی پروفیسرز کی سطح تک تمام اساتذہ کے لیے سول سرومنز کے طریقے پر وسیع پیمانے کا قریبی پروگرام شروع کیا جائے۔ صرف تربیت یافتہ تمام اساتذہ ہی تعلیمی اداروں میں خدمات کے اہل ہوں۔ نیز اساتذہ کی سالانہ ترقی اور اگلے گرید میں ترقی یابی کو مذکورہ بالا امور سے وابستہ کر دیا جائے اور سالانہ خفیہ روپورٹوں میں اساتذہ کے فکری، علمی، نظریاتی، اخلاقی رہنمائی اور اسلامی شعائر کی پابندی کے بارے میں واضح دفعات شامل کی جائیں۔ جن اساتذہ کے بارے میں یہ تحقیق ہو جائے کہ مذکورہ بالا اقدامات کے باوجود وہ اپنی فکری اور عملی زندگی میں اسلامی طرزِ عمل کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں یا ان کی سیرت و کردار اسلام کے واضح اصولوں اور مسلم طلبہ کی ثقافتی تربیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے، انہیں فوری طور پر مکمل تعلیم سے سبکدوش کر دیا جائے۔

۷۔ معلمی کے پیشے کو باوقار اور جاذب نظر بنانے کی غرض سے اساتذہ کے لیے پرائزمری درجے سے لے کر یونیورسٹی تک پیشل گرید سسٹم راجح کیا جائے تاکہ اساتذہ معاشری طور پر مطمئن ہو کر ہمہ وقت اپنے آپ

- کو تعلیم و تدریس کے لیے وقف کر سکیں۔ نیز معاشرے میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔
- ۸۔ اسلام کے تمام مآخذ عربی زبان میں ہیں اور جب تک عربی سے براہ راست واقفیت نہ ہو اسلام کو اس کے اصلی مآخذ سے سمجھنا ناممکن ہے۔ نیز عربوں کے ساتھ ہمارے بڑھتے ہوئے برادرانہ تعلقات بھی عربی کی اہمیت اجاگر کرتے ہیں۔ اس لیے عربی زبان کو تمام درجوں میں لازمی قرار دے دیا جائے اور عربی کی تدریس کے فرسودہ طریقے تبدیل کر کے جدید طریقہ ہائے تدریس کے ذریعے سے اس کی تعلیم آسان بنادی جائے۔ چھٹی جماعت سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک قرآن، حدیث، تاریخ اسلام اور عربی ادب کے ضمن میں عربی زبان کی تدریس کرائی جائے تاکہ ایک گریجویٹ میں عربی کی اس قدر استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ عربی مآخذ سے براہ راست استفادہ کر سکے۔
- ۹۔ تعلیمی اداروں کے ماحول کی اصلاح کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ شاعر دین کی پابندی کرائی جائے، نیکی اور پرہیز گاری کا ماحول پیدا کیا جائے۔ پسندیدہ اوصاف کی نشوونما اور برے اطوار کی بخش کنی کے لیے سربراہان ادارہ کے فرائض و اختیارات میں اضافہ کیا جائے اور امتحان میں اسلامی شاعر کی پابندی کے خصوصی نمبر رکھے جائیں۔
- ۱۰۔ حکومت زکوٰۃ، صدقات اور عشرتی وصولیابی کے لیے اہل، قابل اعتماد اور دینانت دار افراد کا تقرر کرے اور خیراتی بنیادوں پر چلنے والے اقامتی اداروں کے اخراجات کی کفالت کے لیے مذکورہ فنڈز استعمال میں لائے۔
- ۱۱۔ طلبہ و اساتذہ معاشرے کا ایک حصہ ہیں اور معاشرتی طور و طریق سے فطری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے بھیتیت مجموعی معاشرے کی اصلاح کے لیے ترغیب و ترتیب کے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرنے ضروری ہیں، ورنہ اس امر کا اندیشہ ہے کہ تعلیم کے شعبے میں اصلاحی اقدامات کے باوجود جب طلبہ فارغ ہو کر معاشرے میں جائیں تو بدی کے اسی طوفان میں بہہ جائیں جو ہمارے چاروں طرف موجزن ہے۔

اگر ان تباویز پر خلوص دل سے عمل کیا جائے تو ملک سے دو متوالی تعلیمی نظاموں کا خاتمه ہو جائے گا جو انتہائی ضروری ہے اور اس کی جگہ ایک ایسا نظام تعلیم آئے گا جو ایک طرف اسلامی سکالرز پیدا کرے گا اور دوسری طرف ہمارے انتظامی، فنی اور دیگر تمام شعبوں کی ضروریات کے لیے قابل، اہل اور دیانت دار افراد پیدا کر سکے گا۔ اس طرح ہم ایک ایسی نسل تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جونہ صرف اپنے ملک، عالم اسلام بلکہ پوری دُنیا کی امامت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوگی۔

عزیز طلبہ و طالبات! اس یونٹ میں ہم نے مختصرًا اپنے مستقبل کے حوالے سے بعض اہم مسائل کی نشان دہی کی ہے لیکن ان تمام بکھرے ہوئے مسائل کو آپ سمجھا بھی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ وہ طریقہ جان سکیں جس سے ہمارا قومی مستقبل نہ صرف محفوظ بلکہ شاندار ہو جائے تو وہ طریقہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اسی بات کو آپ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ آج مسلمان دُنیا بھر میں پست اور ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس کی اصل وجہ جانا ضروری ہے تاکہ اس کا علاج کر کے ہم قوموں کی برادری میں عزت حاصل کر سکیں۔ قرآن حکیم نے اس صورت حال کا حقیقی سبب بتایا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أَفَتُؤْمِنُونَ بِعَضِ الْكِتَبِ وَتَكُفُّرُونَ بِعَضٍ ۝ فَمَا جَزَّ أُمَّةٌ مَنْ يَعْمَلُ ذلِكَ مِنْكُمْ  
إِلَّا خِزْنٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ  
عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝﴾ (آل بقرہ ۲: ۸۵)

(کیا تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کو رد کر دیتے ہو۔ تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا اس کا بدلہ بس یہی ہے کہ دُنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی اور قیامت کے روز ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں بنتا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔)

پس دُنیا میں عزت، کامیابی، فتح مندی اور اپنے مستقبل کے تحفظ اور حمانت کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ

یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ اسے اپنی زندگی کے ہر معاملے میں رہنمایا جائے اور زندگیاں اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کی بجائے قرآن کی ہدایت اور اُسوہ رسول ﷺ کے مطابق گزاری جائیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿أَنْتُمْ أَلَا عَلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنُينَ﴾  
(آل عمران (۳): ۱۳۹)

(اگر تم سچے مومن ہو تو تم ہی سر بلند ہو گے۔)

اور اگر ہم ایمان کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے سچے مومن بن جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اپنے وعدے کا سچا کون ہو سکتا ہے پھر وہی اپنے مانے والوں کو سر بلند کرے گا۔

## خود آزمائی نمبر 1

- 1 اسلامی نظریہ کی بقاء کے لیے کن دو ضرورتوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے
- 2 قرآن کریم نے امت مسلمہ کی کیا ذمہ داری متعین کی ہے؟
- 3 اسلامی شخص کی بنیاد کس عقیدہ پر ہے؟
- 4 ان امور کی نشاندہی کجھے جو اسلامی شخص کو اجاگر کرنے میں مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔
- 5 قرآن کریم مسلمانوں کے انفرادی یا قومی جھگڑوں کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے؟
- 6 حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کی ریاست کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی؟
- 7 مسلمان دُنیا کی آبادی کا کتنے فیصد ہیں؟

- 8 اقوام متحده میں مسلم ممالک کے ارکان کی تعداد کیا ہے؟
- 9 غیر مسلم سامراجی طاقتوں کے تسلط سے نجات پانے کے لیے کیا تراکیب کی جاسکتی ہیں؟
- 10 اسلام میں فقر و فاقہ کو ختم کرنے اور انفرادی و قومی معیشت کے استحکام کے لیے کیا حکم ہے؟
- 11 فقر و فاقہ انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے؟
- 12 کفالت عامہ کے ٹھمن میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری کیا ہے؟
- 13 پاکستان میں زرعی پیداوار کا معیار پست ہونے کے کیا اسباب ہیں؟
- 14 اسلام نے زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لیے کیا اقدامات تجویز کیے ہیں؟
- 15 ان امور کی نشان دہی کریں جو قومی معیشت کی تباہی کا باعث ہیں؟

## خود آزمائی نمبر 2

- 1 قومی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا مسئلہ کیا ہے؟
- 2 مسلم معاشرے کے ہر فرد سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا مطالبہ ہے؟
- 3 پاکستان میں کون سے دو متوازنی نظام تعلیم جاری ہیں؟
- 4 نظام تعلیم کی ہمہ گیر اصلاح کے لیے کیا انقلابی اقدامات کیے جاسکتے ہیں؟
- 5 دُنیا میں عزت اور کامیابی کے حصول کے لیے کس چیز کو راہنمابانا چاہیے؟